بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾

****

عالم تھا باعمل تھا عالی دماغ تھا
انجمن دیوبند میں وہ روشن چراغ تھا

حیاتِ زاہد

جمعیۃ علماء ہند کا عظیم سپوت اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب قاسمی ابراہیمی نور اللہ مرقدہ
خلیفہ ومجاز حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائپوری کی مختصر سوانح عمری
اور
آپ کے اوصاف وحالاتِ زندگی پر علماء کرام، مشائخ عظام، دانشورانِ قوم
اور اربابِ قلم کے تاثراتی مضامین

مرتب:

مفتی عبد الخالق قاسمی الماجری

خادم التدریس والافتاء مدرسہ اسلامیہ عربیہ کنز العلوم ٹڈولی ضلع سہارنپور (یوپی)

ناشر:

شعبہ نشر واشاعت مدرسہ اسلامیہ عربیہ کنز العلوم ٹڈولی ضلع سہارنپور (یوپی)

جملہ حقوق بحقِ مرتب محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب	:	حیاتِ زاہدؒ
مرتب	:	مفتی عبد الخالق قاسمی الماجری
کمپیوٹر تصحیح وسیٹنگ	:	اے، آر، کمپیوٹر سینٹر (انیس الرحمن قاسمی) 9557 252510
اشاعت اول	:	۱۴۴۳ھ/ مطابق ۲۰۲۲ء
صفحات	:	416
قیمت	:	180
ناشر	:	شعبہ نشر واشاعت مدرسہ اسلامیہ عربیہ کنز العلوم ٹڈولی، نزد گنگوہ شریف، ضلع سہارنپور (یوپی)

ملنے کا پتہ

مدرسہ اسلامیہ عربیہ کنز العلوم ٹڈولی ضلع سہارنپور (یوپی)

مکتبہ دار الفکر دیوبند، ضیائیہ بک ڈپو قصبہ گنگوہ

8126383057

akq.mkt@gmail.com

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱	انتساب	۱۶
۲	عرضِ مؤلف	۱۷
۳	زیرسرپرستی	۲۲
۴	تقریظ: ازحضرت مولانا سید مکرم صاحب الحسنی دامت برکاتہم سنسار پوری	۲۳
۵	تقریظ: مخدومی سندی استاذی حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم	۲۵
	صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند	//
۶	تقریظ: عظیم فاضل گرامی حضرت مولانا ومفتی محمد اسجد الحسینی صاحب اطال اللہ ظلہ	۲۹
	خلف الرشید اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ	//
۷	تقریظ: حضرت مولانا شاہد صاحب دامت برکاتہم	۳۱
	امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارن پور	//
۸	پیغام: حضرت مولانا محمود اسعد مدنی صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند	۳۴
۹	حرفِ اول	۳۵
۱۰	**پہلا باب**	
۱۱	خاندان	۳۷

2

۱۲	نام ونسب	۳۷
۱۳	ولادت باسعادت وقومیت	۳۷
۱۴	وطنِ مالوف	۳۷
۱۵	والد محترم	۳۸
۱۶	دادا مکرم	۳۸
۱۷	والدہ محترمہ	۴۱
۱۸	چچا اور پھوپھیاں	۴۱
۱۹	آپ کی بہن	۴۲
۲۰	اولاد واحفاد	۴۲
۲۱	حضرت مولانا محمد عارف صاحب قاسمی زاہدی	۴۲
۲۲	حضرت مفتی محمد طیب صاحبؒ زاہدی	۴۴
۲۳	حضرت مولانا محمد اشفاق صاحب قاسمی زاہدی	۴۶
۲۴	جناب حافظ محمد ساجد صاحب زاہدی	۴۶
۲۵	حضرت مفتی محمد اسجد حسینی صاحب قاسمی زاہدی	۴۷
۲۶	بڑی بیٹی	۴۸
۲۷	دوسری بیٹی	۴۹
۲۸	آپ کے اطوار واوصاف اور عادات	۴۹
۲۹	جام شہادت	۵۱
۳۰	تجہیز وتکفین	۵۴
۳۱	تعزیتی اجلاس اور وفود کی آمد	۵۴

۳۲	پسِ ماندگان	۵۶
۳۳	ایک ہزار قرآن کریم کا ایصالِ ثواب	۵۶
۳۴	**دوسرا باب**	
۳۵	تعلیم وتعلم کے بیان میں	۵۷
۳۶	بغرض تعلیم موضع آہبہ آمد	۵۸
۳۷	ہاتھی بھی پیش کردیتا	۶۰
۳۸	جذبۂ خدمت	۶۰
۳۹	از ہر ہند دار العلوم دیوبند میں داخلہ	۶۱
۴۰	ایک لطیفہ	۶۲
۴۱	مادرِ علمی کا تعلیمی زمانہ	۶۲
۴۲	حسن ادب	۶۳
۴۳	زمانۂ طالب علمی میں جذبۂ سخاوت	۶۴
۴۴	زمانۂ طالب علمی میں تقویٰ شعاری	۶۵
۴۵	حکایت	۶۵
۴۶	سند فضیلت	۶۸
۴۷	تکمیل تفسیر کے لیے مولانا احمد علی لاہوری کی خدمت میں	۶۸
۴۸	آپ کے اساتذۂ کرام کا مختصر تعارف	۶۹
۴۹	صاحبِ فتح الملہم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی	۶۹
۵۰	حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب دیوبندی	۷۲
۵۱	امام المعقولات حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ	۷۳
۵۲	مولانا عبد السمیع صاحب دیوبندیؒ	۷۴

۵۳	مفتی ریاض الدین صاحبؒ	۷۵
۵۴	حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان	۷۶
۵۵	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ	۷۷
۵۶	شیخ التفسیر حضرت مولانا ادریس صاحبؒ کاندھلوی	۷۹
۵۷	زاہد عن الدنیا حضرت مولانا ظہور حسن صاحبؒ	۸۱
۵۸	اسیر مالٹا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ	۸۲
۵۹	شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحبؒ	۸۶
۶۰	کہکشاں درسِ انجمن	۹۰
۶۱	صوفئ زماں حضرت مولانا سید محمود حسن صاحبؒ پٹھیڑوی	۹۰
۶۲	حضرت مولانا عظیم الدین صاحب انبہٹوی رحمہ اللہ علیہ	۹۲
۶۳	شیخ الحدیث حضرت مولانا اصغر صاحبؒ	۹۴
۶۴	حضرت مولانا خالد سیف اللہ گنگوہیؒ	۹۵
۶۵	حضرت مولانا محمد نعیم صاحبؒ شیخ الحدیث دار العلوم وقف	۹۶
۶۶	**تیسرا باب**	۹۹
۶۷	تدریسی خدمات کے بیان میں	
۶۸	جامعہ احمد العلوم خانپور میں درس	۱۰۰
۶۹	شیخ الادبؒ کا قول	۱۰۱
۷۰	اسد الہندؒ کی علمی گرفت	۱۰۱
۷۱	درس تجوید	۱۰۲
۷۲	حضرت مولاناؒ طلبہ کو مشقت کا عادی بنادیتے تھے	۱۰۲
۷۳	حضرت اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے مشہور شاگرد	۱۰۳

۷۴ **چوتھا باب**
۷۵ **تصوف کے بیان میں** ۱۰۵
۷۶ صحبت صالح کی ضرورت ۱۰۶
۷۷ راہِ حق کا طالب رہبر کامل کی خدمت میں ۱۰۷
۷۸ رائے پور رہبر مسعود کی خدمت میں ۱۰۸
۷۹ حضرت رائے پوریؒ کی حیات جمال کا تذکرہ ۱۰۹
۸۰ جانشینی کے منصوب اشارات ۱۱۲
۸۱ خاکہ درتراشہ ۱۱۳
۸۲ حضرت شیخ زکریا صاحبؒ سے اجازت ۱۱۴
۸۳ ذکر زکریاؒ اختصار کے آئینے میں ۱۱۵
۸۴ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی طرف سے اجازت وخلافت ۱۱۷
۸۵ جانشین شیخ الاسلام فدائے ملتؒ ایک جھلک میں ۱۱۸
۸۶ حضرت اسد الہندؒ اور معمولات کی پابندی ۱۲۱
۸۷ اتباع سنت کا اہتمام ۱۲۲
۸۸ اسٹیشن والی مسجد کا واقعہ ۱۲۳
۸۹ حافظ صادق صاحب الماجری کی روایت ۱۲۴
۹۰ اعتکاف ۱۲۴
۹۱ اسفارحج ۱۲۵
۹۲ ایک درویش کی پیشین گوئی ۱۲۶
۹۳ **پانچواں باب**
۹۴ **کرامت الاولیاء حق** ۱۲۹

۹۵ حاجی کرم الٰہی کیرانوی کا واقعہ ۱۳۱
۹۶ حافظ منظور صاحبؒ کا واقعہ ۱۳۱
۹۷ گوشت کا واقعہ ۱۳۲
۹۸ ایک مرید سے مصافحہ نہ کرنیکا واقعہ ۱۳۲
۹۹ راجستھان کے ایک صاحب کا واقعہ ۱۳۳
۱۰۰ چلھولی کے ایک حافظ صاحب کا واقعہ ۱۳۳
۱۰۱ کثرنفسی وانکساری ۱۳۴
۱۰۲ راقم الحروف کے والد محترم کی حکایت ۱۳۴
۱۰۳ منشی عبدالوحید صاحب کا واقعہ ۱۳۶
۱۰۴ تالے کا واقعہ ۱۳۶
۱۰۵ تصوف میں حضرت شیخ زکریاؒ کے نزدیک آپ کا مقام ومرتبہ ۱۳۷
۱۰۶ آپؒ کا نشانہ بھی خوب تھا ۱۳۷
۱۰۷ گھاٹم پور میں گھوڑے کو جھاڑنا ۱۳۸
۱۰۸ دارالعلوم دیوبند اور مدنی خوانوادہ سے عشق ۱۳۸
۱۰۹ **چھٹا باب**
۱۱۰ **آپ کے خلفاء ومجازین کرام کے بیان میں** ۱۴۰
۱۱۱ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوریؒ ۱۴۱
۱۱۲ تعلیم وتعلم ۱۴۲
۱۱۳ خانقاہ رائے پور کی تولیت ۱۴۲
۱۱۴ بیعت وخلافت ۱۴۳
۱۱۵ جانشین شیخ الہند حضرت مفتی طیب صاحب زاہدیؒ ۱۴۴

۱۱۶	حضرت مولانا گلزار صاحب بوڑیوی دامت برکاتہم	۱۴۴
۱۱۷	ماسٹر لیاقت صاحب دامت برکاتہم (کلیہڑی والے)	۱۴۶
۱۱۸	صوفی یٰسین صاحب سجوڑ والے	۱۴۹
۱۱۹	ماسٹر رشید الدین صاحب پاکستانی	۱۵۱
۱۲۰	حاجی مہتاب صاحبؒ میواتی	۱۵۱
۱۲۱	صوفی الحاج سرفراز صاحبؒ مظفرنگر	۱۵۱
۱۲۲	حضرت مولانا رکن الدین صاحب بھورہ	۱۵۲
۱۲۳	شیر پنجاب حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ میواتی	۱۵۳
۱۲۴	حضرت الحاج حافظ منظور صاحب ٹوڈرپوریؒ	۱۵۴
۱۲۵	**ساتواں باب**	
۱۲۶	**سیاسی خدمات کے بیان میں**	۱۵۷
۱۲۷	حضرت اسد الہند بحیثیت جمعیۃ علماء ہند کا عظیم سپوت	۱۵۷
۱۲۸	آپ کی جمعیۃ العلماء سے وابستگی	۱۵۷
۱۲۹	جمعیۃ العلماء اور شرعی پنچایت کا قیام	۱۵۹
۱۳۰	جمعیۃ العلماء اور اصلاحِ رسوم و معاشرہ	۱۶۰
۱۳۱	۱۹۴۶ء میں ایم ایل اے کا الیکشن	۱۶۰
۱۳۲	۱۹۴۶ء میں الیکشن کے ورکر	۱۶۳
۱۳۳	حضرت کو گولی مروانے کی سازش	۱۶۳
۱۳۴	بوڑیہ میں جے پرکاش نارائن اور اسد الہند	۱۶۴
۱۳۵	ہریانہ پنجاب کی قیامت اور اسد الہندؒ کی قربانی	۱۶۵
۱۳۶	ڈھکہ گاؤں کا واقعہ	۱۶۷

5

۱۳۷	حضرت شیخ الاسلامؒ کی نظر میں	۱۶۸
۱۳۸	حضرت قطب عالم شاہ عبد القادر صاحبؒ کی نظر میں	۱۶۹
۱۳۹	آپ کا ایک تاریخی انٹرویو	۱۷۰
۱۴۰	اسد الہندؒ کا خود اپنے فارمولے پر عمل	۱۷۲
۱۴۱	منشی عبد الوحید خاں صاحب کا ٹرانسفر	۱۷۴
۱۴۲	ایس' ڈی' ایم صاحب اور چینی کی سفارش	۱۷۵
۱۴۳	تقسیم وطن کا ایک اہم قانون	۱۷۶
۱۴۴	۱۹۷۷ء میں ایم' پی' کا الیکشن	۱۷۷
۱۴۵	سرساوہ میں چودھری یشپال سنگ کا جلسہ	۱۸۰
۱۴۶	غیر مسلموں کے ساتھ رواداری	۱۸۱
۱۴۷	آپکا ایک اور تاریخی کارنامہ	۱۸۱
۱۴۸	چودھری فخر الدین علی احمد صاحب گوجر	۱۸۲
۱۴۹	**آٹھواں باب**	
۱۵۰	**اقوالِ اکابرینِ امت کے بیان میں**	۱۸۴
۱۵۱	فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ کا قول	۱۸۴
۱۵۲	صوفیٔ زماں حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ جلال آبادی کا قول.	۱۸۴
۱۵۳	حضرت عبد اللہ سائیں جیؒ کا قول	۱۸۵
۱۵۴	حضرت الشیخ مفتی عبد الغنی صاحب ازہری مدظلہٗ کا قول	۱۸۵
۱۵۵	حضرت مفتی مظفر صاحب نوراللہ مرقدہ سابق ناظم جامعہ مظاہر علوم وقف کا قول.....	۱۸۶
۱۵۶	جناب مولانا حسیب صدیقی صاحب منیجر مسلم فنڈ دیوبند	۱۸۷
۱۵۷	عزم و استقلال کا کوہِ گراں از مولانا طاہر صاحب شیخ الحدیث رائے پور.	۱۸۹

١٥٨ حضرت مولانا ظہور احمد صاحب عماد پوری دامت براکاتہم کی زبانی .. ١٩١
١٥٩ ایک اندوہناک خبر بقلم حضرت مفتی دلشاد صاحب ماجروی ١٩١
١٦٠ استادی قاری عبدالواحد صاحبؒ کی زبانی ١٩٢
١٦١ حافظ محمود صاحبؒ ڈھولا پڑوی کی زبانی ١٩٤
١٦٢ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب گنگوہی کا قول ١٩٥
١٦٣ حافظ منظور صاحب ڈھولا پڑوی کی زبانی ١٩٦
١٦٤ **نواں باب**
١٦٥ **تحریکِ مدارس کے بیان میں** ١٩٧
١٦٦ مدارس کی اجمالی فہرست ١٩٧
١٦٧ مدرسہ عربیہ سراج العلوم دجھیڑہ ١٩٩
١٦٨ جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت ٢٠٠
١٦٩ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کنز العلوم ٹڈولی ٢٠٢
١٧٠ جامعہ احمد العلوم خانپور گوجر ٢٠٣
١٧١ مدرسہ فیضانِ رحیمی مرزاپور پول ٢٠٤
١٧٢ مدرسہ سبیل الہدیٰ سنہٹی ڈھیڑی نزد کیرانہ ٢٠٥
١٧٣ مدرسہ دارالعلوم اہل سنت وہب نگر شری نگر کشمیر ٢٠٦
١٧٤ مدرسہ قمر العلوم حسین پور سرساوہ ٢٠٦
١٧٥ مدرسہ اسلامیہ عربیہ رسیدیہ جامع مسجد سرساوہ ٢٠٧
١٧٦ مدرسہ ناشر العلوم حسینیہ بڑی ماجری ٢٠٧
١٧٧ مدرسہ قادریہ ناشر العلوم گڑھی جلال پور ٢٠٨
١٧٨ مدرسہ مدنیہ سبیل الرشاد سنولی پانی پت ہریانہ ٢٠٨

١٧٩ مدرسہ عزیزیہ نصر العلوم زاہدی عیسی پور کھرگائن ٢٠٩
١٨٠ مدرسہ احسن العلوم کیرانہ ٢٠٩
١٨١ مدرسہ ضیاء القرآن ایم پی والی مسجد کیرانہ ٢١٠
١٨٢ مدرسہ شمس العلوم بلوہ گوجر ٢١١
١٨٣ مدرسہ بدر العلوم رائے پور گوجر ہریانہ ٢١١
١٨٤ مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ قادریہ ہدایت اسلام نگلی ہریانہ ٢١٢
١٨٥ **دسواں باب**
١٨٦ **کلام منظوم اور پسندیدہ اشعار کے بیان میں** ٢١٤
١٨٧ نظم حیاتِ زاہد۔ نتیجہ فکر۔ مولوی محمد ناظم صاحب کھرگانوی ٢١٤
١٨٨ اشعار۔ از۔ شاعری اسلام علامہ صابری صاحب دیوبندی ٢١٦
١٨٩ حضرت اسد الہندؒ کے پسندیدہ اشعار ٢١٦
١٩٠ تأثراتِ غم ٢٢١
از نتیجہ فکر: خادم صدیق احمد غفرلہ گڑھی دولتوی (بقلم: حافظ غیور صاحب ماجروی) //
١٩١ **گیارھواں باب**
١٩٢ **حضرات اکابرین وفیض یافتگان کے تأثرات کے بیان میں** ٢٢٣
١٩٣ یادگارِ اسلاف از۔ حضرت مولانا حکیم عبداللہ مغیثی صاحب دامت برکاتہم . ٢٢٣
١٩٤ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ قاسمی ایک مہان شخصیت ٢٢٤
از۔ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب مہتمم فیضان رحیمی مرزاپور //
١٩٥ نمونۂ اسلاف اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ ایک ہمہ گیر شخصیت ٢٣٥
از۔ حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب مہتمم کاشف العلوم چھٹمل پور //

۱۹۶ آپ کے بعد اندھیرا رہ گیا ہے محفل میں ۲۴۴
از۔ بانیٔ کنز العلوم ٹڈولی حضرت مولانا قیصر صاحبؒ //
۱۹۷ بے باک اور جری انسان ۲۴۸
از۔ حضرت مولانا محمد سعیدی صاحب متولی مظاہر علوم وقف //
۱۹۸ مولانا زاہد حسنؒ -ایک ممتاز شخصیت ۲۵۲
از۔ مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب دار العلوم وقف دیوبند //
۱۹۹ ایک مردِ آہن از۔ حضرت مولانا ممشاد صاحب قاسمی بانی جامعہ فلاح دارین ۲۵۷
رخصت بزمِ جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں ۲۶۲
از۔ مولانا ایوب صاحب قاسمی صدر مدرس فیض ہدایت رحیمی //
۲۰۰ حضرت مولانا زاہد حسنؒ ایک عدیم المثال شخصیت ۲۶۵
از۔ حضرت مولانا مفتی فیض الوحید قاسمیؒ مرکز المعارف جموکشمیر //
۲۰۱ مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے ۲۶۷
از۔ مولانا محمد ہارون صاحب پتھر گڑھی صدر جمعیۃ ہریانہ پنجاب //
۲۰۲ مردِ حق آگاہ از۔ حضرت مولانا اختر صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی ۲۷۶
۲۰۳ اسلامیانِ ہند کا ایک درخشندہ ستارہ: ۲۷۹
از۔ مولانا محمد سالم جامعی مدیر ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی //
۲۰۴ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ اور مدرسہ سبیل الہدیٰ ۲۹۲
از۔ مولانا محمد عرفان صاحب مہتمم مدرسہ سبیل الہدی سنہٹی //
۲۰۵ قوم وملت کا سچا محافظ: ۲۹۸
از۔ مفتی جاوید خلیل صاحب بالوی استاد جامعہ بدر العلوم گڑھی //
۲۰۶ مظلوم قافلہ کا عظیم سپہ سالار ۳۱۴
از۔ مفتی محمد بلال صاحب مظاہری استاد کنز العلوم ٹڈولی //

۲۰۷ متحدہ پنجاب اور اسد الہند ۳۲۶
از۔ قاری محمد الیاس صاحب پاونٹی نائب صدر جمعیۃ ہریانہ پنجاب //
۲۰۸ ملک وملت کا ایک مخلص خادم ۳۳۰
از۔ مفتی محمد عارف صاحب جیسلمیری ناظم اصلاح معاشرہ لدھیانہ //
۲۰۹ نگلی ہریانہ میں ملاجی عبد الکریم صاحب بوڑیویؒ اور مولانا زاہد حسن ۳۳۲
صاحبؒ کے ہاتھوں ایک ادارے کا قیام .... //
۲۱۰ مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ مولانا زاہد حسن صاحبؒ ۳۳۴
کا ایک یادگار سفر .... //
۲۱۱ عاشقِ قوم وملت ۳۳۷
از۔ مولوی مطلوب حسن بھوروی ناظم دار العلوم مسیحیہ پاؤنٹی شاملی //
۲۱۲ حضرت مولانا زاہد حسنؒ اور والد محترمؒ ۳۴۰
از۔ مولوی محمد سلطان اسعدی خادم مدرسہ مدنیہ ابراہیمی //
۲۱۳ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ ایک عظیم رہنما ۳۴۴
ازقلم۔ خادم حاجی شمشاد جنگ صاحب کاندھلوی مقیم حال چھٹمل پور سہارنپور یوپی //
۲۱۴ بڑے سادہ مزاج تھے میرے محسن ۳۵۱
از۔ مولانا خورشید صاحب بلوہ نائب صدر جمعیۃ العلماء شاملی //
۲۱۵ بابائے قوم حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ ۳۵۴
از۔ مولانا لیاقت صاحب جلال پوری استاد دار العلوم نظامیہ مگن پورہ //
۲۱۶ ایک عظیم مجاہد (از۔ عبد الخالق قاسمی الماجری متعلم دار العلوم دیوبند) ۳۵۸
۲۱۷ عارف ربانی مجاہد جلیل حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ ۳۶۱
از: محمد مسیح اللہ قاسمی نقشبندی، مدرسہ خلیلیہ انبہٹہ پیر //

۲۱۸ معمارِ قوم وملت (از۔احمد زاہد قلندر متعلم ہفتم عربی دار العلوم دیوبند)...... ۳۶۳

۲۱۹ مجاھد ملت کی جہد مسلسل کی ایک داستاں: از۔محمد انصر بہاؤ الدین خانپوری ۳۷۲

۲۲۰ حضرت اسد الہند کی دینی اصلاحی اور ۳۶۷

از۔عبد الاحد مغیثی شریک عربی ششم دار العلوم دیوبند //

۲۲۱ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا {حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ} ۳۸۱

ازقلم۔مولوی محمد جابر صاحب قاسمی، خادم: مدرسہ کاشف العلوم کھر گائن نزد کیرانہ //

۲۲۲ حضرت اسد الہند اور مدرسہ رائے پور گوجراں ۳۹۲

از۔مولوی ظفر صاحب ناظم مدرسہ بدر العلوم رائے پور گوجراں //

۲۲۳ ایک مردِ قلندر ۳۹۵

از۔مولانا محمد عمران صاحب ناظم مدرسہ تعلیم القرآن کھجور والی مسجد کیرانہ //

۲۲۴ عظیم دینی ملی وسماجی بے مثال شخصیت: ''حضرت مولانا زاہد حسن ۴۰۱

صاحب نور اللہ مرقدہ'' جہد مسلسل سے عبارت آپ کی زندگی کا //

ہر ورق درخشاں ہے .... //

از:-مولانا سید حبیب اللہ مدنی صاحب، صدر جمعیۃ علماء ضلع سہارنپور //

ومہتمم مدنی مدرسہ انبہٹہ پیرزادگان سہارن پور //

۲۲۵ صاحبِ عزیمت اور روشن دماغ عالمِ دین: '' حضرت مولانا ۴۰۴

زاہد حسن قاسمیؒ'' .... //

ازقلم:-مفتی محمد ساجد کھجناوری، مدرس حدیث وفقہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ //

۲۲۶ مرتب کا مختصر تعارف: از:-اعجاز الحق خلیل قاسمی شمس پوری سہارنپوری ۴۱۱

انتساب

میں اپنی اس ادنیٰ سی کاوش کا انتساب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں

☆ سرخیلِ آزادی سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ۔

☆ ۱۸۵۷ء کے قائدین آزادی سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ۔

قطب الارشاد امامِ ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہٗ اللہ تعالیٰ،

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہٗ اللہ تعالیٰ،

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب رحمہٗ اللہ تعالیٰ،

چودھری عظیم الدینؒ صاحب پنجیٹ، کمانڈر جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

حافظ محمد صالح صاحبؒ راۓ پور گوجراں جالندھر پنجاب خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی۔

حضرت مولانا احمد الدین صاحبؒ رائے پور گوجراں جالندھر خلیفۂ اجل حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری

☆ ان گمنام شہیدانِ آزادی کی طرف کرتا ہوں جو عظمتِ وطن اور تحفظِ اسلام کے لئے اپنی جان کو قربان کر گئی ہیں۔

☆ اپنے عظیم محسن ومشفق والدین واساتذۂ کرام کی طرف کرتا ہوں جن کی مشفقانہ توجہات نے قلم پکڑنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔

☆ مادرِ علمی دار العلوم دیوبند کی طرف جس کی گود میں پل کر علمی صلاحیتیں اجاگر ہوئیں۔

ربِّ کریم مذکورہ نفوسِ قدسیہ کے طفیل اس کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور نسلِ نو کے لئے مشعلِ راہ بنائے۔آمین

عرض مؤلف

جمعیۃ علماء ہند کے عظیم پر چارک بے لوث خادم، مجاہد آزادی، اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بے مثال جہد مسلسل، غیر معمولی حوصلوں، بے تکان کوششوں سے عبارت تھی، قوم وملت کے لئے عموماً اور گوجر برادری کے لئے خصوصاً وہ تاریخ ساز خدمات انجام دیں ہیں، جو آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

تاریخ میں ایسی انقلابی شخصیات خال خال ہی نظر آتی ہیں، جنہوں نے اپنی قوم کے افراد کے مزاج کو من حیث القوم ہی تبدیل فرمادیا ہو، اوراس میں وہ بامراد بھی رہے ہوں، صدیوں سے جکڑے رسم ورواج اور قومی روایات سے معاشرہ کو خلاصی دلا دینا کوئی معمولی کردار نہیں ہے، یہ وہ مرض ہے جس سے قومیں یا تو نجات ہی نہیں پاتی، یا نسلوں کی قربانی لیکر تحریک کو قبول کرتی ہیں۔

حضرت اسد الہندؒ آزادیٔ ہند کے اس عظیم قافلے کے آخری دستہ کے بامراد فوجی بھی ثابت ہوئے، جس کا آغاز شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تاریخ ساز فتویٰ سے ہوا تھا، اس قافلۂ آزادی کے اوّلیں دستہ ہونے کا کریڈٹ شاہ اسماعیل شہیدؒ، ٹیپو سلطان شہیدؒ، اور سراج الدولہؒ کو جاتا ہے اور درمیانی دستہ ہونے کا شرف سرخیلِ علمائے دیوبند امامِ ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی وحجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اور چودھری عظیم الدین صاحبؒ پنجیٹ (۱۸۵۷ء) رحمہم اللہ کو حاصل ہے۔ اور آخری دستہ فرزندانِ دارالعلوم دیوبند کی قیادت پر مشتمل تھا کہ جن کے سروں پر آزادی کا سورج طلوع ہوا، اور وہ عظیم قافلہ جو مسلسل دوسوسال کی طویل مسافت طے کرنے کے بعد اپنی منزلِ مقصود پر پہنچا اس

آخری ٹکڑی کے کماندار بطل حریت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تھے اور ہمارے حضرت اسد الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی اس دستہ کے ممتاز مجاہد تھے، جس نے پھر آزادی کے بعد اسی چمن کو بنانے وآباد کرنے میں اپنی ہمت صرف کرڈالی۔

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے کہ نقشِ قدم چومتا چلوں

احقر نے بچپن میں حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اپنے گھر والد محترم سے کئی بار سنا تھا۔

پھر جب ۲۰۰۱ء میں میرا داخلہ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ فارسی پنجم میں ہوگیا تو مجھے اپنے بہنوئی مولوی نواب صاحب چکوالی امام وخطیب بڑی مسجد گوجرواڑہ دیوبند کے توسط سے حضرت مشفقی ومحترمی مفتی محمد اسجد الحسینی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو اس کے بعد حضرت مفتی صاحب کی زبانی بھی اور دیگر بہت سے حضرات سے خانوادۂ زاہدی کا تعارف اور حضرت اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے حالات وخدمات کے واقعات سننے کو ملے، پھر ۲۰۰۳ء میں جب حضرت ممدوحؒ کے پوتے مولوی صلاح الدین ابن مولانا محمد اشفاق صاحب کے رشتہ کی بات چلی تو اس زمانہ میں مزید تفصیلات سامنے آئیں، مولوی صلاح الدین صاحب سے راقم الحروف کی بہن کا رشتہ ہوجانے کے بعد زاہدی خانوادہ میں آنا جانا ہوا، تو حضرت مفتی محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد عارف صاحب قاسمی دامت برکاتہم وغیرہ سے استفادہ کا موقع ملا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات و مجاہدات کے عجیب عجیب واقعات گوش گزار ہونے کی سعادت ملی تو دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ کاش حضرت کے حالات پر کوئی تفصیلی کتابچہ ہوتا، تاکہ خوردوں ونوجوانوں کو مشعل

راہ کا کام دیتا،لیکن اس وقت میں طالب علم تھا، اور یہ کام بندہ کی علمی استطاعت سے باہر تھا۔

پس میرا یہ جذبہ برابر ابھرتا رہا کہ قوم وملت کے اس عظیم ومجاہد آزادی کے حالات قلمبند ہونے از حد ضروری ہیں مجھے بتلایا گیا کہ بعض مخلصین نے حضرت مولاناؒ کی حیات پر کام کرنے کی کوشش کی تھی ،مگر کامیاب نہ ہوسکے کیونکہ ایک طویل مدت کا عرصہ گزر گیا تھا، یہی بات سوچ کر راقم الحروف کا بھی حوصلہ ٹوٹتا تھا مگر جب ۲۰ رفروری ۲۰۱۶ سنہ بروز بار کو راقم الحروف کا مدرسہ کنزالعلوم ٹڈولی میں بحیثیت مدرس تقرر ہوگیا تو راقم الحروف نے ایک بار حضرت مولانا محمد قیصر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا، کہ جی احقر حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر ایک کتابچہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے اگر آپ کی اجازت ہوتو میں ہر جمعرات کو ابراہیمی حضرت مولانا محمد عارف صاحب کی خدمت میں جایا کروں گا اور ان سے پوچھ پوچھ کر حیات وخدمات کا مواد جمع کرلوں گا، اور کچھ دیگر علماء کرام سے مضامین تحریر کرالئے جائیں گے، حضرت مولانا محمد قیصر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ تو ہماری دیرینہ تمنا ہے، مزید فرمایا آپ آزادی کے ساتھ یہ کام کرو جس وقت بھی آپ کو اس سلسلہ میں کہیں جانے کی ضرورت پڑے تو آپ کو اجازت لینے کی اجازت ہے، چنانچہ میں ہر جمعرات و جمعہ کو ابراہیمی حضرت مولانا محمد عارف صاحب کی خدمت میں جانے لگا، اور ان سے پوچھ پوچھ کر حیات وخدمات کا مواد جمع کیا نیز حضرت مفتی عبدالغنی صاحب الشاشی ازہری دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے اس عزم کو بیان کیا تو حضرت مخدومی و سندی مفتی صاحب نے اپنی مستجاب دعاؤں سے نوازا اور بہت سے مفید مشوروں سے آگاہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت مفتی عبدالغنی صاحب قاسمی الشاشی ازہری مدظلہٗ

اور حضرت مولانا محمد عارف صاحب دامت برکاتہم کی زیر سرپرستی ایک دعوت نامہ تحریر کیا گیا اور اس کو بہت سے علمائے کرام کی خدمت میں مضامین تحریر کرنے کیلئے ارسال کیا گیا بہت سی جگہ سے الحمدللہ مضامین موصول ہوئے جو بڑی عقیدت ومحبت سے شرشار ہوکر تحریر کئے گئے۔ جزاکم اللہ خیراً۔ بہت سے پرانے لوگوں سے راقم الحروف نے زبانی حالات پوچھ پوچھ کر لکھے ہیں

رب پروردگار کی مدد شامل حال رہی اس لئے رفتہ رفتہ خراما خراما ہم منزل پر پہنچ گئے، ہیں الحمدللہ علی احسانہٖ ومنہٖ وکرمہٖ اور حضرت مولانا زاھد حسن صاحبؒ کی وفات سے تین دہائیوں بعد یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوگیا۔ان شاء اللہ اب عن قریب ایک دیدہ زیب کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ۳۳ رسال بعد حضرت والاؒ کی خدمات وحیات پر مواد اکٹھا کرنا، پہاڑ کھودنے کے مترادف تھا،لیکن بفضلِ خداوندی ایک حد تک ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے اس اعتراف کے ساتھ کہ ان کی خدمات ومجاہدات کا ایک بڑا حصہ ان کے متوصلین کے ساتھ قبروں میں دفن ہوگیا ہے۔جس قدر ہم جمع کرسکے وہ آپ کے ہاتھوں میں ہے اللہ تعالی اسی کو ہمارے لئے نفع بخش بنادے۔آمین

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ کے پیش نظر ان لوگوں کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں جن کی شبانہ روز کی سعی پیہم سے یہ کام منزل تک پہنچا، ان میں سرِ فہرست

حضرت مولانا محمد قیصر صاحب بانی وسابق مہتمم مدرسہ کنز العلوم ٹڈولی قدس اللہ اسرارہم وبرّد اللہ قبرہم

جناب قاری محمد الیاس صاحب دامت برکاتہم نائب صدر جمعیۃ علماء ہریانہ پنجاب ہماچل پردیش

میرے مشفق حضرت مولانا مفتی محمد اسجد صاحب قاسمی دامت برکاتہم نگراں شعبۂ دارالقرآن دارالعلوم دیوبند

ڈاکٹر عبدالکریم صاحب چمبوی اور مولوی محمد عاقل صاحب قاسمی امام وخطیب روڈ والی مسجد مین پوری جنھوں نے کمپوزنگ کی خدمات انجام دی ہیں، اور بڑی ناسپاسی ہوگی اگر رفیق محترم مفتی بلال صاحب منصور پوری قصبہ پٹھیڑ کا ذکر نہ کروں موصوف کا نظر ثانی میں بڑا تعاون رہا ہے، میں ان تمام مخلصین کا تہ دل سے شکر گذار اور دعا گو ہوں، کہ اللہ تعالی ان تمام کو بہترین بدلہ نصیب فرمائے، اور کتاب کو ہماری نسلوں کے لئے مشعلِ راہ بنائے، آمین۔

وماتوفیقی الا باللہ

عبدالخالق قاسمی الماجری

زیر سرپرستی

الحمدللہ یہ کتاب سرخیل اکابرین امام التصوف حضرت الشیخ مفتی عبدالغنی الشاشی ازہری صاحب مدّ ظلہٗ علینا مع الصحۃ والعافیۃ مہتمم دارالعلوم نظامیہ مگن پورہ بادشاہی باغ سہارنپور، یوپی۔

اور حضرت مولانا محمد عارف صاحب قاسمی دامت برکاتہم رکن شوری جامعہ مظاہر علوم سہارنپور صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ سرپرستی تحریر کی گئی ہے اور اکثر حصہ حضرت مولانا عارف صاحب کی زبانی روایت کیا گیا ہے۔

{تقریظ}

حضرت مولانا حکیم سید مکرم صاحب الحسنی المظاہری دامت برکاتہم

قصبہ سنسار پور ضلع سہارنپور (یوپی) انڈیا

نحمدہٗ ونصلی علی رسوله الکریم .... اما بعد..

حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے عظیم لوگوں میں سے تھے انکا سینہ علوم ظاہری و باطنی کا گنجینہ تھا۔ مجاہدہ خدمتِ خلق ۔ خلوص ومحبت ان کا مسلک تھا۔ وہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے چہیتے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے اور میرے شیخ قطبِ عالم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرّہٗ کے اجل خلفاء میں شامل تھے ذکر وشغل کے بڑے پابند اور تصوف کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے سیاسی، سماجی، ملی سمجھ بوجھ میں سے بھی وافر حصہ مقدر پایا تھا چنانچہ ۱۹۴۶ء میں حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کے ایما پر ایم ایل اے کا الیکشن لڑکر کامیابی حاصل کی انہوں نے ۱۹۴۷ء کے پُر آشوب دور میں اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر بڑی خدمات انجام دی ہیں اسی طرح تقریباً نصف صدی تک انہوں نے مسلمانوں کی ملی جماعت جمعیّۃ العلمائے ہند کے پلیٹ فارم سے نمایہ خدمات انجام دیں۔ سہارنپور کی جامع مسجد میں شرعی پنچایت کا قیام فرما کر اس کے ذریعہ سے مسلم قوم کی بچیوں کی شادی وطلاق کے مسائل کو کثیر مقدار میں حل فرمایا۔ قیامِ مدارس ومکاتب کی تحریک پر بھی انہوں نے ایک عہد ساز کام کیا ہے میری ان سے بارہا ملاقاتیں رہی ہیں وہ میرے پیر بھائی بھی ہوتے تھے آج بعد نمازِ ظہر میرے پاس ممدوح کے بڑے صاحب زادے مولانا محمد عارف

صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے انکے ذریعہ سے یہ بات معلوم ہوکر بڑی مسرت ہوئی کہ عزیزم مفتی عبدالخالق قاسمی سلمہٗ حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر کام کررہے ہیں کافی مواد جمع کرلیا گیا ہے مجھے بھی کچھ لکھنے کا حکم ہوا ہے اپنے ضعف اور کمزوری کے باوجود قدیم تعلق کی بنیاد پر چند سطریں تحریر کرادی ہیں دعاء گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو بارآور فرماکر نسلِ نو کیلئے نافع بنائے۔ آمین

○❖○

تقریظ

مخدومی سندی واستاذی حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ العالی

صدر المدرسین دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم۔

اللہ نے گذشتہ ڈیڑھ دوصدی کے اندر ہندوستان کے شمالی حصے کو مذہبی اعتبار سے بڑی خیرات وبرکات سے نوازا ہے اور خاص طور پر مغربی یوپی کو اور بطور خاص یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس کے اندر سے بھی سہارنپور اور اس کے قرب وجوار کو اللہ تعالی نے اپنی رحمتِ خاص کے لئے چنا اور ایسے برگزیدہ افراد پیدا کئے جنھوں نے بڑے بڑے بھاری بھر کم کام کئے ہیں، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کو اللہ نے قبولیت عطا فرمائی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرکے اجازت حاصل کرنے والوں میں حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اپنے اپنے وقت کے برگزیدہ لوگ پیدا فرمائے جن کی تربیت اور تعلیم کا سلسلہ بہت طویل اور عریض رہا ہے اور بے شمار لوگ ان سے استفادہ کرتے رہے ہیں، دار العلوم دیوبند اس کی ایک زندہ وجاوید مثال ہے جو انھی حضرات کا قائم کیا ہوا ہے، سب سے پہلا چندہ اس کے اندر حضرت حاجی صاحبؒ نے دیا تھا جو آج تک چاندی کے ایک روپیہ کی شکل میں دار العلوم کے خزانے میں محفوظ ہے اور پھر دار العلوم سے سینکڑوں نہیں؛ بلکہ ساری دنیا کے اندر پوری روئے زمین میں جگہ جگہ دار العلوم سے استفادہ کرنے والے لوگوں نے ہزار ہا مدارس قائم کئے ہیں اور لوگوں کے لئے رشد وہدایت کا

سامان پیدا کیا ہے، انھیں لوگوں نے دین کی حفاظت کے لئے اور انگریز کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے دار العلوم دیوبند کو قائم کیا؛ تاکہ یہاں سے اپنے ملک کے لئے جہاد کرنے والے اور غلامی کی زنجیروں کو توڑنے والے افراد پیدا کئے جاسکیں؛ چنانچہ دار العلوم کی خدمت ڈیڑھ سو سال سے بڑی امتیازی خدمت ہے کہ اس نے ہر جگہ بسنے والے مسلمانوں کے دین کو باقی رکھنے اور مسلمانوں کو دین کا پابند بنانے کے لئے عظیم الشان اور بے مثال خدمات کی ہیں، پھر جن افراد کو انھوں نے پیدا کیا ان افراد کی زندگی مدارس عربیہ کی چہار دیواری کے اندر محدود نہیں تھی اگر وہ ایک طرف قرآن وحدیث کا درس دیتے تھے تو دوسری طرف رشد وہدایت کی خاطر افراد کی تربیت کیا کرتے تھے اور ان کو ایسی تربیت دیا کرتے تھے جس سے حدیث کی اصطلاح میں وہ لوگ احسان پر اپنی زندگی کو گزاریں جس کا مطلب ہے کہ ہر وقت اللہ کو حاضر وناظر سمجھیں اور اس کے نتیجے میں رات اور دن معروف کو اپنائیں اور منکر سے اجتناب کریں؛ چنانچہ بڑے بڑے اپنے زمانے کے اہل اللہ کو پیدا کیا جنھوں نے ساری دنیا میں مسلمانوں کی دینی زندگی کو مضبوط کیا اس کے ساتھ ساتھ ان حضرات نے اسلام کی بقاء اور تحفظ کے لئے تعلیم اور تربیت سے آگے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ کی زندگی کو اختیار کیا اور لوگوں کی زندگی کو اس ڈگر پر ڈالا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے بعد صحابہ کرام کی اپنائی ہوئی ڈگر تھی یعنی یہ لوگ صرف پڑھنے پڑھانے اور بیعت وارشاد کے سلسلے ہی کو قائم کرنا اپنا دینی فرض نہیں سمجھتے تھے؛ بلکہ اس کے آگے بڑھ کر انھوں نے اپنی زندگی کے اندر جہاد فی سبیل اللہ کو اپنایا تھا؛ چنانچہ جو شخص بھی ان حضرات کی زندگی کا مطالعہ کرے گا اور ان کی قیمتی تاریخ کو پڑھے گا اس کو محسوس ہوگا کہ ان کی زندگی مدرسوں کی چہار دیواری تک محدود نہیں تھی، جن لوگوں نے بھی ان سے

تربیت حاصل کی ہے وہ اسی طرح دین کے ہر پہلو کو اپنی زندگی میں اتارنے والے اور ہمہ جہت دین کی خدمت کرنے والے افراد تھے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کی زندگی پر یہ کتاب لکھی گئی ہے ان کی یہ خوش نصیبی ہے کہ وہ دارالعلوم سے وابستہ ہوئے اور انھوں نے اس زمانے کے بڑے بڑے اور انتہائی پاکیزہ اور مجاہدانہ زندگی گزارنے والوں کی تربیت میں رہ کر علومِ نبوت کو حاصل کیا اور محنت سے حاصل کیا، ان کے زمانۂ طالب علمی میں اور اس کے بعد ان اطراف وجوانب میں جو کامل ومکمل حضرات اپنی اپنی مسند پر بیٹھے ہوئے دین کی خدمت کررہے تھے ان کے اندر خاص طور پر تین افراد بہت زیادہ مشہور ومعروف تھے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ، یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب مرحوم کو اگر تعلیم اور تربیت کے اعتبار سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا اور استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہوا تو ابتداءً انھوں نے ان سے بیعت کرکے تربیت حاصل کرنے کا ارادہ فرمایا اور کافی حد تک آگے بڑھے؛ لیکن حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۵۷ء میں جب اس دنیا سے تشریف لے گئے تو پھر ان کو موقع ملا کہ وہ حضرت رائے پوری اور حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہما کی خدمت میں رہیں اور ان سے تربیت حاصل کریں؛ چنانچہ یہ تینوں بزرگ جو مجموعی طور پر علم نبوت میں کمال رکھتے تھے اور ان کو تربیت کا بھی ملکہ تھا اور ان کی زندگی میں جہاد فی سبیل اللہ کا وصف بھی تھا اور ان کی ساری زندگی اسی طرح گزری تھی، حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نے بھی ان کی زندگی کے ایک ایک گوشے سے سبق لیا تھا اور اس کو اپنی زندگی کے اندر اتارا تھا جو لوگ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب کی زندگی پر اس کتاب کا

مطالعہ کریں گے اور حضرت مولانا زاہد حسن صاحب سے متعلق اس کو دیکھیں گے اور پڑھیں گے تو انھیں اندازہ ہوگا کہ انھوں نے زندگی کے ہر پہلو میں چاہے وہ تعلیم سے متعلق ہو اور چاہے رشد وہدایت اور تصوف سے متعلق ہو اور چاہے جہاد فی سبیل اللہ خدمت خلق اور اپنے ملک کی آزادی کے لئے قربانی کرنے سے متعلق ہو، انھوں نے اپنے ان اساتذہ سے لیا اور ہر جہت میں فائدہ اٹھایا اور اپنی زندگی کو انھیں کے نقوش قدم پر چلایا ہے انھوں نے پڑھنے کے بعد پڑھایا بھی، پھر انھوں نے پہلے ان روحانی بزرگوں سے تربیت حاصل کی اور اسکے بعد دوسروں کو تربیت دینے کا فریضہ بھی انجام دیا اور اسی کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے اور جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے جو کام اکابر کا کیا ہوا تھا اس کام کے اوپر استقامت اور مضبوطی کے ساتھ قائم رہے، مولانا کا اس طریقے پر اس عمل کو اختیار کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے ان حضرات کے قریب رہ کر کے اپنی زندگی کے وہ مقاصد جن کو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے ان کے حصول میں بھی غفلت نہیں کی؛ چنانچہ اللہ نے ان کو وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔

راقم الحروف کی دعا ہے کہ اللہ تعالی مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جن اکابر سے مولانا نے استفادہ کیا اور وہ اکابر دنیا میں ان کے مقتدیٰ اور محبوب بھی تھے آخرت میں مولانا کو ان کی معیت اور قربت میسر فرمائے اور مولانا کے محبین اور خاص طور پر ان کے اصاغر کو ان کے نقش قدم پر چلائے اور اس کتاب کو سب کے لئے مفید سے مفیدتر بنائے۔ (آمین)

تقریظ

عظیم فاضل گرامی حضرت مولانا و مفتی محمد اسجد الحسینی صاحب اطال اللہ ظلہ

خلف الرشید اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نگراں دار القرآن دار العلوم دیوبند

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

قل الحمد للہ وسلم علی عبادہ الذین اصطفی:

ترجمہ: فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں رب پرودگار کے لئے ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے۔ (سورۃ النمل)

اللہ جل مجدہ کے اس ارشاد عالی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس کے خاص پسندیدہ بندوں کی خوبیاں بیان کی جائیں اور ان کے اخلاق حمیدہ سے استفادہ کیا جائے۔

صاحب تذکرہ اسد الہند حضرت والدِ محترم رحمۃ اللہ علیہ بھی اللہ تعالی کے برگزیدہ بندوں میں سے ایسے باکمال شخص تھے، کہ ان کی زندگی کا ہر پہلو روشن وتابناک تھا، اپنی شخصیت میں ایک انجمن تھے، ماہر تعلیم و تعلم، بہترین مدبر و دانشور تھے، وہ اپنے درسی دور میں حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے وابستہ ہوئے کہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک ان کے دیئے مشن کو بہر نوع دل وجاں کے ساتھ زندہ رکھا۔ (فالحمد للہ علی ذلک)

اہلِ حق علماء دیوبند کے عظیم مشن پر ان کی فنائیت قابلِ رشک تھی انہوں نے ایسے اخلاص کے ساتھ قوم وملت کی خدمات بے سروسامانی کے عالم میں انجام دیں، کہ نہ کبھی ستائش کی پرواہ کی، نہ صلہ کی تمنا، اللہ تعالی نے ان کو اس قدر مضبوط اعصاب عطا فرمائے تھے کہ آدمی تصور کر کے ہی حیرت میں ڈوب جاتا ہے، سماجی وملی مسائل کو سلجھانے میں

ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ وہ قدسی نفوس قافلہ کے ایک عظیم مرد مجاہد تھے، وہ آخری دم تک اولوالعزمی ہمت وجرأت کا استعارہ بنے رہے۔

زیر نظر کتاب ''حیاتِ زاہد'' حضرت والدِ محترمؒ کی مجاہدانہ زندگی کا مختصر خاکہ ہے، جو عزیزم مفتی عبدالخالق قاسمی الماجری سلمہ، نے برادرِ اکبر مولانا محمد عارف صاحب قاسمی مدظلہ، العالی کی زبانی ان کے حالات سن سن کر اور اطراف واکناف میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت پانے والے حضرات کی خدمت میں جاجا کر ان کی حیات و خدمات کے جزئیات و واقعات کو جمع کر کے ترتیب دیا ہے، تین دہائیوں کے طویل عرصہ کے بعد یقیناً یہ کام بہت مشکل تھا مگر ان کے شوق وجذبۂ عقیدت نے آسان بنا کر ہم سب کی جانب سے بھی فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔

ہم سب کی طرف سے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں، باری تعالی موصوف کو اپنی شایانِ شان اجر جزیل نصیب فرمائے، آمین۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلاف کی تاریخ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت ونصیحت اور بصیرت کا بہترین ذریعہ ہوتی ہے، ان شاء اللہ یہ کتاب ہمارے لئے بھی اور آنے والی نسلوں کے لئے چراغِ راہ ثابت ہوگی۔

خاکسار دست بدعا ہے کہ اللہ تعالی حضرت والد محترم کے فیوض و برکات کو عام و تام فرمائے اور اس کتاب کے ایک ایک ورق کو شرف قبولیت سے نواز کر ہماری نسلوں کے لئے مفید تر بنائے اور مرتب کو بہترین جزائے خیر نصیب فرمائے۔

احب الصالحین ولست منہم   لعل اللہ یرزقنی صلاحًا

خاکپائے اکابر- محمد اسجد الحسینی

خادم دار القرآن دار العلوم دیوبند

۲۲_۱۲_۲۰۲۱ بروز بدھ

تقریظ

حضرت مولانا محمد شاہد صاحب مظاہری مدظلہ العالی

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ!

فاضلِ گرامی مولانا مفتی عبدالخالق قاسمی اپنی تالیف ''حیاتِ زاہدؒ'' کا مسوّدہ اس راقم کے پاس اس خواہش کے ساتھ لے کر آئے کہ میں اس پر کچھ لکھوں۔

مسودہ دیکھتے ہی راقم کی زبان پر حدیثِ مبارکہ، ازھد فی ما فی الدنیا یحبك اللہ، بلا اختیار آ گئی۔ یعنی دنیاوی زندگی، زیب وزینت اس کی بناوٹ اور اس کی چمک دمک سے مستغنی اور بے نیاز ہوجاؤ تو اللہ کے محبوب اور پسندیدہ بندے بن جاؤ گے۔

صاحبِ سوانح حضرت مولانا زاہد حسنؒ صاحب یقیناً اس حدیث شریف کے مصداق تھے، انتہائی سادگی، درویشانہ مزاج کی ملی جلی تصویر اور فقر واستغناء کی دولت سے مالا مال ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عوام کے دلوں میں ہی نہیں مشائخ اور خواص کے یہاں بھی ان کو بڑی وقعت اور شانِ پذیرائی عطا فرمارکھی تھی۔

راقم نے ان کو اپنی کم عمری کی وجہ سے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کی خدمت میں تو بہت کم دیکھا، لیکن مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی خدمت میں بارہا دیکھا، اور ملاقاتیں کیں، اور جب گاہے گاہے دیوبند حضرت مولانا محمد اسعد مدنیؒ کی خدمت میں میری حاضری ہوتی تو وہاں بھی ان سے

ملاقات ہوجایا کرتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا زاہد حسن موصوف کو خانقاہِ رحیمیہ (رائے پور) خانقاہِ حسینیہ (دیوبند) اور خانقاہِ خلیلیہ (سہارنپور) سے بھرپور فیض ملا تھا۔

موصوف ان تینوں خانقاہوں کے مشائخ کے معتمد شمار کئے جاتے تھے، اور اسی کی برکت تھی کہ موصوف کو ان تینوں مقامات سے روحانی فیض ملا، اور انہوں نے اس کے ذریعہ خلقِ خدا کی رہبری ورہنمائی فرمائی۔

یہ تو ان کی تابناک زندگی کا ایک پہلو تھا اور دوسرا روشن پہلو الفاظ بدل کر یوں کہئے کہ اس کھرے سکے کا دوسرا رخ ملکی مفاد، عوامی خدمت، اور اسلامیانِ ہند کی سربلندی سے عبارت تھی، وہ سیاست میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جانثار اور پھر ان کے فرزندارجمند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے نہ صرف متبع بلکہ شریکِ کار اور رفیقِ سفر رہے، ملکی اور سیاسی محاذ پر مولانا زاہد حسن موصوف کی جو انتھک خدمات اور قربانیاں ہیں، آنے والی نسلیں اگر ان کو بھلانا بھی چاہیں تو نہیں بھلا سکتیں۔

میدانِ سیاست ایک ایسا میدان ہے جس میں نہ واہ واہ کی کوئی کمی ہے اور نہ آہ آہ کا کوئی شمار ہے۔ مولانا کو دونوں سے خوب سابقہ پڑتا تھا، اور اس معاملہ میں غیر تو کچھ احتیاط برت لیتے تھے لیکن اپنوں کے یہاں کوئی رعایت نہیں تھی۔

آپ قوم وملت کی خاطر اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کو دیکھتے ہوئے متعدد بار الیکشن میں کھڑے ہوئے لیکن ایم، ایل، اے بننے کے بعد پھر تقدیرات، تدبیرات پر غالب آتی چلی گئیں، اور ان تدبیرات کو غالب کرنے میں وہی پیش پیش تھے جن کی وہ تقدیر سنوارنا چاہتے تھے، لیکن مولانا مرحوم نے کبھی اس پر نہ اپنا ردِّ عمل ظاہر کیا اور نہ منفی اثرات اپنے اوپر طاری ہونے دیئے۔ اسی لگن اور کڑھن کے ساتھ میدانِ عمل میں جمے

رہے۔ بہت سے بہت زبانِ حال سے یہ شعر پڑھ کر وہ خاموش ہوجایا کرتے تھے۔

نسیم! اعداء سے کیا شکوہ پسِ مرگ   ہمیں یاروں نے مٹی میں ملایا

مولانا زاہد حسن صاحبؒ مرحوم کے صاحبزادگان میں حضرت مولانا محمد عارف صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحبؒ (مرحوم) سے اس احقر کو ہمیشہ تعلق خاطر اور قرب رہا، مولانا مفتی محمد طیب صاحب اپنی وفات تک اورر مولانا محمد عارف صاحب تاحال مظاہر علوم کی مجلسِ شوریٰ کے مؤقر اراکین میں شامل ہیں۔ البرکۃ مع اکابرکم کے تحت مصنف کتاب نے یہ بڑا اچھا قدم اٹھایا کہ مولانا موصوف مرحوم کی سوانحِ حیات مرتب کردی۔ اللہ تعالی اسکو قبول فرمائے نافع اور مفید بنائے، آمین۔

محمد شاہد غفرلہ امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

۱۰رصفر ۱۴۴۳ھ/ ۱۸رستمبر ۲۰۲۱ء

پیغام

حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم

صدر جمعیۃ علماء ہند

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کا سینہ علوم ظاہری و باطنی کا گنجینہ تھا، وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے تصوف اور خدمتِ خلق کو یک جا کیا تھا۔ وہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ہر دل عزیز شاگرد اور جمعیۃ علماء کے بے لوث سپاہی تھے۔ میرے والد جانشینِ شیخ الاسلام فدائے ملت مولانا اسعد مدنیؒ سے بہت محبت رکھتے تھے اور ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر جمعیۃ علماء ہند کی ہر تحریک میں اپنی خدمت پیش کرتے، حضرت فدائے ملتؒ بھی ان سے احترام اور محبت کا تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے اصلاحِ معاشرہ، شرعی پنچایت کے قیام کے علاوہ تقسیم وطن کے دور میں ہریانہ پنجاب کے مظلوم مسلمانوں کی بڑی خدمت انجام دی، بڑے ہی مجاہد اور کام کے آدمی تھے۔

مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ مفتی عبدالخالق قاسمی الماجری صاحب نے مدرسہ کنز العلوم ٹڈولی، نزد گنگوہ شریف کے زیر اہتمام ان کی حیات وخدمات پر ایک مفصل کتاب تالیف کی ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ہم سب کو اپنے اکابر کی راہ پر چل کر ملک وملت کی خدمت کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔ آمین۔

محمود اسعد مدنی

صدر جمعیۃ علماء ہند

۳۰رستمبر ۲۰۲۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اول

مؤرخ یوں جگہ دیتا نہیں تاریخِ عالم میں
بڑی قربانیوں کے بعد پیدا نام ہوتا ہے

مجاہدِ آزادی مفکرِ ملت اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب قاسمی رحمہ اللہ خلیفہ ومجاز قطبِ عالم حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہ ان عبقری اور نابغۂ روزگار شخصیات میں سے تھے، جن کے تابندہ نقوش نوجوانانِ ملت ورجالِ امت کے لئے چراغِ راہ ثابت ہوئے ہیں، پروردگارِ عالم نے آپ کو بے شمار مناقب و محامد سے آراستہ فرمایا تھا۔ تقوی وطہارت، ریاضت وعبادت، تضرع وانابت، فیاضی و سخاوت، ایثار ومروت، خلوص وللّٰہیت زہد وخشیت، روحانی قوت، دینی فراست، ایمانی بصیرت، انتظام وانصرام میں بے مثال مہارت، خوش خلقی وخوش گفتاری، عاجزی و انکساری، غمخواری وغمگساری، حلم وبردباری، شجاعت وبہادری، روح کی پاکیزگی، مفوضہ امور کی انجام دہی، ضیافت ومہمان نوازی، معاملات کی صفائی، رجال سازی اور مردم شناسی آپ کی وہ صفات عالیہ تھیں جو آپ کی طبیعت ثانیہ بن کر آپ کی پیشانی کے نور سے ہویدا تھیں، یہی وجہ تھی کہ شاعر انقلاب علامہ انور صابری دیوبندیؒ نے آپ کی صفاتِ عالیہ اور خدماتِ جلیلہ کا مشاہدہ کرنے کے بعد فرمایا تھا:

در حقیقت مولوی زاہد حسن کی زندگی
ہے شجاعانہ مردِ وطن کی زندگی
سیکھ لے ان سے کوئی آئینِ طرز وفا
شاملِ فطرت ہے اربابِ کہن کی زندگی

ایسے جامع الصفات شخصیت کے چند نقوشِ زندگی قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں، اس جذبہ کے ساتھ کہ ملت کے نوجوانوں کو منزل کی درست سمت متعین کرنے میں سنگ میل میسر ہو جائے۔

پہلا باب

نام ونسب اور خاندان کے بیان میں

اسم گرامی

حضرت مولانا زاہد حسن صاحب بن چودھری محمد اسماعیل صاحب بن چودھری قلندر بخش صاحب بن چودھری محمد علی صاحب بن چودھری کریم الدین صاحب۔

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت ۱۹۱۸ء میں موضع ابراہیمی، نزد قصبہ سرساوہ ضلع سہارنپور (یوپی) میں ہوئی۔ آپ کی وفات ۱۹۸۸ء میں ہوئی، جس کی تفصیل اگلے صفحات میں موجود ہے۔

قومیت:

آپ کا قومی تعلق گوجر قبیلہ کی کھٹانہ شاخ سے ہے، گوجر قوم ہزارہا برس سے آباد ہے اس کا اصل مسکن وسطِ ایشیا تھا، کئی سو سال تک ہندوستان پر حکومت کی ہے، مویشی اور کاشتکاری اس قوم کا قومی پیشہ ہے، بہادری اور شجاعت اُس کی پہچان رہی ہے۔

وطن مالوف:

قلندر بخش کی ابراہیمی آپ کا ددھیالی وطن ہے، یہ موضع قصبہ سرساوہ سے شمال کی

جانب تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہاں سے لگ بھگ ۱۸ رکلومیٹر کی دوری پر جانبِ مشرق میں شہر سہارنپور آباد ہے، جب کہ جانب مغرب میں تقریباً اتنے ہی فاصلے پر ہندستان کی مشہور ومعروف ''جمنا'' ندی بہتی ہے۔ یہاں کی آب وہوا صاف شفاف اور فرحت بخش ہے۔ گاؤں کی آبادی کا بیش تر حصہ مسلمان گوجروں پر مشتمل ہے، یہاں کے باشندے غیور، جرأت مند، اور سخی طبیعت واقع ہوئے ہیں۔ آپ کے اجداد میں تو یہ وصفِ محمود کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، حضرت والا کے وجودِ مسعود نے اس بستی کو علم اور اہل علم سے مزین کر کے تاریخ کا ایک اٹوٹ حصہ بنا دیا۔

والد محترم:

آپ کے والد ماجد چودھری محمد اسماعیل صاحب ایک دین دار، صوم وصلاۃ کے پابند، شریف الطبع انسان تھے، اپنے والد محترم کی خدمت کرتے ہوئے زندگی گذاری، چودھری محمد اسمٰعیل صاحب اپنے والد چودھری قلندر بخش کے بڑے فرزند تھے؛ اس لیے ہوش سنبھالتے ہی اپنے والد محترم کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگے اور کھیت وکاشتکاری کے تمام امور کی ذمہ داری لے کر والد محترم کے دست وبازو بن گئے اگرچہ علمِ ظاہری سے آپ بے بہرہ تھے؛ مگر قلب سلیم سینہ میں رکھتے تھے اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔

دادا مکرم:

آپ کے دادا مکرم چودھری قلندر بخش صاحب بڑے سخی الطبع، مہمان نواز، غریب پرور، نہایت دین دار وعبادت گذار شخص تھے، پیشہ سے کاشتکار تھے، آپ کا شمار علاقہ کے بڑے کاشتکاروں میں ہوتا تھا، تقریباً ساڑھے سات سو بیگھہ زمین آپ کی ملکیت

تھی۔ آپ نے ایک عالم دین سے کھیت میں بلوا کر حدیث کی کتاب ''مشارق الانوار'' پڑھوا کر سنی تھی۔ اس کی بہت سی احادیث آپ کو یاد ہوگئی تھیں۔ آپ کی سخاوت اور مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے کھیت کے پاس سے ''دگجھیڑہ'' اور ''چلکانہ'' کا راستہ ہوکر گذرتا ہے، آپ اکثر واردین وصادرین اور راہ گیروں کو کھانا کھلاتے اور پانی پلاتے تھے، ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ کھانے کا وقت ہو اور کوئی راہ گیر بغیر کھانا کھائے گذر جائے، آپ کا یہ دسترخوان جنگل میں بلا تفریق مذہب وملت صرف اور صرف انسانیت کی بنیاد پر مسافروں کا استقبال کرتا تھا۔

ادھر گاؤں میں آپ کی بیٹھک مسافروں کا مرجع، اجنبیوں کی سرائے، واردین و صادرین کی قیام گاہ بنی ہوئی تھی، کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ جس دن آپ کے یہاں کوئی مسافر یا مہمان نہ ہو۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اگر رات میں دیر سویر کوئی راہ گیر گاؤں میں آجاتا تو گاؤں والے بھی اس کو قلندر بخش کی بیٹھک میں چھوڑ جاتے تھے، اور وہاں اس کی خاطر ومدارات میں کوئی کمی نہ ہوتی تھی، بسا اوقات رات میں بھی کوئی اجنبی مسافر بیٹھک پر آجاتا تو اسی وقت اس کو کھانا بنوا کر کھلاتے اور اگر حقہ کی ضرورت ہوتی تو بنفس نفیس چودھری صاحب حقہ تازہ کر کے بھرتے؛ یہی وجہ تھی کہ موضع ابراہیمی آپ کے نام سے مشہور ہوگیا تھا، دور دراز تک قلندر بخش والی ابراہیمی سے معروف تھا۔

حضرت مولانا محمد عارف صاحب قاسمی راوی ہیں کہ ہمارے گاؤں کے دادا نتھو صاحب ایک مرتبہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ہماچل کے ایک گاؤں میں گئے، میزبان کے گھر پران کی ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، سلام کلام کے دوران جس وقت اس کو معلوم ہوا کہ یہ مہمان موضع ابراہیمی کے ہیں تو اس نے تحقیقاً معلوم کیا کہ وہ قلندر بخش کی ابراہیمی؟ کہ جی ہاں! دادا نتھو صاحب نے معلوم کیا کہ آپ قلندر بخش کو جانتے ہو؟ اس

نے کہا: جی ہاں! وہ تو بڑا سخی ہے، اس جیسا آدمی تو ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ دادا نتھو صاحب نے پوچھا کہ آپ کیسے جانتے ہو قلندر بخش کو؟ اس نے کہا: ایک بار میں اس طرف ایک کام سے گیا تھا، اور میری لڑکی ساتھ تھی، سردیوں کا موسم تھا اور اوپر سے بارش آگئی، جس وقت ہم ابراہیمی پہنچے تو اندھیرا ہوگیا تھا، کچھ جاڑا اور کچھ بھیگ گئے، پھر لڑکی کی طرف سے زیادہ پریشانی ہوگئی تھی، ہم نے سوچا کہ اسی گاؤں میں رات گذار لیں اور تڑکے ہی آگے چلیں گے، جس وقت ہم گاؤں میں داخل ہوئے تو ایک بیٹھک میں کچھ لوگ حقہ پی رہے تھے، میں ان کے قریب گیا تو مجھے دیکھتے ہی ایک آدمی نے کہا کہ قلندر بخش کی بیٹھک آگے ہے، میں اس کا جواب سنتے ہی واپس ہوگیا، میرے دل میں یہ بات آئی کہ ہو نہ ہو قلندر بخش کی بیٹھک پر ہی مسافر ٹھہرتے ہیں، ہم پوچھتے ہوئے بیٹھک پر چلے گئے، جا کر ایک چارپائی پہ بیٹھ گئے، ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک تگڑا آدمی سر پر پگڑی باندھے، لال ڈاڑھی والا بیٹھک میں آیا۔ اس نے ہم سے علیک سلیک کر کے پوچھا بھائی کہاں کے ہو، میں نے کہا مسافر ہیں اور صورتِ حال بتلائی تو چودھری صاحب نے کہا کہ کوئی بات نہیں یہ اپنا گھر ہے آپ آرام سے قیام کریں اور میری لڑکی کو اندر زنان خانہ میں بھیجا اور پھر تازہ کھانا بنوا کر کھلایا، حقہ بھرا، بس بھائی کمال کر دیئے، میری تو کوئی جان پہچان نہ تھی، میں بالکل نیا آدمی اور میری اتنی خاطر داری کی کہ اس جیسا آدمی مجھے تو زندگی میں ملا نہیں، میں چودھری قلندر بخش اور اس کی ابراہیمی کو اسی وقت سے جانتا ہوں۔

مشہور ہے کہ آپ کے دادا قلندر بخش ضرورت مندوں اور پریشان حال لوگوں کو قرض دلوایا کرتے تھے، مگر لوگ غربت کی وجہ سے قرض ادا نہیں کر پاتے تھے، اسی طرح آپ کی اکثر زمین قرضہ میں چلی گئی۔ تقریباً سات سو پچاس (۷۵۰) بیگھہ زمین میں

سے صرف دوسو(۲۰۰)بیگھہ زمین بچی، ساڑھے پانچ سو بیگھہ زمین لوگوں کے قرضہ میں بک گئی، اس سے بڑی سخاوت اور کیا ہوگی۔ حقیقی بات یہ ہے کہ یہ لوگ ''یؤثرون علی أنفسهم ولو کان بهم خصاصة'' کے مصداق ہیں۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کی بات نہیں
فیضانِ محبت عام تو ہے عرفانِ محبت عام نہیں

والدہ محترمہ:

آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی اللہ دی تھا، موضع دا بکی ضلع سہارنپور کی رہنے والی تھی، بڑی نیک صالحہ، ذاکرہ شاکرہ عورت تھی، مہمانوں کی خدمت بڑے شوق سے کرتی تھی، جس وقت بھی دیر سویر مہمان آجاتے تو کھانا بنانے میں کبھی سستی نہ کرتی، آٹا خود اپنے ہاتھ سے پیسا کرتی تھی اور چکی چلاتے ہوئے کوئی نہ کوئی ذکر ورد زبان رہتا تھا۔

ایک رات جب کہ آپ چکی پیستے ہوئے ذکر الٰہی میں مشغول تھی تو آپ کو شب قدر نظر آئی، چناں چہ اسی وقت بارگاہِ ایزدی میں دستِ دعا پھیلا دیئے اور رب کریم سے سوال کیا کہ اے میرے مولی! میری گود ایسے ہونہار بچہ سے ہری فرما کہ جو عالم باعمل بنے، اور تیرے دین کا سپاہی بن کر ملت کا محافظ بنے۔ بس قبولیت کی اس مبارک گھڑی میں زاہدہ، عابدہ بندی کی یہ دعا شرفِ قبولیت پا گئی اور کچھ ہی مدت کے بعد ان کی گود اس طفل مسعود سے مزین ہوئی جس کو زمانہ اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ کہتا ہے۔ آپ ابھی بہت چھوٹے تھے کہ آپ اپنی مشفقہ والدہ محترمہ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے اور یتیمی کی زندگی آپ کا مقدر بن گئی۔

چچا اور پھوپھیاں:

مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی چھ پھوپھیاں اور ایک چچا تھے جن کا اسم گرامی احمد تھا، صوم وصلاۃ کے پابند تھے، لاولدی میں انتقال کر گئے تھے، شادی نائی نگلی عرف ماجری میں ہوئی تھی۔ رب کریم ان کے درجات بلند فرمائے۔

آپ کی بہن:

آپ کی ایک فہمہ صالحہ بہن تھی، جن کا نام رفیقاً تھا، رائپور گوجراں ضلع یمنا نگر ہریانہ میں چودھری اللہ دیا صاحب سے منسوب تھیں، بڑی کریم النفس اور نرم طبیعت کی مالک تھی، مدرسہ بدر العلوم رائپور کے طلبہ کی بے پناہ خدمت کرتی تھیں۔ ان کی اولاد میں حاجی اختر صاحب، حاجی کامل صاحب اور حاجی ناظم صاحب الحمد للہ اس وقت حیات ہیں، اور خاندانی شرافت ونیک نامی کے اثرات ان میں بھی نمایاں ہیں۔

اولاد واحفاد

رب کریم نے آپ کو اولاد جیسی عظیم نعمت سے بھی نوازا، جو دنیا وآخرت کی بھلائی کا سبب بنتی ہے، صالح اولاد کی قرآن وحدیث میں بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں، نمونے از خروارے کے طور پر ایک حدیث شریف نقل کر دیتا ہوں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلثة. ألا من صدقة جارية أو علم ينتفع به أوولد صالح يدعوله (رواه البخاري)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے اسکے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں مگر تین عمل جاری رہتے ہیں (۱) صدقۂ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے نفع اٹھایا جائے (۳) صالح اولاد جو اسکے لئے دعائے

مغفرت کرتی رہے۔ (امام بخاریؒ نے اس کو نقل کیا ہے)

ہمارے ممدوح حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کو اللہ تعالی نے حدیث شریف میں مذکور تینوں چیزوں سے سرفراز فرمایا ہے، تینوں چیزیں الحمد للہ پوری آب وتاب کے ساتھ جاری ہیں، جو یقیناً انکے لئے ترقیٔ درجات کا سبب بن رہی ہیں۔ صدقۂ جاریہ میں مدارس ومکاتب کا جال ہے، علم نافع میں ان کے شاگردوں کے شاگردوں کا سلسلہ رواں دواں ہے اور صالح اولاد میں آپؒ کا صلبی خاندان علم وعمل کے اعتبار سے الحمد للہ ابھی تلک پھل پھول رہا ہے، اللہ کرے اگلی نسلیں بھی اسی طریق کو اپنے لئے مشعل راہ بنائے رکھے۔ الحمد للہ حضرت مولاناؒ کو اللہ تعالی نے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں عنایت فرمائی ہیں، جن کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا محمد عارف قاسمی صاحب مہتمم مدرسہ سراج العلوم دجھیڑہ ورکن شوریٰ مظاہر علوم جدید سہارنپور

(۲) حضرت مفتی محمد طیبؒ صاحب سابق صدر جمعیۃ العلماء سہارنپور

(۳) حضرت مولانا محمد اشفاق صاحب دامت برکاتہم

(۴) حافظ محمد ساجد صاحب

(۵) حضرت مفتی محمد اسجد صاحب قاسمی نگراں شعبۂ دار القرآن دار العلوم دیوبند

(۶) محترمہ عارفہ بیگم صاحبہ

(۷) محترمہ تبسم بیگم صاحبہ

حضرت مولانا محمد عارف صاحب قاسمی زاہدی

حضرت مولانا محمد عارف صاحب دامت فیوضہم صاحبزادوں میں سب سے بڑے ہیں، ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں ہی حاصل کی، اس کے بعد

مدرسہ سراج العلوم دجھیڑہ میں حاصل کی اور عربی تعلیم والد محترم حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے جلالین تک پڑھا، بعدہٗ ام المدارس دار العلوم دیوبند سے تعلیم کی تکمیل فرمائی۔ فراغت کے بعد حضرت اسدالہندؒ کے ساتھ دینی ملی سماجی خدمات میں شریک ہونے لگے اور مدرسہ سراج العلوم کی تمام تر ذمہ داریاں اپنے اوپر اوڑھ لی، بحمد للہ تعالیٰ جو علی حالہ سنبھالے ہوئے ہیں، ہمیشہ جمعیۃ علماء ہند کے سرگرم کارکن بن کر جمعیۃ العلماء کی خدمت کی۔

اس وقت جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں، مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائپور کی شوریٰ کے ممبر ہیں، اور بہت سے دیگر مدارس ومکاتب کی سرپرستی بخوبی انجام دے رہے ہیں، سیاست میں بھی خاصی بصیرت رکھتے ہیں سب سے بڑھ کر صاف گو اور انصاف جو ہیں، سادگی وانابت الی اللہ سے معمور ہیں اولاد واحفاد سے بھی اللہ تعالیٰ نے زینت بخشی ہے، اس وقت زندگی کی ۷۶ ویں بہار سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ سفید بالوں اور گندمی رنگ سے وقار عنایت کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ مدتِ مدید تک ان کو ہمارے لئے خیر بنا کر زندہ رکھے۔ (آمین)

حضرت مفتی محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مفتی محمد طیب صاحبؒ مولانا عارف صاحب سے تقریباً آٹھ سال چھوٹے تھے، ولادت ۱۹۵۵ء میں ہوئی، تعلیم کی ابتداء آبائی وطن سے شروع کی پھر مدرسہ سراج العلوم دجھیڑہ میں اپنے والد محترم سے مشکوۃ شریف تک پڑھا، بعدہٗ دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیکر درس نظامی کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی اسکے بعد دار الافتاء میں رہ کر فتوی نویسی کی مشق وتمرین کی۔

بعدہٗ تدریس کا آغاز بحکم حضرت والد محترم مدسہ بدر العلوم رائے پور گوجراں ضلع یمنا نگر سے فرمایا اور وہاں کی ذمہ داری بھی مسلسل تیئیس سال تک انجام دیں اور اس زمانہ میں مفتی صاحب کا شہرہ دور دور تک ہو گیا تھا۔ الحمد للہ علی ذلک

حضرت اسد الہندؒ کے دست حق پرست پر بیعت فرما کر روحانی تزکیہ و تربیت حاصل کی اور حضرت والد محترم کے بعد انکے سچے جانشین و مجاز ہوئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے والد محترم کی دینی، سماجی و ملی جانشینی کا خوب حق ادا کیا۔ حضرت اسد الہندؒ کے روحانی سلسلہ کو، انکی عظیم فکروں اور انکے اصلاحی مشن کو کمزور نہیں ہونے دیا۔ آپ نے تقریباً ۱۸ سال تک جمعیۃ العلماء ضلع سہارنپور کی صدارت فرمائی اور اسکے تحت قوم کی خدمات انجام دیں، ۱۸ سال تک ہی تقریباً جامعہ مظاہر علوم جدید کے شوریٰ کے رکن رہے، ۱۰ سال مجلس عاملہ اتر پردیش کی رکنیت کو زینت بخشی، امارت شرعیہ ضلع سہارنپور کے صدر بھی رہے اور بہت سی مظلوم لڑکیوں کے مسائل کو حل کرایا، نیز ۱۵ سال تک اپنے آبائی گاؤں موضع ابراہیمی کے پردھان رہے اور نہایت امانت و دیانت کے ساتھ گاؤں کی ترقی کیلئے کام کرتے رہے، بیشتر مدارس و مکاتب کے ذمہ دار و سرپرست رہے۔

حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم کے بڑے معتمد علیہ تھے، ہریانہ پنجاب میں حضرت مدنیؒ کے ساتھ ملکر بڑا کام انجام دیا ہے، ۱۱ جنوری ۲۰۱۱ء مطابق ۶ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ بروز منگل رات گیارہ بجے اپنے وطن مالوف ابراہیمی میں بعمر پچپن سال حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

باقیات الصالحات میں دو بیٹے، دو بیٹیاں، اہلیہ محترمہ اور بھرا خاندان مدرسہ تحفیظ

القرآن ابراہیمی اور بہت سے شاگرد چھوڑ گئے ہیں۔ ع

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا محمد اشفاق صاحب قاسمی

مولانا محمد اشفاق صاحب قاسمی تیسرے نمبر کے صاحبزادے ہیں ولادت ۱۹۵۸ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ سراج العلوم دبھیڑہ میں حاصل کی، عربی تعلیم جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی پھر مشکوٰۃ والد محترم سے پڑھی اسکے بعد ۱۹۷۷ء میں جامعہ مظاہر العلوم سے دورۂ حدیث شیخ یونس صاحبؒ سے پڑھا پھر ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیکر دوبارہ دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد تدریس کا آغاز جامع مسجد سرساوہ سے فرمایا اور مسلسل ۲۵ سال کے قریب شعبۂ حفظ و ناظرہ میں خدمت انجام دی، بڑے مخلص اور سادہ مزاج ہیں، اس وقت گھر پر گھر کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں، تبلیغی جماعت سے بھی ماشاء اللہ جڑے ہوئے ہیں، تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، بڑے لڑکے مولوی صلاح الدین صاحب سے راقم الحروف کی بہن منسوب ہے جو مدرسہ اشاعت القرآن جیون گڑھ کے مہتمم ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکے فیض کو جاری وساری رکھے اور بعافیت زندگی میں برکت عطاء فرمائے۔

جناب حافظ محمد ساجد صاحب

حافظ محمد ساجد صاحب چوتھے نمبر کے صاحبزادے ہیں، حضرت والد محترم کے زیر سایہ رہ کر مدرسہ سراج العلوم میں حفظ اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد سے گھر اور کھیت کی تمام تر ذمہ داریاں ونگرانی ان کے سپرد کر دی گئی، الحمد للہ انہوں نے بڑے احسن

طریقہ پر اس کام کو انجام دیا اور حضرت اسعد الہندؒ و برادران کو دینی ملی سماجی خدمات کے لئے فارغ کر دیا، ابھی ماضی قریب تک وہ اس کام کو بخوبی انجام دیتے رہے ماشاء اللہ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں، دینی تعلیم سے آراستہ ہیں، اللہ تعالیٰ انکا مددگار و معین رہے اور ہر طرح کی خیر و بھلائی سے نوازتا رہے۔ آمین

حضرت مفتی محمد اسجد حسینی صاحب قاسمی زاہدی

مفتی محمد اسجد صاحب اسعد الہندؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں، ۷؍ اکتوبر ۱۹۶۷ء سن ولادت ہے، ابتدائی تعلیم گھر پر رہ کر حاصل کی اس کے بعد مدرسہ سراج العلوم دھجیڑہ میں حفظ اور فارسی و عربی اول کی تعلیم حضرت والد محترم سے اور ان کی زیر نگرانی دیگر اساتذہ سے حاصل کی، بعدہٗ ۱۹۸۶ء میں ازہر ہند دارالعلوم میں داخلہ لے کر سند فراغت ۱۹۹۲ء میں حاصل کی پھر ایک سال دارالافتاء میں تمرین فتاویٰ کی مشق کی، حضرت مولانا محمود مدنی صاحب آپ کے ہم درس ساتھی ہیں اور یہ تعلق ایک مخلصانہ دوستی میں تبدیل ہو کر اب تک برابر قائم ہے، اگر میں یہ کہہ دوں کہ حضرت محمود مدنی صاحب کی خوبیٔ قسمت یہ بھی ہے کہ ان کو مفتی اسجد صاحب جیسے مخلص دوست ملے ہیں تو یہ مبالغہ نہ ہوگا، آج اس قحط الرجال کے دور میں ایسے بے لوث ساتھی و دوستوں کا مل جانا تقدیر کی بات ہے۔

فراغت کے بعد آپ نے اپنی تدریس کا آغاز بدر العلوم رائپور گوجراں ضلع یمنا نگر سے فرمایا ہے پھر چند مہینے مدرسہ قمر العلوم حسین پور ضلع سہارنپور میں بھی پڑھایا، اس کے بعد آپکا تقرر شوال ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۶ء میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ ناظرہ میں کر لیا گیا، اس وقت ترقی کرتے ہوئے شعبہ دار القرآن دارالعلوم دیوبند کے ناظم و

نگراں ہیں۔

الحمد للہ آپ کی کتب درسیات میں استعداد پختہ ہے، عزم و استقلال خدداری، ملنساری، خوش اخلاقی، زندہ دلی، خوش اطواری، وفاداری، خود اعتمادی، بڑوں کا ادب و احترام، تواضع و انکساری، رشتہ و تعلق شناشی، قیادت کی باریک بینی، انتظام و انصرام کی سمجھداری جیسی عظیم صفات سے آپ مرقع ہیں، اس بنا پر وہ ارباب اہتمام و منتظمین کی نظر میں ایک بڑی حد تک ممدوح ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ کثیر الصلوٰۃ و کثیر الذکر شخصیت ہیں، المختصر یہ ہے کہ وہ اپنے والد محترم حضرت اسعد الہندؒ کی اکثر روایتوں کے سچے امین ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقیات سے سرفراز فرمائے، راقم الحروف کے ساتھ زمانہ طالب علمی میں برابر مشفقانہ ہمدردانہ معاملہ فرماتے رہے اور ان کی صحبت سے کئی عظیم چیزیں سیکھنے کو ملی ہیں، اس وقت آپ دیوبند میں مستقل مقیم ہیں، الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے اپنا مکان دیدیا ہے، ایک ہونہار بیٹا ہے جو اس سال دارالعلوم دیوبند کے درجہ ششم کا طالب علم ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مفتی صاحب کو بعافیت صحت و تندرستی کے ساتھ قائم و دائم رکھے اور ہر طرح کے شرور و فتن سے حفاظت فرمائے۔

بڑی بیٹی

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے یہاں دو بیٹیاں تھیں، بڑی بیٹی عارفہ خاتون ہیں جو اپنے بہن بھائیوں میں بڑائی کا شرف رکھتی ہیں، اپنے والد و والدہ محترمہ سے دینی و دنیوی تربیت حاصل کی، بڑی سنجیدہ فہیمہ ہیں، ماسٹر شمشاد جنگ کاندھلہ والوں سے منسوب ہے، اس وقت قصبہ چھٹملپور میں مقیم ہیں، ہر دو بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رنجہ ہیں، دینی مزاج، ذکر و شغل اور شرافت و سخاوت خاندانی زیور ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

دست بدعا ہیں کہ ہمت وقوت کے ساتھ ہر دو کو سلامت رکھے۔ آمین

دوسری بیٹی

تبسم خاتون ہیں جو مفتی اسجد صاحب قاسمی سے بڑی ہیں، تعلیم وتربیت میں بڑی ممتاز ہیں، حضرت مولانا عبداللہ مغیثی صاحب کے بڑے فرزند مولانا عبدالقادر صاحب مغیثی سے منسوب ہیں، سخاوت وذکاوت انکے ماتھے کا جھومر ہے، امور خانہ داری میں مہارت ہاتھوں کا زیور ہے، صوم وصلوۃ کی پابندی اورذکرواذکار سے وابستہ ہیں، صالح اولاد سے اللہ تعالی نے ان کو زینت بخشی ہے، اللہ تبارک وتعالی مزید عزت وشرافت سے ہمکنار فرمائے۔ آمین ثم آمین

آپ کے اطوار واوصاف اور عادات

جود وسخا آپ کی فطرت میں شامل تھی۔ حضرت اسد الہندؒ نے جس گھر میں آنکھیں کھولی تھی وہ گھرانہ جود وسخا کا آستانہ تھا، ہر راہگیر اور مسافر کیلئے اسکا دروازہ کھلا ہوا تھا، والدہ محترمہ خود اپنے ہاتھوں سے آٹا پیس پیس کر اجنبی مہمانوں کی ضیافت کرتی تھی، آپ کے دادا جان کی اکثر زمین محتاج اور ضرورتمندوں پر خرچ کرنے اور انکو قرض دینے، دلوانے کی وجہ سے فروخت ہوگئی تھی، چنانچہ یہ وصف حضرتؒ کو ورثہ میں ملا تھا، آپکے پاس سے کوئی سوالی خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا، پھر آپ کو اللہ رب العزت نے دین ودنیا دونوں اعتبار سے ایک عظیم مقبولیت عطا فرمائی تھی، اسلئے آپ مرجع العوام والخواص تھے، چنانچہ آپکے دسترخوان کا سلسلہ جاری رہتا تھا، آپ بنفس نفیس خود اپنے مہمانوں کی ضیافت فرماتے تھے۔ آپ یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں پر بھی خوب خرچ فرماتے تھے اور حتی الامکان انکی امداد ومعاونت میں کسر نہ چھوڑتے تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں بھی

آپ اپنا کھانا ان ساتھیوں کو کھلا دیتے تھے جنکا طعام مدرسہ سے جاری نہ ہوتا تھا اور وہ خود کھانے کا انتظام نہیں کرسکتے تھے خدمت خلق آپ کا شیوہ تھا، کسی کے کام آکر آپ کو دلی سکون ملتا تھا، قوم وملت کا درد آپ کی پسندیدہ پونجی تھی، اخلاق کریمانہ آپ کی عادت حسنہ تھی، عاجزی وانکساری ان کی فطرت تھی، القصہ مختصر سید القوم خادمہم کی آپ چلتی پھرتی مجسمہ تصویر تھی۔

’’جامِ شہادت‘‘

جو آیا یہاں اسے جانا ہے ایک دن
جب فنا ٹھیری سو برس کیا کیا ایک دن

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کی گھاٹی سے ہر ذی روح کو گزرنا ہے مگر موت بھی اسی کی ہے جس پر زمانہ افسوس کرے۔ حضرت مولانا زاہد حسن رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک شہادت کا واقعہ پیش آجانا ملت ہند کے لیے کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا اسکی شدتِ کرب کو دور دور تک محسوس کیا گیا۔

موت اسکی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

کیونکہ یہ ایک فرد کا حادثہ نہیں تھا بلکہ پوری قوم ایک عظیم محسن ایک بے مثال قائد سے محروم ہوگئی تھی وہ ہزاروں امیدیں جو انکی ذات سے وابستہ تھیں یک لخت ملیا میٹ ہو گئی لیکن کیا کیا جا سکتا ہے میرے پروردگار کا فیصلہ یہی تھا وہ ہو کے رہا۔

’’ للہ ما أعطی وللہ ما أخذ ‘‘ حضرت والا کئی روز قبل دینی ملی و اصلاحی سفر کے لئے نکلے تھے یہ روایت مولانا اشفاق صاحب زاہدی کی ہے کہ آپ پہلے چلکانہ گئے پھر مدرسہ فیضانِ رحیمی مرزاپور کے سالانہ جلسہ میں تشریف لے گئے وہاں حفاظ طلبہء کرام کا قرآنِ کریم مکمل کرایا اسکے بعد جلسہء عام کو خطابِ پُر اثر فرمایا، وہاں سے فارغ ہو کر آپ رائے پور خانقاہ تشریف لائے حضرت مولانا عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم مہتمم مدرسہ فیضانِ رحیمی رقم طراز ہیں کہ میں اپنے ایک دو احباب کے ساتھ حضرت کو رائے پور خانقاہ چھوڑنے آیا تھا حضرت والا نے مجھے راستہ میں بہت ساری قیمتی ہدایات

فرمائیں نیز بار بار یہ بھی فرمایا کہ عبدالرشید رائے پور خانقاہ میں آتے جاتے رہا کرو۔ رات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خانقاہ رائے پور میں ہی قیام فرمایا پھر اگلی صبح بعض احباب سے ملاقات کرتے ہوئے موضع ابراہیم پورہ پہنچ گئے وہاں بھی جلسہ کو خطاب کیا وہاں سے فارغ ہو کر سہارنپور گئے پھر وہاں سے خانپور مدرسہ احمد العلوم نزد قصبہ گنگوہ پہنچے حضرت مولانا بہاؤالدین صاحب اس وقت مدرسہ کے مہتمم تھے اور آپ سرپرست اعلی تھے ان سے ملاقات کر کے انکو ضروری ہدایات و مفید مشوروں سے آگاہ فرما کر عشاء تک سرساوہ جامع مسجد پہنچے یہاں آپ کے منجھلے صاحب زادے حضرت مولانا اشفاق صاحب زاہدی مدرسہ تعلیم القرآن رشیدیہ جامع مسجد کے نگراں و مدرس تھے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ سرساوہ میں اپنا ذاتی مکان لیکر قیام پزیر تھے انکے یہاں تھوڑا بہت عشائیہ تناول فرمایا اور رات میں جامع مسجد میں قیام کیا اسلیئے کہ وہاں شب بیداری اور معمولات کی پابندی میں آسانی رہتی ہے صبح بعد نماز فجر ابراہیمی سے اپنی گھوڑی منگوائی کیون کہ موضع ابراہیم پورہ کے مدرسہ میں برائے امتحان جانا تھا اشراق کے وقت آپ کی گھوڑی سرساوہ آگئی جیسے ہی آپ گھوڑی پر سوار ہوئے تو گھوڑی خلافِ توقع بدکنے لگی حالانکہ وہ آپ سے بہت مانوس تھی ایک طویل مدت سے آپکے سفر وحضر کی ساتھی تھی مگر وہ ایسی بے قابو ہوئی کہ حضرت سر کے بل نیچے گر پڑے جسکی وجہ سے سر میں شدید چوٹ لگی حضرت مولانا اشفاق صاحب ساتھ تھے فوراً ڈاکٹر کے پاس لیکر گئے مگر ڈاکٹر صاحب نے چوٹ کی شدت دیکھتے ہوئے سہارنپور لیجانے کا مشورہ دیا چنانچہ آپ کو بذریعۂ کار سہارنپور لیکر گئے راستہ میں حضرت مولانا حشمت صاحب سے ملاقات ہوگئ تو وہ بھی ساتھ ہو گئے سہارنپور گھنٹہ گھر کی مسجد کے امام مولانا عقیل صاحب کو ساتھ لیکر سول ہوسپیٹل گئے تو ڈاکٹر صاحب کو بلایا گیا ڈاکٹر صاحب نے دیکھتے ہی انتقال کی افسوس ناک خبر سنادی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اغفر لہ وارحمہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد وسھل لہ ما بعدھا من منازل الآخرۃ۔

جب آپ گھوڑی پر سے گرے تو تین مرتبہ زور زور سے اللہ اللہ کہا پھر آپ پر چوٹ کی وجہ سے غشی چھا گئی مگر سہارنپور گھنٹہ گھر تک آپ کی سانسیں معلوم ہوتی رہی گھنٹہ گھر اور ہوسپیٹل کے درمیانی راستہ میں بڑی آسانی سے آپ کی روح جسد خاکی سے رخصت ہوکر اپنے رب کی رحمتوں میں داخل ہوگئی کسی کو بھی خبر نہ ہوئی اللہ اکبر کبیراً۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے "من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ" اس بات پر اجماعِ سلف نقل کیا گیا ہے کہ لا الہ سے مراد کلمۂ توحید ہے کہ موت سے قبل آخری کلمہ اگر توحید باری پر مشتمل ہو تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر بھی آخری کلمہ لا الہ الا اللہ تھا جو یقیناً خاتمہ بالایمان کی پختہ دلیل ہے الحمد للہ علی ذالک۔ اس حادثہء فاجعہ کی خبر آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی علاقہ کے علاوہ دور دور سے لوگوں نے آپ کی نمازِ جنازہ میں شرکت فرمائی اہلِ مدارس بہ شمول ام المدارس دارالعلوم دیوبند اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے وفود نے شرکت فرمائی جس کے کانوں کان یہ خبر صاعقہ پہنچی تو فرطِ غم میں ڈوب کر زبانِ حال سے کہتا تھا۔

غم کے بھڑکتے شعلوں سے جل کے جب کلیجہ خاک ہوا
داغِ وجودِ حسرت سے تب دل کا دامن چاک ہوا

"تجہیز و تکفین"

سول ہسپتال سہارنپور سے آپ کے جسد خاکی کو آبائی وطن موضع ابراہیمی لایا گیا۔ حضرت مولانا شمیم صاحب استاد دارالعلوم دیوبند۔ صاحبزادہ محترم حضرت مفتی طیب صاحبؒ اور جناب قاری محمد الیاس صاحب پاؤنٹی ہریانہ سابق استاد دارالعلوم دیوبند وغیرہ نے آپکی تجہیز و تکفین فرمائی تکفین کے بعد گھنٹوں تک آپ کی زیارت ہوتی رہی بعد نمازِ عصر آپ کے جانشین حضرت مفتی طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کے ذاتی باغ میں تدفین عمل آئی۔ اور یہ مرد قلندر ۲۷۔ مارچ۔ بروز اتوار ۱۹۸۸ء کو اپنی آخری آرام گاہ میں پہنچ گیا۔ برّد اللہ مضجعہٗ وارحمہ ووسّع قبرہٗ۔

حشر تک اب زباں نہ کھولیں گے   تم آواز دو گے ہم نہ بولیں گے

گاؤں کے شمالی جانب جہاں مدرسہ تحفیظ القرآن زاہدی ہے وہیں مدرسہ سے مغرب کی جانب تقریباً دوسو میٹر کے فاصلہ پر باغ میں حضرت اسد الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مزار واقع ہے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے   سبزہء نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

تعزیتی اجلاس کا انعقاد اور وفود کی آمد

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے تعزیتی وفد پہنچا جسمیں حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند شامل تھے۔ وفد نے حضرت والا کے اچانک انتقال پر اپنے گہرے رنج والم کا اظہار فرماتے ہوئے کہا حضرت مولانا کی رحلت ظاہری طور پر ملت کا عظیم خسارہ

ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا سمجھنا بندوں کی بساط سے باہر ہے بہر حال اللہ تعالیٰ کی فیصلہ پر راضی رہنا ہی ہمارا ایمان ہے اور صبر پر اجر ہے

اسی طرح جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ اور علامہ رفیق صاحب بھیسانویؒ شیخ الحدیث مظاہر علوم وقف سہارنپور تشریف لائے

جمعیۃ علماء ہند کے صدر حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ سفر عمرہ پر گئے ہوئے تھے حضرت جیسے ہی واپس تشریف لائے تو فوراً تعزیت کے لئے کے لئے حضرت اسد الہند کے گھر پہنچ کر پس ماندگان سے تعزیت فرمائی اور اپنے دیرینہ رفیق و مشفق ساتھی کی جدائی پر شدید غم کا اظہار فرمایا

اسی طرح سیاسی وسماجی تنظیموں کے کارکنان نے بھی تشریف لا کر اپنے غم اور تعلق کا اظہار فرمایا

جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت اور مدرسہ سراج العلوم ڈھجیڑہ میں تعزیتی اجلاس منعقد کئے گئے جنمیں دینی ملی سماجی شخصیات نے اور اہل علاقہ نے کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔ جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت کے تعزیتی اجلاس میں حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تأثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ عجیب کمپوٹر ذہن کے آدمی تھے نہ خود چین لیتے تھے اور نہ ہمکو چین لینے دیتے تھے۔

اسی طرح اتر پردیش اسمبلی میں بھی آپ کی وفات پر واک آوٹ کر کے غم کا اظہار کیا گیا اور اہل خانہ کو ایک خط بھی اسمبلی کے جانب سے جاری کیا گیا وہ خط ابھی ماضی قریب میں حضرت مفتی اسجد صاحب نے احقر کو دکھلایا تھا

ایک اہم خواب

آپ کے انتقال کے کچھ ہی دنوں بعد ایک صاحب نسبت بزرگ نے خواب دیکھا

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفاء تشریف فرما ہیں اور دوسری طرف سے حضرت اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ تشریف لا رہے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ارشاد فرمایا کہ علی! کرسی لیکر آؤ مولانا آرہے ہیں۔

حدیث نبوی شریف

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من رآنی فی المنام فقد رآنی۔ (ترمذی)

ترجمہ: جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو یقیناً اس نے میری ہی زیارت کی، کیونکہ شیطان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل اختیار نہیں کرسکتا

پس ماندگان

پس ماندگان میں پانچ بیٹے دو بیٹی پوتے پوتیاں اور خلفاء، مریدین، منتسبین و شاگردوں کی کثیر تعداد چھوڑی ہے

جو ان شاءاللہ ان کے لئے بہترین صدقۂ جاریہ ثابت ہونگے

ایک ہزار قرآن کریم کا ایصال ثواب

حضرت مولانا محمد عارف صاحب نے بیان کیا کہ حضرت مفتی طیب صاحبؒ حج کے سفر پر جا رہے تھے اور میں چھوڑنے کی غرض سے دہلی ایر پورٹ پر گیا تھا وہاں ہماری ایک راجستھانی عالم دین سے ملاقات ہوگئی جب ایک دوسرے کے تعارف میں ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے بیٹے ہیں تو وہ بہت ہی خوش ہوئے اور بڑی عقیدت مندی و محبت کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے ہمیں یہ خبر سنائی کہ حضرت مولانا زاھد حسن صاحبؒ کے انتقال پر ملال کے بعد ہم لوگوں نے ایک ہزار قرآن کریم کی تلاوت کرا کر ایصال ثواب کیا ہے الحمدللہ اس خبر سے ہمیں جو خوشی ہونی تھی وہ تو ظاہر ہے۔

دوسرا باب

تعلیم وتعلُّم کے بیان میں

موضع شاہ پورہ نزد قصبہ پٹھیڑ وچلکانہ ضلع سہارنپور میں آپ کی ایک پھوپھی تھیں، وہ آپ سے بہت محبت کرتی تھی، اسی بناء پر وہ آپ کو اپنے ساتھ موضع شاہ پورہ لے گئیں، وہیں آپ نے اپنے عظیم علمی سفر کا آغاز کیا، مکتب کے میاں جی کو کیا خبر تھی کہ مستقبل کا ایک ایسا حبرِ امت تیرے سامنے زانوئے تلمذ طے کررہا ہے جس کے کارنامے آگے چل کرامت کا تحفظ کریں گے، جو قوم کی فکر کو تبدیل کرے گا، جس کی دعوت انقلاب لائے گی۔ یہیں کے ایک مکتب میں آپ نے ابتدائی قاعدہ پڑھا۔ آپ کے دادا چودھری قلندر بخش صاحب کو اپنے پوتے کی تعلیم وتربیت کی بڑی فکر تھی، چنانچہ انہوں نے آپ کو موضع شاہپورہ سے بلوا کر آپ کا داخلہ جامع مسجد قصبہ سرساوہ میں کرادیا۔ یہ وہی جامع مسجد ہے جہاں مولانا عبدالکریم صاحبؒ رامپوری نے ساٹھ سال تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا عبدالکریم صاحبؒ قصبہ رامپور منیہاران ضلع سہارنپور کے باشندے تھے، حافظ محمد ضامن شہیدؒ سے اصلاحی تعلق تھا، بڑے متقی پرہیزگار شخص تھے، اہل سرساوہ نے مدتوں ان کے فیوض وبرکات سے استفادہ کیا، یہ بالکل ان کی عمر کا آخری زمانہ تھا، ضعف کی وجہ سے امامت سے علیحدہ ہوگئے تھے، اوران کی جگہ مولانا سید محمد شیر شاہ ہزراوی امام وخطیب کی حیثیت سے تشریف لاچکے تھے، یہی وجہ تھے کہ آپ کومولانا عبدالکریم صاحب سے پڑھنے کا موقع نہ مل سکا، بلکہ آپ نے مولانا سید محمد شیر شاہ صاحب سے ہی قرآن کریم ناظرہ اور

فارسی کی مکمل تعلیم حاصل کی۔ آپ چھوٹی عمر سے ہی بڑے محنتی اور جفاکش تھے، اللہ رب العزت نے ذہن ثاقب عنایت فرمایا تھا، خوب شوق وذوق سے پڑھتے تھے استاذ محترم نے جب جوہر قابل پایا تو بھرپور توجہ فرمائی، چناں چہ آپ کوفارسی زبان پر مثالی دسترس حاصل ہوگئی تھی۔

بالائے سرش ز ہوش مندی   می تافت ستارۂ سر بلندی

ترجمہ: اس کے سر پر ہوش مندی کی وجہ سے سربلندی کا ستارہ دمک رہا تھا۔

حضرت مولانا سید شیر شاہ صاحبؒ موضع ہری پور ضلع ہزارہ پاکستان کے رہنے والے تھے، بڑے علم پرور، مخلص، محنت کش، ماہر علوم وفنون، بڑے ذاکر شاغل بزرگ تھے، کئی سال جامع مسجد سرساوہ میں امامت وخطابت اور تعلیم وتربیت کا فریضہ احسن طریقہ پر انجام دیا، اس کے بعد آپ موضع آہبہ نزد قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں منتقل ہوگئے تھے۔

بغرض تعلیم موضع آہبہ آمد:

جب آپ کے استاذ محترم سید شیر شاہ صاحب موضع آہبہ نزد قصبہ نانوتہ منتقل ہوگئے، تو آپ کے دادا جناب قلندر بخش صاحب کو آپ کی تعلیم کی بڑی فکر ہوئی کہ کہاں تعلیم دلائی جائے؟ اس سلسلے میں وہ بڑے پریشان تھے کہ اچانک ان کے دوست قاضی عبدالوحید خاں صاحب تشریف لے آئے، قاضی صاحب موضع چورہ کے رہنے والے تھے، یہ گاؤں موضع ابراہیمی سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر جانب شمال واقع ہے، اس میں اکثریت پٹھانوں کی ہے اس لیے ''پٹھانوں والا چورہ'' سے معروف ہے۔ دوران گفتگو آپ کے دادا نے قاضی صاحب کے سامنے آپ کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہونے

کی وجہ سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا، قاضی صاحب کی موضع آہبہ میں رشتہ داری تھی، اس لیے انہوں نے فرمایا کہ چودھری صاحب! پریشانی کی کیا بات ہے؟ زاہد حسن کو بھی اس کے استاذ کے پاس آہبہ بھیج دو، میں ان کو خود لے کر جاؤں گا، بھوکے کو کیا چاہئے دو روٹی، قاضی صاحب کی اس بات سے چودھری صاحب بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ قاضی جی آپ کا بڑا بھاری احسان ہوگا، چناں چہ قاضی صاحب آپ کو اپنے ہمراہ لے کر موضع آہبہ گئے اور مولانا شیر شاہ صاحب کی خدمت میں سونپ دیئے، قاضی صاحب نے اپنے رشتہ داروں کو کہا کہ یہ بچہ اپنا ہے، اس کا ہر طرح سے خیال رکھنا۔ چناں چہ حضرت اسدالہند خود فرمایا کرتے تھے کہ:

''وہ بیچارے میرا بے انتہاء خیال رکھتے اور بار بار مجھے اپنے گھر آنے کی تاکید کرتے تھے۔''

مگر یہ زاہد حسن کوئی معمولی بچہ نہیں تھا، رب کریم نے اس سے اپنے دین متین کی عظیم خدمت لینی تھی، اس لیے اس کی طبیعت میں خودداری اور بے نیازی کوٹ کوٹ کر ودیعت کی گئی تھی، اس لیے آپ اپنی تعلیم چھوڑ کر بھی نہ جاتے تھے، لیکن قاضی صاحب کی یہ قربانی اور تعلق کی یہ عظیم پاسداری ہمارے لیے قابل عبرت بھی ہے قابلِ عظمت بھی۔ اللہ تعالی ان کو اپنی شایانِ شان بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

موضع آہبہ میں آپ نے فارسی اور عربی اول کی تعلیم حاصل کی، آپ اپنے ساتھیوں میں ہمیشہ اول رہتے تھے، گاؤں والے بھی آپ کی ذہانت اور علمی استعداد سے متأثر تھے، امتحان کے موقع پر بعض حضرات خاص طور پر آپ کے امتحان کے وقت ممتحن کے پاس آبیٹھتے اور آپ کی چستی و بیدار مغزی کے ساتھ جواب دینے کا منظر دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتے اور دعاؤں سے نوازتے تھے۔

ہاتھی بھی پیش کر دیتا:

ایک مرتبہ مولانا سید محمد شیر شاہ صاحب قصبہ سرساوہ تشریف لائے، تو اپنے شاگرد کے اصرار پر موضع ابراہیمی آپ کے دادا قلندر بخش صاحب کے پاس بھی تشریف لے گئے، آپ کے دادا نے اپنے کھیت کے رٹھان پر مرغے پال رکھے تھے، انہوں نے مولانا کی خدمت میں ہدیۃً مرغے پیش کرتے ہوئے عاجزی سے فرمایا:

''مولانا جی آپ میرے اس پوتے کو پڑھا دو، آپ کا بڑا احسان ہوگا، پھر کہا مولانا جی! اگر آج میرے پاس ہاتھی بھی ہوتے تو آپ کی خدمت میں پیش کر کے سعادت مندی حاصل کرتا۔''

حضرت مولانا شیر شاہ صاحب اس بات سے بہت متأثر ہوئے اور خوش دلی کے ساتھ فرمایا کہ:

''چودھری صاحب! میں ان مرغوں کو ہاتھی سمجھ کر ہی لے جا رہا ہوں۔''

جذبۂ خدمت:

آپ چوں کہ اپنے استاذ محترم کے ساتھ سرساوہ سے آئے تھے اور خاص شاگرد تھے؛ اس لیے استاذ محترم کے منظور نظر تھے، شاگرد کو بھی اپنے استاذ محترم سے گہرا تعلق تھا، اس لیے ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھتے، ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے۔

حضرت مولانا محمد عارف صاحب قاسمی راوی ہیں کہ مولانا شیر شاہ صاحب کو تجارت کا بھی شوق تھا، وہ خالی اوقات اور جمعہ کے روز کپڑے کی تجارت کے لیے آس پاس کے مواضعات میں چلے جایا کرتے تھے، کپڑوں کا گھٹہ شاگرد (مولانا زاہد حسن صاحبؒ) کی کمر پر ہوتا اور میٹر استاذ محترم کے ہاتھ میں، راستے میں آتے جاتے ہوئے آپ کو سبق

سمجھاتے، کبھی سبق سنتے اور کبھی پڑھاتے تھے۔ اور ابّا جی اس خدمت کو بڑی سعادت سمجھ کر خوشی خوشی انجام دیتے، ذرہ برابر ناگواری کا خیال بھی ذہن میں نہ لاتے تھے۔

نقش ہیں سب نا تمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

علم میں برکت اور علم کا فیض استاذ محترم کی خدمت وعظمت پر موقوف ہوتا ہے، جو بھی علم وفن کے آفتاب و ماہتاب بن کر افقِ عالم پر چمکے ہیں، یا جن کی علمی خدمات کا فیض دنیا بھر میں پھیلا ہے، ان کے کردار میں ہمیشہ اساتذہ کی خدمات کا عنصر نمایاں رہا ہے۔ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کے اس بلند مقام پر پہنچنے کا اصل سبب بھی یہی اساتذہ کی خدمت وعظمت اور ان کی مقبول دعاؤں کا ثمرہ تھا۔

ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخلہ:

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے ۱۹۳۴ء میں ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں عربی دوم کے لیے امتحان دیا، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے پاس داخلہ امتحان تھا، بفضلہ تعالیٰ اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کر کے داخلہ منظور کرایا۔

حضرت مولانا محمد عارف صاحب نقل کرتے ہیں کہ ابا جی فرمایا کرتے تھے کہ:

''شیخ الادب صاحب نے داخلہ امتحان میں معلوم کیا کہ ماضی کسے کہتے ہیں؟ تو میں نے برجستہ جواب دیا:

''اما ماضی فعلے راگویند کہ بزمانۂ گذشتہ تعلق دارد، وآخر او برفتحہ مبنی باشد''

تو شیخ الادب صاحب نے فرمایا کہ: مولوی صاحب! آپ فارسی بھی جانتے ہو؟ فارسی بھی جانتے ہو؟'' اور وہ میرے اس جواب سے بڑے خوش ہوئے۔

ایک لطیفہ

فرمایا کرتے تھے کہ داخلہ امتحان کے وقت بھی چورہ والے قاضی عبدالوحید صاحب ساتھ تھے، قاضی صاحب گورے چٹے رنگ کے باشرع آدمی تھے، صاف ستھرا شرعی لباس پہنتے تھے، مدنی مسجد دیوبند میں ایک صاحب نے عالمانہ حلیہ دیکھ کر فرمائش کی کہ قاری جی! کوئی رکوع سنا دو، تو قاضی صاحب نے جواب میں فرمایا: ارے بھائی!

ہم نہ او کے نہ تو کے ہم جلاہے ہیں گنگوہ کے

اتفاق سے حضرت مدنی علیہ الرحمہ استنجاء خانہ میں تھے، حضرت نے قاضی صاحب کا مقولہ سن لیا، تو باہر آکر فرمایا کہ: کون ہے یہ؟ گنگوہ کا جلاہا ہونا آسان سمجھ لیا ہے، گنگوہ میں ایسے جولاہے ہوئے ہیں جو پانچوں وقت کی نماز خانۂ کعبہ میں پڑھتے تھے۔

حاشیہ

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کا تعلیمی زمانہ:

آپ ذہین وذکی ہونے کے ساتھ محنتی اور تحصیل علم میں نہایت جد وجہد کرتے تھے، رات میں بھی بہت کم سوتے تھے، آپ خود فرمایا کرتے تھے:

''مجھے یاد نہیں کہ دارالعلوم میں کبھی بستر بچھا کر سویا ہوں۔''

ہوتا یہ تھا کہ دیر رات تک مطالعے میں مشغول رہتا تھا جب نیند کا غلبہ ہوتا تو کبھی کتاب اوپر اور میں نیچے اور کبھی کتاب نیچے اور میں اوپر، اسی حال میں سو جاتا تھا، پھر جس وقت بھی آنکھ کھل جاتی تو پڑھنے میں مشغول ہو جاتا تھا۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ تحصیل علم کے کس قدر شوقین تھے؛ یہی وجہ تھی کہ آپ کو درسی کتب کے

حاشیہ تک پر عبور حاصل تھا، اور امتحان میں ہمیشہ امتیازی نمبرات حاصل کرتے تھے، بعض کتابوں میں آپ کے نمبرات ۵۱، ۵۲، ۵۳ تک ہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے

بقدر الکد تکسب المعالی — و من طلب العلی سھر اللیالی

تروم العز ثم تنام لیلا — یغوص البحر من طلب اللآلی

ترجمہ: محنت و کوشش کے بقدر ہی بلند مرتبے حاصل کئے جاتے ہیں، جو شخص بلندیوں کا حصول چاہتا ہے، وہ راتوں کو جاگا کرتے ہیں۔ تم علم میں مہارت چاہتے ہو اور شب میں میٹھی نیند سوتے ہو، سمندر میں غوطہ زنی وہ شخص کرتا ہے جس کو موتیوں کی تلاش ہوتی ہے۔

مذکورہ شعر گویا آپ کی آنکھوں میں سجا ہوا تھا رات رات بھر مطالعہ میں مشغول رہتے، ہر کتاب کے حاشیہ کو گہری نظر سے ملاحظہ فرماتے تھے۔

حسن ادب:

آپ اپنے اساتذہ کا ادب واحترام اور خدمت اس طرح کرتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے بڑے بڑے اساتذہ آپ کے اخلاق و عادات اور حسن ادب و علمی طلب کو دیکھ کر یہ شہادت دینے پر مجبور ہوئے کہ ”طالب علم تو ایسا ہوتا ہے جیسا یہ گاؤں والا“۔

زمانۂ طالب علمی میں کسی فرد کے لیے اساتذہ کی مستند زبان سے ایسا بھاری بھرکم جملہ، آپ کے کردار اور حسن اخلاق کے حوالے سے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ الادب صاحب اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ایک ساتھ تشریف فرما تھے سامنے سے مولانا زاہد حسن صاحب کا گزر ہوا، تو حضرت شیخ الادب مولانا معراج صاحبؒ نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ جی مفتی صاحب طالب علم تو ایسا ہوتا ہے جیسا یہ گاؤں والا۔

آپ کبھی بھی اپنے اساتذہ کے سامنے اونچی آواز سے نہیں بولتے تھے اور نہ اپنے اساتذہ سے متعلق درس و تدریس کو لیکر کوئی حرفِ شکایت زبان پر لاتے تھے جیسا کہ بہت سے طلبہ کا یہ مشغلہ رہتا ہے۔

زمانۂ طالب علمی میں جذبہ سخاوت:

آپ بچپن ہی سے جود وسخا کے مالک تھے، یہ وصف آپ کو ورثہ میں ملا تھا، آپ کا گھرانہ اس عظیم وصف کے ساتھ شہرت رکھتا تھا۔ حضرت مولانا زمانۂ طالب علمی میں دیوبند کے محلہ بیرون کوٹلہ میں امامت کرتے تھے، محلہ والوں کے ذمہ امام کا کھانا طے تھا (اہل دیوبند کو دارالعلوم کی برکت سے ائمہ کرام صرف کھانے کھانے پر مل جاتے ہیں، مستقل تنخواہ دینے کی ضرورت نہیں پڑتی، علاوہ دو چار مسجدوں کے جن میں مستقل امام تنخواہ پر رکھے جاتے ہیں اور کھانا بھی خوش دلی کے ساتھ دیتے ہیں، جس کی مثال میں محلہ گوجرواڑہ کی دونوں مسجدیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

اللہ رب العزت نے حضرت والا کو بے مثال استقامت سے نوازا تھا، آپ عشاء کی نماز کے بعد کھانا لینے نمبر والے کے گھر پر جاتے تو گھر میں سے عورتیں کہہ دیتیں: ہاں آج تو حافظ جی کا کھانا رکھنا یاد نہیں رہا، اجی! کل لے جایئو، تو آپ خالی ٹیفن ایسے واپس لے کر آتے جیسے کھانا لے کر آئے ہوں، تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ امام صاحب کو کھانا نہیں ملا اور اسی طرح فاقہ کر لیتے، بسا اوقات کئی کئی روز اسی طرح گذر جاتے، مگر کسی مقتدی کے سامنے اس کا اظہار تک نہیں کرتے تھے۔

کبھی محلہ والوں سے کھانے کے متعلق نہ سوال کیا اور نہ شکوہ کیا، نہ امامت چھوڑی، اگر مل گیا تو کھالیا ورنہ فاقہ کرلیا۔ ادھر دارالعلوم سے ملنے والا کھانا اپنے کسی ایسے غریب ساتھی کو دیدیا کرتے تھے جس کا داخلہ غیر امدادی ہوتا تھا، اور قیمتاً کھانا جاری کرانے کی

استطاعت اس کے پاس نہیں تھی۔ چنانچہ آپ کے درسی ساتھی جناب حضرت مولانا عظیم الدین صاحب انبہٹوی کی شادی زمانۂ طالب علمی ہی میں ہوگئی اور وہ اپنی اہلیہ کو دیوبند میں لے کر آ گئے، تو آپ نے اپنا ٹکٹ طعام مستقل طور پر مولانا عظیم الدین صاحب کو دیدیا تھا تاکہ ان کی اہلیہ کے کھانے کا انتظام ہو سکے، اور خود کو بیرون کوٹلہ والوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔ اس سے بڑھ کر اس نوعمری میں جو عام طور پر لاابالی کی زندگی ہوتی ہے ایثار وسخاوت کی کیا مثال ہوگی؟

زمانۂ طالب علمی میں تقویٰ شعاری:

آپ نے زمانۂ طالب علمی سے تقویٰ وطہارت کو سینے سے لگالیا تھا، یہی وجہ تھی کہ پروردگارِ عالم نے آپ کو ولایت عظمیٰ کے مقام پر فائز فرمایا۔ تعلیم المتعلم میں نقل کیا گیا ہے کہ ”جب طالب علم متقی، پرہیزگار ہوگا تو اس کا علم زیادہ نفع بخش ہوگا، اس کے لیے علم کی تحصیل زیادہ آسان اور منافع کثیر ہوں گے۔ تقوی یہ ہے کہ شکم سیری، زیادہ سونے اور بے فائدہ چیزوں کی تلاش وجستجو سے اجتناب کرے، اور جہاں تک ممکن ہو بازاری چیزوں کے کھانے سے احتیاط برتے، کیوں کہ بازاری کھانے گندگی اور آلودگی سے قریب ہوتے ہیں اور اس لئے بھی کہ غریبوں کی نگاہیں ان پر پڑتی ہیں۔“

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ مذکورہ باتوں سے عزیمت کے ساتھ پرہیز کرتے تھے، یہاں تک کہ مشکوک لقمہ کھانے سے بہتر فاقہ کرنا گوارہ کرتے تھے۔ آپ کے ہم درس اور ہم سفر ساتھی اس بات کے گواہ ہیں کہ ہم نے حضرت مولانا موصوف کو حد درجہ محتاط اور متقی پایا ہے۔

حکایت:

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب سہارنپوری (پرنواسہ حضرت فقیہ النفس

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ) آپ کے درسی ساتھی تھے، حضرت فدائے ملت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ ان سے بڑی انسیت رکھتے تھے، وہ بھی ہم عمر ہونے کی وجہ سے بڑے بے تکلف تھے، جب یہ ابنائے اہل رشد وہدایت جمع ہوتے تو بعض مرتبہ محفل دوستاں حدود بردباری کو پار کر جاتی تھی، مگر حضرت مولانا زاہد حسن صاحب کے ساتھ کبھی مولانا خالد سیف اللہ صاحب اس طرح بے تکلف نہ ہوتے جیسا کہ حضرت فدائے ملت کے ساتھ بے تکلف گفتگو کرتے تھے، جب کبھی حضرت فدائے ملت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے ساتھ سفر در سفر کرتے ہوئے اکتاہٹ محسوس کرتے یا طبیعت میں کبیدگی اور سستی کے آثار منڈلاتے تو اس کا علاج کرانے اور طبیعت کو ذرا فرحت بخش بنانے کے لیے مولانا خالد سیف اللہ کے دولت کدہ پر حاضری کا تقاضا فرماتے تھے۔ حضرت مولانا عارف صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ اباجی اور حضرت فدائے ملت سہارنپور مولانا خالد سیف اللہ صاحب کے یہاں فروکش ہوئے اور محفل دوستاں پر وہی گلابی رنگ چڑھا، تو کسی ہم سفر نے مولانا خالد صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا کہ آپ جس بے تکلفی سے مولانا اسعد مدنی صاحبؒ سے ہنسی مزاق کرتے ہو، اس طرح مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے نہیں کرتے، بلکہ آپ ان سے مرعوب سے محسوس ہوتے ہو، جب کہ یہ آپ کے درسی ہم سفر بھی ہیں؟ اس میں کیا بات پوشیدہ ہے؟ تو مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے ایک دم سنجیدہ ہوکر فرمایا کہ بھائی! اصل بات یہ ہے کہ مولانا زاہد حسن صاحبؒ بچپن سے ولی ہیں، ان کے ساتھ مزاح یا بے تکلفی سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ یہ ایک ہم درس ساتھی کی شہادت ہے، جس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ آپ زمانہ طالب علمی سے ہی بڑے متقی و پرہیزگار تھے، ورنہ معاصر بڑی مشکل سے کسی کا قائل ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دھلویؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں تحریر فرمایا ہے:''ان المعاصرة أصل المنافرة'' کہ معاصرت ہی منافرت کی جڑ ہوتی ہے۔تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ معاصرت نے کبار محدثین ومفکرین کو نہیں بخشا۔

پھر مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے زمانہ طالب علمی کا ایک واقعہ بیان کیا کہ ہمارے ایک دوست نے دیوبند میں چند ساتھیوں کی دعوت کی، جس میں مولانا زاہد حسن صاحب بھی تھے، داعی نے ایک پڑوسی کی مرغی پکڑ کے اس کو بھنوا کر کھلا دیا، کئی روز کے بعد یہ رازِ شرارت ساتھیوں کے درمیان فاش ہوگیا، تو حضرت مولانا زاہد حسن صاحب اس سے بڑے پریشان ہوئے اور انہوں نے اپنے ذاتی خرچ کو کم کر دیا، یہاں تک کہ اپنے گاؤں ابراہیمی سے دیوبند تک سفر کئی مرتبہ پیدل طے کیا اور کرایہ کے پیسے بچا کر اور کچھ دیگر اخراجات کو سمیٹ کر اس صاحبِ مرغی کے پاس دبے پاؤں گئے اور اس سے معذرت کر کے اسے مرغی کی قیمت ادا فرمائی۔اس لیے میں کہتا ہوں کہ مولانا زاہد حسن صاحب کو بچپن ہی سے ولایت عطا فرمائی گئی ہے؛ چنانچہ میری ان کے ساتھ تفریح کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

خود اپنے چمکنے کی جس میں قدرت ہو
وہ ذرہ منتظر فیضِ آفتاب نہیں

سندِ فضیلت

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے ۱۹۴۱ء مطابق ۱۳۶۰ھ میں سند فضیلت از ہر ہند دار العلوم دیوبند سے حاصل کی۔جن حضراتِ اکابر اساتذۂ کرام سے آپ نے دورۂ حدیث شریف میں اکتساب فیض کیا ہے ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

بخاری شریف: حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ
مسلم شریف: حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ
ابوداؤد شریف: حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ
مؤطاء امام مالک: حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ
ابن ماجہ شریف: حضرت مولانا ریاض الدین صاحبؒ
نسائی شریف: حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ
مؤطاء امام محمد: حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ
طحاوی شریف: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ
شمائل ترمذی شریف: حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ

تکمیل تفسیر کے لیے مولانا احمد علی لاہوری کی خدمت میں:

جب آپ نے ۱۹۴۱ء مطابق ۱۳۶۰ھ میں مادر علمی دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کرلی، تو رمضان کے متصلاً بعد آپ نے کلام الٰہی کے مزید علمی وتفسیری دقائق حاصل کرنے کے لیے مشہور ومعروف ولی کامل مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری (جن کی تفسیر کا اس وقت چہار دانگ عالم میں ڈنکا بج رہا تھا) کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر اکتساب فیض کیا اور وہاں ظاہری وباطنی فیوض سے خوب خوب استفادہ کیا۔

یہ پھول مجھے کوئی بستر پر ملے ہیں؟
تم نے میرا کانٹوں بھرا بستر نہیں دیکھا

آپ کے اساتذۂ کرام کا مختصر تعارف

آپ کے اساتذہ از ہر ہند دار العلوم دیوبند کے آفتاب و ماہتاب وہ نابغۂ روزگار ہستیاں ہیں، جن کے اخلاص و کردار کی روشنی برابر پھیل رہی ہے، ان سے وابستہ افراد نے ان کے خوانِ علم سے سیرابی حاصل کی، اوران کے فیوض سے دلوں کو صیقل کیا، وہ تمام پسِ مرگ زندہ ہیں۔

۱- صاحبِ فتح الملہم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ:

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ابن مولانا فضل الرحمان صاحب ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۷ء میں شہر بجنور میں پیدا ہوئے، ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں دار العلوم دیوبند سے علوم وفنون کی تکمیل کی، حضرت شیخ الہند[۱] کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، فیض باطنی

[۱] شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ ابن مولانا ذو الفقار علی صاحب دیوبندیؒ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہ کے شاگرد اور خادم خاص تھے۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ عالمی شہرت یافتہ اور عظیم دینی درس گاہ دار العلوم دیوبند کے پہلے طالب علم ہیں۔ فراغت تعلیم کے بعد ۱۲۹۱ھ میں مدرس چہارم کی حیثیت سے دار العلوم دیوبند میں تقرر ہوا، ۱۳۰۸ھ میں منصب صدارت پر فائز ہوئے، آپ کے دور صدارت میں دار العلوم کو ہمہ گیر شہرت حاصل ہوئی۔ ۱۲۹۴ھ میں جب آپ اپنے استاذ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے ساتھ حج کے لیے تشریف لے گئے، تو وہیں آپ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا، اس کے بعد حضرت نانوتویؒ نے بھی آپ کو خلعت اجازت وخلافت سے نوازا، حضرت نانوتویؒ کے انتقال کے بعد آپ نے اصلاح وتربیت کا تعلق قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے قائم فرمایا۔ ۳۰/نومبر ۱۹۲۰ء مطابق ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں بروز منگل کو آپ کا انتقال ہوا۔ دیوبند میں اپنے استاذ حضرت نانوتوی کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے۔

بھی حضرت شیخ الہند سے ہی حاصل کیا۔ ۱۹۱۰ء میں آپ کو دار العلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس بلایا گیا، یہاں ایک طویل عرصے تک درجات علیا کی مختلف کتابیں پڑھائی، صحیح مسلم شریف کا درس آپ کا مشہور تھا، علوم قاسمیہ پر آپ کو خاصا عبور تھا۔

علم حدیث میں فتح الملہم آپ کی تصنیف کردہ مسلم شریف کی تاریخ ساز شرح ہے، یہ آپ کا ایسا زندہ جاوید کارنامہ ہے، جس کو دیکھ کر علمائے عرب وعجم نے آپ کو عظیم خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اس کی تکمیل سے کچھ پہلے حضرت علامہ کا وصال ہوگیا، تو باقی حصہ کی تکمیل حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی نے ''تکملہ فتح الملہم'' کے نام سے فرمائی۔

۱۹۲۸ء میں آپ حضرت علامہ انور شاہ[۱] صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت

[۱] حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ ۲۷/شوال ۱۲۹۲ھ مطابق ۲۵/نومبر ۱۸۷۵ء بروز شنبہ کشمیر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی، ۱۳۰۷ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور چار سال وہاں رہ کر ۱۳۱۲ھ میں اکیس سال کی عمر میں نمایاں شہرت کے ساتھ دار العلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ امینیہ دہلی میں چار سال مدرس اول رہے، پھر خواجگان قصبہ بارہ مولہ میں مدرسہ فیض عام کی بنیاد رکھی، اور تقریباً تین سال تک وہاں رہے، پھر دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، اور ۱۳۴۵ھ تک دار العلوم میں صدر مدرس کی حیثیت سے درس دیتے رہے۔ پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) تشریف لے گئے اور ۱۳۵۱ھ تک وہاں درس حدیث دیتے رہے۔ ۲/صفر ۱۳۶۲ھ مطابق ۷/فروری ۱۹۴۳ء کو شب کے آخری حصہ میں تقریباً ۶۰/ سال کی عمر میں دیوبند میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

مفتی عزیز الرحمان صاحب[1] وغیرہ کے ہمراہ دار العلوم سے علیحدہ ہوکر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) تشریف لے گئے، حضرت کشمیری کے ارتحالِ پُر ملال کے بعد ۱۹۳۳ء میں آپ جامعہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ اور بعض دیگر اساطین علم کی درخواست پر مادر علمی دار العلوم تشریف لائے اور ۱۹۴۴ء تک عہدۂ اہتمام پر فائز رہے۔

علم و فضل، فہم و فراست اور اصابت رائے میں آپ کا شمار ہندوستان کے منتخب علماء میں ہوتا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں آپ پاکستان تشریف لے گئے، وہاں آپ کی ذات سے دینی، ملی سماجی فیض جاری ہوا۔ آپ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن اور دستور ساز کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے۔

پاکستان کے اقتدار اعلی پر آپ کی علمی اور سیاسی خدمات کا خاص اثر تھا، ان کی دینی رہنمائی کے ساتھ سیاسی رہنمائی بھی مسلم تھی۔ ۱۹۴۹ء میں آپ بہاول پور کی وزارت تعلیم کی دعوت پر ریاست بہاول پور تشریف لے گئے، تو اچانک ۲۱/صفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۳/دسمبر ۱۹۴۹ء کو چند ساعتوں کی قلیل علالت کے بعد راہیٔ عدم ہوگئے، جسد خاکی کو کراچی لایا گیا اور قیام گاہ کے قریب نزد محمد علی روڈ سپردِ خاک کیا گیا۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

[1] حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب عثمانیؒ ابن مولانا فضل الرحمان صاحبؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے بڑے بھائی تھے۔ ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے، ۱۲۹۵ھ میں دار العلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی، ایک طویل عرصہ تک دار العلوم کے صدر مفتی کی حیثیت سے فتوی نویسی کی خدمت انجام دیتے رہے، آپ کے لکھے ہوئے فتاوی کا مجموعہ "فتاویٰ دار العلوم" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ۱۷/جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء کو شب میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

بجھنے سے پہلے میں نے جلائے ہیں کئیں چراغ
جاری ہے روشنی کا سفر میرے بعد بھی

۲-حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب دیوبندی:

آپ نے ۱۲۹۴ھ میں اس آب وگِل میں آنکھیں کھولیں، آپ کا گھرانہ بزرگی میں معروف تھا، آپ اپنے والد محترم شاہ محمد حسن (متوفی ۱۳۱۲ھ) سے قرآن کریم و فارسی پڑھ کر دار العلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۰ھ میں سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے جونپور میں صدر مدرس بنا کر بھیج دیا، وہاں سات سال تک آپ نے عظیم خدمت انجام دی۔

۱۳۲۸ھ میں جب ارباب دار العلوم نے ماہنامہ "القاسم" جاری کرنے کا فیصلہ فرمایا تو آپ کو جونپور سے بلا کر "القاسم" کے کاموں پر مامور فرمایا، اور مختلف کتابوں کے اسباق متعلق کئے گئے، عام طور پر حضرت سے متعلق علم تفسیر وحدیث کی کتابیں رہتی تھیں۔

اس علمی فضیلت کے ساتھ ساتھ ان کی خدمت خلق کا دائرہ وسیع تر تھا، زہد وتقوی، بزرگی و پرہیزگری نے ان کو مرجع العوام والخواص بنا دیا تھا۔ آپ کو اپنے ماموں حضرت حاجی منے شاہ صاحب[1] سے اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ

[1] حاجی منے شاہ صاحبؒ علاوہ سید ہونے کے بہت بڑے صاحب نسبت شخص تھے، ارواح ثلاثہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے حوالے سے منقول ہے کہ ان کے دل میں شاید گناہ کا خیال بھی نہیں گزرا۔ دار العلوم کے سنگ بنیاد کے وقت حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے پہلی اینٹ انہی کے دست مبارک سے رکھوائی تھی۔ اور علمائے کرام کے گروہ میں سے پہلی اینٹ محدث کبیر حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری نے رکھی تھی۔ (سوانح قاسمی)

صاحب مہاجر مکی[۵] رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت حاصل تھی۔

آپ نے دیوبند میں دارالمسافرین کے نام سے ایک راہ گیر خانہ تعمیر کرایا تھا، اور اس میں مکتب بھی جاری فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ نے اردو زبان، فقہ، فرائض اور فن تاریخ پر کم وبیش ۳۵/ کتابیں تصنیف فرمائیں۔

۱۳۶۳ھ میں اپنے بعض مخلص احباب کی فرمائش پر گجرات تشریف لے گئے، راندیر میں قیام تھا، تو اچانک محرم الحرام ۱۳۶۴ھ بروز شنبہ کو حرکت قلب بند ہونے کے باعث داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور وہیں مدفون ہوئے۔

۳- امام المعقولات حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ مشرقی یوپی کے مشہور شہر بلیا کے ایک علمی خانوادہ میں پیدا ہوئے، جونپور میں

---

۵ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ۱۲۳۳ھ مطابق یکم جنوری ۱۸۱۸ء میں جمعرات کے دن نانوتہ میں پیدا ہوئے، نانوتہ میں آپ کی نہنال تھی، آپ کا وطن تھانہ بھون ہے۔ آپ کے والد محترم جناب حافظ محمد امین صاحب نے آپ کا اسم گرامی امداد حسین تجویز فرمایا، لیکن حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دھلویؒ (جو حضرت شاہ عبد العزیز محدث دھلویؒ کے نواسہ تھے) نے آپ کا نام بدل کر امداد اللہ کر دیا، کیوں کہ امداد حسین سے شیعت کی بو آتی ہے۔

رب کریم نے ان کو تصوف اور سلوک میں یکتائے عصر بنایا تھا، آپ نے اولاً حضرت شاہ نصیر الدین دھلویؒ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں راہ سلوک طے کیا، لیکن استفادہ کا موقع کم نصیب ہوا، اگر چہ خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوگئے تھے، مگر ابھی اپنے آپ کو تشنہ محسوس کیا تو حضرت میانجی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ کے یہاں جا کر شرابِ عشق پی کر سکونِ قلب حاصل فرمایا۔

آپ نے ۱۸۵۷ء میں مجاہدین آزادی کی سرپرستی وامارت بھی فرمائی، اس باب میں آپ کی خدمات نا قابل فراموش ہیں، اس کے بعد آپ نے مکہ مکرمہ کی ہجرت فرمائی، اور وہیں ۱۲/ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸/ اکتوبر ۱۸۹۹ء بروز بدھ سفر آخرت پر روانہ ہوگئے اور اپنے پروردگار کے جوار میں آسودۂ خواب ہوئے۔

اے ہم نشین وطن کے مرے داستاں نہ پوچھ
لوٹا کس نے آہ میرا آشیاں نہ پوچھ

فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، معقولات کی اکثر کتابیں مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب تلمیذ رشید مولانا فضل حق خیر آبادی سے پڑھیں۔ ۱۳۲۵ھ کے اواخر میں مادر علمی دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے کر ہدایہ اولین مع جلالین پڑھیں، ۱۳۲۷ھ میں سند فضیلت حاصل کی، اس سال ہی آپ مدرسہ عالیہ فتح پوری میں مدرس دوم ہوگئے، کچھ عرصہ کے بعد آپ کو دار العلوم دیوبند میں بلا لیا گیا، مگر پھر ۱۳۴۰ھ میں آپ کو مدرسہ عالیہ دار العلوم مئو اور مدرسہ امدادیہ بہار میں تدریس کی صدارت کے لیے بھیج دیا گیا۔ ۱۳۴۴ھ میں پھر دوبارہ دار العلوم دیوبند میں بلا لیا گیا۔ ۱۳۶۲ھ میں پھر دار العلوم سے علیحدگی اختیار کی، اولاً جامعہ اسلامیہ ڈھابیل کی مسند صدارت کو پر رونق کیا، اس کے بعد مدرسہ عالیہ فتح پوری میں بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے، بعد ازاں بنگال کے ہاٹ ہزاری ضلع چاٹگام کے مدرسہ میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہے۔

اس کے بعد حضرت قاری محمد طیب صاحب کی سفارش اور مجلس شوریٰ کی منظوری سے ۱۳۶۶ھ میں آپ دار العلوم دیوبند میں تشریف لے آئے، ۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ دار العلوم کی مسند صدارت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے زائد ہے جو برصغیر ایشیا کے علاوہ افریقہ کے بہت سے ملکوں میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ۲۴/ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کو بعمر ۸۴/ سال داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ مزار قاسمی میں آسودۂ خواب ہیں۔

۴- حضرت مولانا عبد السمیع صاحب دیوبندیؒ:

آپ ۱۲۹۶ھ میں دیوبند میں پیدا ہوئے، از ابتداء تا انتہاء مادر علمی دار العلوم

دیوبند سے اکتسابِ فیض کیا، ۱۳۱۸ھ میں فراغت حاصل کرنے کے بعد فتح گڑھ ضلع فرخ آباد پھر مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ رڑکی اور مدرسہ عالیہ فتح پوری میں درس وتدریس کا مشغلہ بڑی خیر وخوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ۱۳۲۸ھ میں دار العلوم دیوبند میں ابتدائی درجات کے لیے تقرر عمل میں آیا، آپ نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اس طرح درس دیا کہ طلبۂ دار العلوم میں آپ کی مقبولیت مشہور ہوگئی اور دورۂ حدیث کے اسباق بھی آپ سے متعلق کردئے گئے، مشکوۃ المصابیح اور مختصر المعانی کے اسباق آپ کے خاص طور پر شہرت پذیر تھے۔ آپ کا وعظ بھی بڑا مؤثر اور پسندیدہ ہوتا تھا، فن مناظرہ میں بھی آپ کو درک حاصل تھا، تحریر وانشاء پر دستِ قدرت رکھتے تھے، چناں چہ بستان المحدثین کا اردو زبان میں روض الریاحین کے نام سے بہترین ترجمہ کیا۔

۱۱؍صفر المظفر ۱۳۶۶ھ میں دار بقاء کی طرف کوچ فرمایا۔ قبرستان قاسمی میں مدفون ہیں۔

۵-حضرت مفتی ریاض الدین صاحبؒ:

آپ افضل گڑھ ضلع بجنور کے باشندے تھے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی نور اللہ مرقدہ کے تلمیذ رشید تھے، ۱۳۳۰ھ میں مادرِ علمی سے سندِ فراغت حاصل کی۔ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کے مستعفی ہوجانے کے بعد ۱۳۴۷ھ کے آخر میں آپ کو دار الافتاء کی خدمات پر مامور کیا گیا، ۱۳۵۰ھ تک آپ بحسن وخوبی اس منصب عظیم پر فائز رہے، اس مختصر سی مدت میں تقریباً سات ہزار استفتاء کے جوابات دار الافتاء سے روانہ کیے گئے۔ صفر ۱۳۵۰ھ میں آپ کو شعبۂ تدریس میں منتقل کردیا گیا، بڑے نیک طبیعت، علم وعمل کے پیکر، مرنجا مرنج انسان تھے۔ ۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ کو دیوبند میں وفات پائی، آخری آرام گاہ قبرستان قاسمی ہے۔

۶-حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستانؒ:

آپ نے ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۶ء میں اس آب وگل میں آنکھیں کھولیں، حضرت فقیہ النفس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے محمد شفیع نام رکھا، مادرِ وطن دیوبند ہے، اس لیے تمام علوم وفنون کی تکمیل ۱۳۳۶ھ میں ازہر ہند دار العلوم دیوبند سے کی، بعد ازاں دار العلوم دیوبند کے ابتدائی مدرس مقرر ہوئے، اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت ترقیات کے زینہ سے درجۂ علیا کے اساتذہ میں شامل ہوگئے، فقہ وادب سے خاص دلچسپی تھی، اس لیے ۱۳۵۰ھ میں شعبۂ افتاء میں منتقل ہوئے۔ ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں دیوبند سے پاکستان ہجرت کر گئے، وہاں دستور ساز اسمبلی کے بورڈ آف تعلیماتِ اسلام کے رکن کی حیثیت سے اسلامی دستور کی ترتیب میں مدد دی۔ ۱۹۵۱ء میں کراچی میں دار العلوم کے نام سے ایک اسلامی درس گاہ کی داغ بیل ڈالی جو اس وقت پاکستان کا ایک بڑا اسلامی مرکز ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے نوکِ قلم سے تفسیر وحدیث، فقہ ومناظرہ کا نہایت نفیس ذخیرہ چھوٹی بڑی دوسو کتابوں کی شکل میں منصۂ شہود پر آیا، ان کے فتاویٰ کی تعداد دو لاکھ بتائی جاتی ہے، پاکستان ریڈیو سے ہر ہفتہ ان کی تفسیر معارف القرآن نشر ہوتی تھی، یہ ذخیرہ آٹھ جلدوں میں تفسیر معارف القرآن کے نام سے شائع ہوا، جو آپ کا بے مثال کارنامہ ہے۔ آپ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، پاکستان میں آپ کو مفتیٔ اعظم کی حیثیت حاصل تھی، اور یہی لقب آپ کے اسم گرامی کے ساتھ منسلک ہے۔

۱۱؍شوال المکرم ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۶؍اکتوبر ۱۹۷۶ء کی شب میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر جنت کے باسی ہوئے۔

۷- حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند:

سفینہ چاہئے بحر بیکراں کے لیے

محرم الحرام ۱۳۱۵ھ مطابق جون ۱۸۹۷ء بروز اتوار دیوبند میں آپ کی ولادت ہوئی، تاریخی نام مظفر الدین رکھا گیا، بعدہ محمد طیب رکھا گیا۔ ۷؍سال کی عمر میں دارالعلوم میں داخل ہوئے، اکابرین: حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی، مفتی عزیز الرحمان عثمانی اور آپ کے والدمحترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کی موجودگی میں آپ کی بسم اللہ کرائی گئی، ۲؍سال کی مدت میں قرآن پاک مع تجوید حفظ کیا، اس کے بعد فارسی اور عربی کی ساری نصابی کتابیں مکمل کرنے کے بعد ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں سندفضیلت حاصل کی، علم حدیث میں آپ کے شہرۂ آفاق استاد حضرت علامہ محمد انورشاہ کشمیریؒ تھے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹویؒ نے بھی آپ کو خصوصی سندحدیث عنایت فرمائی تھی۔ آپ نے دارالعلوم سے فراغت کے دو سال بعد حضرت شیخ الہند سے بیعت فرمائی، ابھی تزکیہ واحسان کی منزلیں طے ہی کررہے تھے کہ حضرت شیخ الہند کی وفات ہوگئی، ان کے بعد آپ نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے رجوع کیا اور سلوک ومعرفت کی منزلیں طے کرکے ۱۳۵۰ھ میں خلافت حاصل کی۔

فراغت کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند میں درس دینا شروع کیا، اور مختلف علوم وفنون کی اہم کتابیں پڑھائیں، خصوصیت کے ساتھ حجۃ اللہ البالغہ تقریباً ہمیشہ ہی آپ کے درس میں شامل رہی، اس کے علاوہ ابن ماجہ شریف، مشکاۃ شریف اور شمائل ترمذی کا بھی آپ نے سالوں درس دیا۔ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں آپ کو نیابت اہتمام کے

عہدہ پر فائز کیا گیا، اس کے بعد ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں باقاعدہ مہتمم بنادیا گیا، اس عہدے پر آپ تقریباً ساٹھ سال فائز رہے۔ ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم میں اختلاف اور خلفشار واقع ہونے کی بناء پر ۱۸؍ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۹؍اگست ۱۹۸۲ء کو مجلس شوریٰ میں اپنا استعفاء پیش کرکے دفتر اہتمام کی ذمہ داریوں سے ہلکے ہوگئے۔

حضرت حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہ کی عظیم المرتبت شخصیت کو سمجھنے کے لیے بے مثال ادیب، نامور قلم کار حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحبؒ کی تحریر کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

”حکیم الاسلام میں خدائے قادر ووہاب نے عظمت وعبقریت وکمال ویکتائی کے بہت سے عناصر جمع کردیے تھے، وہ ہند میں سرمایۂ ملت کے دور آخر کے سب سے بڑے نگہبان اور اسلامی علوم وثقافت وایمانی میراث کے اولوالعزم وبیدارمغز پاسباں، بانی دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے پوتے، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے اور صدیق النسب شیخ تھے، اس لیے انھوں نے علمی اور نسبی عظمت وراثت میں پائی تھی، تقویٰ شعار، شب بیدار صلحاء کی صلبی اولاد تھے، اس لیے ان کی آہِ سحرگاہی، نسلی پاکیزگی، سیرت وکردار کی طہارت اور شبانہ روز کی دعاؤں کا فیضان ان کے وجود کا حصہ اور ان کے خمیر کا اصلی عنصر تھا۔

وقت کے بخاری ومسلم، رازی وغزالی کے شاگرد تھے، وہ بے پناہ خوبیوں کے مالک ووارث تھے۔ ان کے سر پر عظمت وتقدس کا چمکتا دمکتا تاج سجنے کی ایک بڑی وجہ اس عظیم دارالعلوم کا ساٹھ سالہ دور اہتمام بھی ہے، جس کی وجہ سے قاری محمد طیب صاحبؒ

کو وہ احترام وعزت ملی جو کسی دیگر عالم دین کو نہ مل سکی۔علم وعمل کا یہ بے تاج بادشاہ ۶ر شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷رجولائی ۱۹۸۳ء بروز اتوار دن کے گیارہ بج کر پانچ منٹ پر اس دارِ فانی سے دارِ بقاء کی جانب کوچ کر گیا۔انا للہ و انا الیہ راجعون

یاد سے تیری دل درد آشنا معمور رہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور رہے

۸-شیخ التفسیر حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ:

جس قدر اہل فضل وکمال قصبہ کاندھلہ کی خاک سے اٹھے، یہ شرف کسی اور قصبہ کو حاصل نہ ہوسکا، منقول ہے کہ کاندھلہ میں شعراء بھی تھے اور جید علماء بھی، عصری تعلیم سے آراستہ فضلاء بھی اور اصول وعقیدہ سے انگریزی تعلیم کو گناہ خیال کرنے والے اصحابِ نظر بھی، جس روشن ضمیر نے مثنوی مولائے روم کا ساتواں دفتر لکھا، وہ بھی اسی قصبہ کی خاک سے جلوہ نما ہوئے، اسی بناء پر دیوبند وسہارنپور کی طرح کاندھلہ کا نام بھی عزت سے لیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا ادریس صاحب کا تعلق بھی اسی مردم خیز قصبہ سے ہے، مقدمۃ التفسیر میں خود مولانا نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ بھوپال میری جائے پیدائش ہے اور کاندھلہ میرا وطن ہے۔ ۱۲رربیع الثانی ۱۳۱۷ھ مطابق ۲۰راگست ۱۸۹۹ء کو شہر بھوپال میں آپ نے اس دارِ فانی میں آنکھیں کھولیں، آپ صدیقی النسب ہیں، اور درویش کبیر عالم جلیل حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب نوراللہ مرقدہ کی اولاد میں سے ہیں۔

آپ نے ابتدائی اور حفظ کی تعلیم کاندھلہ میں حاصل کی، اس کے بعد آپ کے والد بزرگوار مولانا محمد اسماعیل صاحب آپ کو تھانہ بھون حضرت تھانوی قدس سرہ کے

مدرسہ مدرسہ امداد العلوم لے کر گئے، یہاں آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتب پڑھیں، حضرت حکیم الامت کے علاوہ آپ نے مولوی عبداللہ گنگوہی علیہ الرحمۃ سے تیسیر المنطق پڑھی۔اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، اور وہاں صاحب بذل المجہود حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹویؒ، مولانا عبداللطیف صاحبؒ، مولانا ثابت علی صاحب سہارنپوریؒ جیسے جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا اور ۱۹ر برس کی عمر میں سند فراغت حاصل کی۔فراغت کے بعد آپ کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ دارالعلوم دیوبند جو اسلام کی مقتدر ہستیوں کا مرکز ہے وہاں سے دورۂ حدیث کیا جائے، چناں چہ دارالعلوم میں داخلہ لے کر حضرت علامہ انورشاہ صاحب کشمیری نوراللہ مرقدہ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحبؒ جیسے کبار محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے اکتساب فیض کے بعد ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۱ء سے آپ نے مدرسہ امینیہ دہلی سے اپنی تدریسی حیات پُرنور کا آغاز فرمایا، آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کی بنیاد پر اگلے ہی سال اربابِ دارالعلوم نے آپ کو دارالعلوم میں تدریس کی دعوت دی، یہ ایک بڑا اعزاز تھا، اس لیے آپ نے اس نعمت الٰہی کو بصد شکر قبول فرمایا۔ دارالعلوم میں آپ نے پہلے ہی سال فقہ کی اہم کتاب ہدایہ اور فن ادب کی مشہور کتاب مقامات حریری جیسی کتابیں بحسن وخوبی پڑھائیں۔ یہ سلسلہ ۹رسال قائم رہا، اس کے بعد ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم چھوڑ کر حیدرآباد تشریف لے گئے، حیدرآباد دکن میں بھی تقریباً نو سال قیام رہا، اس دوران آپ نے اپنی عظیم الشان کتاب التعلیق الصبیح علی مشکاۃ المصابیح تالیف فرمائی۔ جب علامہ شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم اور حضرت قاری طیب صاحب مہتمم بنائے گئے تو انہوں نے آپ کو بحیثیت شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند آنے کی

دعوت دی جس کو آپ نے شرف قبولیت عنایت فرما کر، حیدر آباد دکن کے ڈھائی سو روپیہ مشاہرہ پر ستر روپیہ ماہانہ دار العلوم دیوبند کی تدریس کو ترجیح دی اور ۱۹۳۹ء کو دار العلوم دیوبند میں دوبارہ تشریف لائے۔ دار العلوم میں آپ کا یہ قیام ہجرت پاکستان تک برابر دس سال رہا، اس زمانہ میں آپ نے تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن کثیر، سنن ابوداؤد اور طحاوی شریف جیسی امہات الکتب پڑھائیں۔

۱۹۴۹ء میں آپ نے ریاست بہاولپور کی دعوت پر پاکستان ہجرت کی اور جامعہ عباسیہ میں بحیثیت شیخ الجامعہ تدریسی خدمات کا سلسلہ شروع فرمایا، پھر ۱۹۵۱ء میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن کی دعوت پر جامعہ اشرفیہ لاہور شیخ الحدیث کی حیثیت سے فروکش ہوئے اور حیات مستعار کے آخری لمحہ تک جامعہ اشرفیہ ہی سے وابستہ رہے۔

۸/رجب المرجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۸/جولائی ۱۹۷۴ء کو صبح صادق کے وقت علم وعمل کا یہ آفتاب غروب ہوگیا، اسی دن بعد نماز ظہر جنازہ خلف الرشید مولانا محمد مالک کاندھلوی نے پڑھایا۔

کہیں سرمایہ محفل تھی میر گرم گفتاری
کہیں سب کو پریشان کر گئی میر کم آمیزی

۹- زاہد عن الدنیا حضرت مولانا ظہور حسن صاحبؒ:

آپ کا آبائی مکان دیوبند کے تاریخی محلہ بڑے بھائیاں میں واقع ہے، آپ کے والد محترم مولانا منظور حسن صاحب مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ کے حقیقی چچا تھے۔ آپ کا شمار دیوبند کے ممتاز علمائے کرام میں ہوتا تھا۔ آپ کا گھرانہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے تدریسی وتعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے، اور دور حاضر تک ماشاء اللہ یہ سلسلہ جاری ہے، آپ کے منجھلے بھائی حضرت مولانا خورشید عالم صاحب

سابق شیخ الحدیث دار العلوم وقف دیوبند تھے، جن کا ابھی ماضی قریب میں انتقال ہوا ہے، اب ان کے دونوں بیٹے مولانا عارف صاحب قاسمی اور اور مولانا قاری واصف صاحب دار العلوم وقف دیوبند کے صالح با استعداد استاذ ہیں۔

حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب دار العلوم دیوبند کے درجۂ علیا کے استاذ محترم تھے، دورۂ حدیث شریف کی کتب کے علاوہ فنون کی کتب بھی پڑھاتے تھے، اس کے ساتھ آپ دیوبند کی تاریخی جامع مسجد کے متولی بھی تھے۔ موصوف نہایت منکسر المزاج اور متواضع انسان تھے، جامع مسجد کی چھوٹی بڑی تمام خدمات خود اپنے دستِ مبارک سے انجام دیتے تھے۔

حضرت کے تلامذہ کا سلسلہ بہت ہی وسیع ہے، آج بھی مشرق ومغرب اور شمال و جنوب میں آپ کا فیض بالواسطہ جاری وساری ہے۔ حضرت اسد الہند رحمہ اللہ بھی آپ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے ایک ہیں اور حدیث شریف کی اہم کتاب مؤطاء امام محمد آپ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

آپ نے ربیع الاول ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۱/اگست ۱۹۶۳ء میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخوں غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اسیر مالٹا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یہ بادہ ہے نہ صراحی نہ دور پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگین ہے بزم جانانہ

حضرت مدنی کی سیاسی عظمت دینی وجاہت علمی مقام ومحبوبیت اور بلند رتبہ ومرتبہ کے پیش نظر ان کی زندگی کو مختلف زاویوں سے دیکھا جائے تو سفر میں، جاڑوں کی رات میں، پلیٹ فارم پر کسی کونہ میں تہجد میں مشغول، رات کے ۱۲ بجے دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث پر معمور، فراغت پر گھر لوٹتے ہیں تو بذات خود دیہاتی مہمانوں کا حقہ بھرنے اور پیر دبانے میں مشغول نظر باصرہ ہوتے ہیں۔ ان کا ایک قدم بھی سنت و شریعت کے خلاف نہیں اٹھتا اگر کسی نے تعریف میں زبان کھولی تو جمالی درویش کا جلال بھڑک اٹھتا۔ بندگی کا ایسا غلبہ اگر عقیدت میں کوئی ہاتھ چومنے کے لئے ذرا جھکتا تو ہاتھ جھٹک دیں، کسی کو پیر دبانے کی بالکل اجازت نہ دیں اور رات میں اپنے مہمانوں کے خود پیر دباتے رہیں۔ پھر توجہ الی الخلق کا یہ عالم کہ خدا کے بندوں کو جب انگریزی سامراج کی چکی میں پستا دیکھا تو تڑپ کر پوری قوت کے ساتھ میدان کارزار میں نکل آئے۔ ذکر الٰہی اور محبت رسول پر وعظ فرمایا تو دلوں کو نور ایمان سے روشن کر دیا برطانوی حکومت کے ناپاک ارادوں اور انسانیت سوز مظالم پر خطاب کیا تو کمزوروں میں حریت و آزادی کی تڑپ پیدا کر دی۔ پھر آزادی کی کوشش وجدوجہد کسی عہدے کے لئے نہیں صرف اللہ کے بندوں کو ظلم سے نجات دلانے کے لئے وطن عزیز کی پیشانی سے غلامی کا بدنما داغ مٹانے کے لئے، صرف حب وطن کی سنت رسول زندہ کرنے کے لئے شیخ العرب والعجم حضرت ممدوح کے اوصاف حمیدہ کا شمار سہل نہیں ہے ہزاروں نے شہادت دی کہ ان کی سادگی بے نفسی، تواضع۔ انکساری حریت خلق مہمان نوازی بڑوں کی عظمت، چھوٹوں پر شفقت کی مثال پیش کرنا مشکل ترین ہے۔ وہ اپنے شاگردوں اور مریدوں عقیدت مندوں کے ساتھ یہ روش رکھتے ہیں کہ خادم کو مخدوم بنا کر ہی دم لیتے ہیں۔ اور حالی کے شعر کی عملی ترجمانی کرتے ہیں

ہم نے ہر ادنی کو اعلی کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

راقم الحروف کا مقصد انکا اجمالی تعارف پیش کرنا ہے، اس لئے اتنی گذارش کر کے آگے بڑھتا ہوں کہ یہ وہ عظیم لوگ ہیں جن کی سوانح ہم کم ہمتوں کے لئے مشعل راہ ہے اس لئے اپنے اکابر کو تفصیلاً پڑھنا چاہئے اور اپنے بچوں وشاگردوں کو موبائل وناولوں سے ہٹا کر اس طرف ان کی رہنمائی کرنی چاہئے۔

حضرت ممدوح مدنی علیہ الرحمہ کی پیدائش قصبہ بانگر مئو ضلع اناؤ میں ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ستمبر ۱۸۷۹ء کو ہوئی۔ آپ کا وطن موضع اللہ داد پور ضلع ٹانڈہ ہے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد بعمر ۱۳ سال ۱۳۰۹ھ میں آپ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی پر نور فضا میں پہنچ گئے۔ شعبان المعظم ۱۳۱۷ھ میں تمام فنون درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔ حضرت شیخ الہندؒ سے عاشقانہ ربط رہا ان کی صحبت نے آپ کو مجلیٰ بنا دیا۔ تزکیۂ باطن کے لئے حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اسکے بعد حضرت والا سے اجازت لیکر حجاز روانہ ہو گئے وہاں حضرت گنگوہی کے حکم کی تعمیل میں سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی بارگاہ میں حاضری دیکر اوراد ضروریہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۱۸ھ میں پھر حضرت گنگوہیؒ نے گنگوہ طلب فرما کر اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد دوبارہ ۱۳۱۹ھ میں حجاز تشریف لے گئے۔ اور حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ فروکش ہو گئے۔ یہاں آپ کے والدین پہلے ہی سے مقیم تھے مگر افلاس کی زد میں تھے آپ نے اس قسم کے تمام مصائب کو برداشت کرتے ہوئے مسجد نبوی شریف میں اپنا حلقۂ درس جاری فرمایا۔ من جانب اللہ مقبولیت پائی اور طلبہ کا جم غفیر آپ کے درس میں شریک ہونے لگا۔ ۱۳۲۶ھ میں دوبارہ پھر دیوبند

تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ سے مزید استفادہ کے لئے درس حدیث میں شرکت کرنے لگے۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ کو دارالعلوم دیوبند میں مدرس بھی منتخب کرلیا گیا۔ تین سال کے بعد پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور اب پھر ثانیاً پورے جذبہ کے ساتھ درس حدیث شروع کردیا۔

اس مرتبہ طلبہ کا بے پناہ رجوع ہوا کہ آپ کا حلقۂ درس دیگر اکابرین سے بڑھ گیا۔ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے مدینہ منورہ پہنچ کر آپکے دولت خانہ پر قیام فرمایا اور شیخ الاسلام اور حضرت مولانا خلیل صاحب محدث سہارنپوریؒ کو اپنے نصب العین سے آگاہ فرمایا۔ ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء کو مکہ مکرمہ میں شریف مکہ نے انگریزوں کے اشارہ پر حضرت شیخ الہند کے ساتھ گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا بھیج دیا۔ تقریباً ۳ سال با مشقت قید و بند کی سزا کاٹ کر ۱۹۲۰ء میں ہندوستان پہنچے۔ آزادی کی جدو جہد میں بار بار قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں ۱۳۴۶ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث منتخب ہوئے۔ بے شمار تشنگان علوم نبوت نے آپ کے چشمہ علم سے سیرابی حاصل کی۔ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو آپ داعی اجل کو لبیک کہہ کر جنت الفردوس کے مکین ہوگئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

اللھم اعطہ رحمۃ واسعۃ ومغفرۃ وادخلہ فی جنات النعیم

کوہ غم ٹوٹ پڑے دیدہ دل پر کتنے
قافلے درد کے آتے ہیں برابر کتنے
خشک کانٹوں سے ٹپکتا رہا کلیوں کا لہو
قتل گاہوں سے ملے پھول کے پیکر کتنے

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ:

امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان اخیار امت میں سے ہیں، جن کا تذکرہ ہوتے ہی بڑے بڑے اتقیاء کے سر عقیدت سے سرنگوں ہوجاتے ہیں اور آنکھیں اشک بار ہوجاتی ہیں۔ حضرت لاہوری آسمان ولایت پر آفتاب بن کر دمکے، پروردگار عالم نے ان کو بے شمار کمالات سے نوازا تھا، ان کی علمی وروحانی شہرت بین الاقوامی حیثیت رکھتی تھی، وہ ختم نبوت کے مجاہد تھے، انہوں نے فتنۂ قادیانیت کی تردید میں شب وروز ایک کردیا تھا، قید و بند کی صعوبتیں برداشت فرمائیں۔ ۱۹۸۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ کو گرفتار کیا گیا، اس وقت آپ نے فرمایا کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی حرمت کے لیے جیل تو کیا اگر سر بھی کٹانا پڑے تو سرِ موٗ بھی اعراض نہ کریں گے، بلکہ اس کو سراپا سعادت سمجھیں گے۔

آپ کے والد شیخ حبیب اللہ گوجراں والا کے قریب قصبہ جلال کے رہنے والے تھے، نومسلم مگر بڑے متقی ومتدین شخص تھے۔ آپ کی والدہ بھی بڑی عابدہ صالحہ عورت تھی۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو قرآن کریم خود پڑھایا، اس کے بعد ان کو اسکول میں ایڈمیشن دلایا گیا، وہاں درجۂ پنجم تک تعلیم حاصل کی، آپ کے والد بزرگوار نے اسکول سے گوجراں والا کی جامع مسجد کے خطیب حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے سپرد کردیا، یہاں آئے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند سے اپنی تعلیم مکمل کر کے سندھ جاتے ہوئے اپنی والدہ سے ملنے سیالکوٹ آئے، آپ کی والدہ ماجدہ نے شیخ حبیب کے قبول اسلام اوران کے تقویٰ وطہارت کا ذکر کیا، چناں چہ

مولانا سندھی اپنی والدہ کے ہمراہ اپنے رشتہ کے بھائی شیخ حبیب اللہ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے، اس وقت شیخ حبیب اللہ نے اپنے بیٹے کو مولانا سندھی کے حوالہ فرما دیا، مولانا احمد علی صاحب ابھی نو برس کی عمر کو پہنچے تھے کہ یتیمی مقدر بن گئی، والد محترم راہی ملک عدم ہو گئے۔ سندھ کے ولیٔ کامل حضرت غلام محمد دین پوری کے حکم سے مولانا سندھی نے ان کی والدہ محترمہ سے نکاح کر لیا، یوں مولانا سندھی حضرت لاہوری کے سوتیلے پدر مشفق بن گئے، اور آپ نے اس طفل یتیم کو ہر طرح سے تربیت کر کے آفتاب و ماہتاب بنا دیا۔

آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے پڑھی، حضرت مولانا سندھیؒ نے ۱۹۰۱ء میں گوٹ پیر جھنڈا ضلع سکھر میں مدرسہ دار الرشاد کی بنیاد رکھی، اسی مدرسہ میں ان کی زیر نگرانی درس نظامی مکمل کیا، مدرسہ دار الرشاد کے فارغین میں مولانا احمد علی صاحب لاہوری کا پہلا نام ہے۔ اس کے بعد تکمیل علوم و فنون کے لیے دار العلوم دیوبند کا رخ کیا، اور بے سروسامانی کے عالم میں آپ اپنا علمی ذوق لے کر دیوبند حاضر ہوئے اور شیخ الہندؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے قدموں میں رہ کر علوم و فنون کی تکمیل کی۔

۱۹۱۱ء میں حضرت شیخ الہند نے آپ کا نکاح دار العلوم کی مسجد میں مولانا ابو محمد کی صاحبزادی سے پڑھایا، فقیری کا یہ عالم تھا کہ مولانا خود بیان کرتے ہیں کہ شادی کے دن آپ کے پاس صرف ایک جوڑا تھا، وہ بھی تعلیمی مشغولیت کی بنا پر بہت میل کھورہ ہو گیا تھا، اس کو دھویا تا کہ نکاح کی تقریب میں کم از کم دھلا ہوا جوڑا تو ہو، مگر عصر تک وہ سوکھ نہ سکا، کیوں کہ سردی کا زمانہ تھا، پس چار و ناچار اسی کو پہن کر مسجد میں حاضر ہوا، اسی مفلسی میں میرا نکاح پڑھایا گیا۔

حضرت موصوف تحریک ریشمی رومال کے سرگرم رکن تھے، اس وجہ سے آپ کو گرفتار کر کے دہلی، شملہ، لاہور، جالندھر کی کئی حوالات میں ایک عرصہ گذارنے کے بعد مشروط رہائی ملی، آپ پر دہلی اور سندھ جانے پر سخت پابندی عائد کر دی گئی، چنانچہ ناچار آپ لاہور میں پابند ضمانت ہو کر مقیم ہو گئے، اسی وجہ سے آپ لاہوری کہلاتے ہیں۔

۱۹۲۲ء میں حکیم فیروز الدین کی تحریک پر آپ نے انجمن خدام الدین کی داغ بیل ڈالی، قرآن وسنت کی اشاعت کو انجمن کا نصب العین قرار دیا۔ ۱۹۲۴ء میں انجمن خدام الدین کی زیر نگرانی مدرسہ قاسم العلوم لاہور کی بنیاد رکھی گئی، جس کی عمارت کی رسم افتتاح علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے دست فیض سے عمل میں آئی۔

آپ نے عام مسلمانوں کی اصلاح کے لیے بعد نماز فجر ایک گھنٹہ درس قرآن جاری فرمایا جس میں مردوں کے علاوہ باپردہ خواتین بھی شامل ہوتی تھیں۔ مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل علماء کے لیے تفسیر پڑھانے کا سلسلہ جاری فرمایا اور جو حضرات درس تفسیر کے بعد مزید علم حاصل کرنا چاہتے تھے، آپ انہیں چار ماہ میں فلسفۂ شریعت اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی ’’حجۃ اللہ البالغہ‘‘ پڑھاتے تھے، ۱۹۴۰ء سے شروع ہونے والا یہ درس آپ کی زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا۔

حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمہ اللہ نے فراغت کے بعد ۱۹۴۲ء میں حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں لاہور پہنچ کر ان سے علوم کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۵۶ء میں جب تحریک ختم نبوت شروع ہوئی، تو مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، گرفتاری کے بعد آپ کو دیگر علماء کے ساتھ ملتان جیل میں رکھا گیا، جب ملک فیروز خاں برسر اقتدار آیا تو آپ کو رہا کر دیا گیا۔

اکتوبر ۱۹۵۶ء کو لاہور میں جید علماء کی مشاورت ہوئی، جس میں بالاتفاق مولانا احمد علی صاحبؒ کو جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کا امیر منتخب کرلیا گیا، آپ آخری سانس تک اس عہدے پر فائز رہے، آپ کی رہ نمائی میں صرف ایک سال کے عرصہ میں مغربی پاکستان میں ۳۰۰ شاخیں قائم ہوگئی۔ آپ کی خدمات اس قدر ہیں اگر سب کا احاطہ کیا جائے تو کئی دفتر بھر جائیں۔

علوم ومعارف کا یہ شہنشاہ ولایت کا بادشاہ ۲۹ر فروری ۱۹۶۲ء مطابق ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ کو بعمر ۷۷ر سال اس دنیا سے اپنے رب کے جوار میں منتقل ہوگیا۔ آپ کی جنازہ کی نماز آپ کے صاحب زادے مولانا عبیداللہ انور صاحب نے پڑھائی۔ افطار کے وقت مولانا عبداللہ درخواستی، مولانا عبداللہ انور، حافظ حمیداللہ اور دیگر اکابرین نے آپ کی میت کو لحد میں اتارا۔ گویا زبان حال سے فرمارہے تھے:

جب خودی اپنی مٹائی تب خدا مجھ کو ملا
مجھ کو زندہ کردیا فنا فی اللہ نے

حضرت لاہوری قرآن کریم کی عملی تصویر بن چکے تھے، اس خدا رسیدہ بندے پر اللہ جل شانہ کی قدرت وعظمت اور کبریائی وبڑائی منکشف ہوگئی تھی، وہ تقویٰ کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ فتویٰ ہزار راہیں بتاتا، مگر تقویٰ کا دامن ان کے دست حق سے نہیں چھوٹتا تھا۔ مؤرخین نے کتابوں میں اور خطیبوں نے اپنی تقریروں میں بیان کیا کہ حضرت لاہوری کی قبر سے مہینوں تک ایسی خوشبو آتی رہی، جس کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا۔

کس کو نصیب ہے یہ ذوق کس کو بتاؤں عارفی
کتنا سرور و کیف ہے عشق جگر گداز میں

کہکشاں درسِ انجمن

یعنی ان روشن ستاروں کا تذکرہ جنھوں نے آپ کے ہم سفر رہ کر اکتساب فیض کیا، اور ہر ایک اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر علم وعمل سے خوب تر چمکا۔

۱- صوفئ زماں حضرت مولانا سید محمود حسن صاحب پٹھیڑویؒ:

حضرت مولانا سید محمود صاحبؒ اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کے رفقائے درس میں سے ہیں۔ آپ ضلع سہارنپور سے شمالی جانب تقریباً بیس کلو میٹر کی دوری پر آباد پٹھیڑ نامی بستی کے سید خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دیوبند کی علمی ونورانی فضا میں منتقل ہوگئے، تعلیم وتعلم کے مراحل طے کرنے کے بعد اصلاحی وباطنی تربیت بھی حضرت مدنیؒ سے حاصل کی، بلکہ دیوبند کی فضاء ایسی بھائی کہ حیات مستعار کے مراحل طے کرکے وہیں پر پیوند خاک ہوگئے۔

ان کی شخصیت کا اندازہ رفیق محترم مفتی محمد ساجد کھجناوریؒ کے مندرجہ ذیل پیراگراپ سے بخوبی ہوجائے گا۔

''حضرت مولانا کو جن حضرات نے دیکھا ہے وہ گواہی دیں گے کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ، شاہی کروفر سے بے نیاز، یہ درویش اور ولئ کامل شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے آستانہ پر گوشۂ خلوت میں بیٹھ کر ریاضت ومجاہدات، عبادت الٰہی، ذکر وفکر، تلاوتِ قرآن اور اوراد ووظائف پر کاربند رہا۔''

اپنے مرشد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ ایسا دامن گرفتہ ہوگیا تھا کہ ان کے وصال کے بعد بھی اخیر میں وہیں کے ہوکر رہ گئے تھے۔ آپ کی زندگی

بے شمار خوبیوں سے آراستہ اور جامع الاوصاف وکمالات تھی، زاہد عن الدنیا راغب فی الآخرۃ اور سلوک واحسان میں یدِطولیٰ رکھتے تھے‘‘

دارالعلوم کے زمانۂ طالب علمی میں اس راقم کو بارہا زیارت کا موقع نصیب ہوا، سال دوم عربی میں اپنے درسی ساتھی مفتی صداقت دھتولی کے ساتھ پہلی مرتبہ حضرت موصوف کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت آپ مدنی مسجد کے پاس مقیم تھے، بھاری بھرکم جسم، نورانی چکلا چہرہ، معرفت کے آثار نمایاں، سلام کے جواب کے بعد اپنی دیسی زبان میں (مفتی) صداقت سے معلوم کیا یہ کون ہے بے؟ انہوں نے بتایا کہ میرا ساتھی ہے ماجری کا، دسترخوان لگا ہوا تھا، راقم کو مخاطب کر کے فرمایا ’’ابے روٹیوں کا ناس کرے گا؟‘‘ راقم یہ اصطلاح نہ سمجھ سکا، بھائی صداقت سے معلوم کیا، اسنے بتلایا کہ فرمارہے ہیں کھانا کھالو، تب میں نے عرض کیا کہ حضرت میں فارغ ہوں۔

فرمایا: تو کیوں آیا تھا؟

عرض کیا کہ حضرت! دعاء کے لیے۔

فرمایا: ٹھیک ہے، جاؤ، دعاء کریں گے۔ عشاء کی اذان ہو چکی تھی۔

فرمایا: صداقت جاؤ، نماز پڑھو۔

اس کے بعد ہم سلام کر کے مسجد آگئے، پھر اس کے بعد بارہا زیارت اور ملاقات ہوئی، بڑی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ کی مجلس میں احقر نے دیکھا اور دیکھنے والوں سے تبصرہ بھی سنا کہ حضرت فدائے ملت صاحبؒ ان کا بڑا احترام فرماتے تھے۔ آپ کے فیوض وبرکات کثیر تھے، آپ کے تحریر کردہ تعویذ بحکم ربی زوداثر ہوتے تھے، راقم کو کئی بار اس کا مشاہدہ ہوا۔ آپ کے حلقۂ ارادت میں بڑے بڑے علماء اور دارالعلوم کے اساتذہ بھی شامل تھے، اور بعض کو آپ سے اجازت وخلافت بھی ہے۔

۲۵؍ مارچ ۲۰۱۱ء بروز جمعہ جس روز امام حرم شیخ سدیس حفظہ اللہ دیوبند تشریف

لائے تھے اور خلق خدا کا سمندر دیوبند کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا، اسی روز یہ عبقری شخصیت بعمر اٹھاسی سال اس دارفانی سے داربقاء کی جانب رحلت فرماگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ راقم کا یہ تکمیل علوم کا سال تھا، بعد نماز مغرب احاطۂ مولسری میں نماز جنازہ ہوئی، جس میں علماء، صلحاء اور طلبۂ عظام کے ایک جم غفیر نے شرکت کی۔

یوں خونِ دل میں ڈوب کے نکلی مری غزل
جیسے کوئی چھلکتا ہوا جام آگیا

۲- حضرت مولانا عظیم الدین صاحب انبہٹوی رحمہ اللہ:

حضرت مولانا عظیم الدین صاحب رحمہ اللہ ابن اسماعیل ابن الٰہی بخش انبہٹوی ۲۹؍ جون ۱۹۱۷ء کو انبہٹہ پیرزادگان ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، یہ وہی انبہٹہ ہے جسے صاحب ’’بذل المجہود‘‘ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری کا وطن ہونے کا شرف حاصل ہے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد بڑی خاموش مزاجی کے ساتھ انبہٹہ پیر کے ایک چھوٹے سے مدرسہ مدرسہ خلیلیہ میں زندگی بسر کی اور سادگی کے ساتھ چپکے چپکے رجال کار کی ایک جماعت تیار کر گئے، خانقاہی سلسلے میں بھی آپ نے ایک جماعت کثیرہ کو فیض پہنچایا۔ آپ ہمارے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے درسی ساتھی تھے، تحصیل علم کے بعد بھی یہ تعلق برابر قائم رہا۔

ابتدائی تعلیم وطن میں رہ کر حاصل کی، اس کے بعد آپ ریڑھی تاجپورہ کے عربی مدرسہ میں داخل ہوئے، اسی سال حضرت مولانا زاہد حسن صاحب بھی کچھ ایام تک یہاں داخل درس رہے اور یہیں سے دونوں حضرات کی دید وشنید کا اول مرحلہ شروع ہوا جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا، یہاں تک کہ صداقتِ بے مثال میں تبدیل ہو کر زندگی بھر کا اٹوٹ بندھن ثابت ہوا۔

حضرت موانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو چند روز کے بعد دار العلوم دیوبند منتقل ہوگئے اور حضرت انبہٹوی درجہ بدرجہ یہیں تعلیم حاصل کرتے ہوئے، ۱۹۳۹ء میں دار العلوم میں داخل ہوکر آپ کے ہم درس ہوگئے، یہاں تک کہ ہم درس، ہم نوالہ وہم پیالہ بن کر ہر دو نے منازل علم کو طے کیا۔

حضرت مولانا عظیم الدین صاحب کی شادی زمانہ طالب علمی میں ہوگئی تھی، جس روز بارات چڑھی، تو حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ بھی تشریف لائے، دیکھا کہ دلہا صاحب پرانے کپڑوں میں ملبوس ہیں، فرمایا کہ بھائی بارات میں جانے کی تیاری تو کرلو، تو مولانا عظیم الدین صاحب نے جواب میں فرمایا کہ بھائی جان میں تو تیار ہوں، حضرت مولانا اس جواب سے معاملے کو بھانپ گئے اور مولانا عظیم الدین صاحب کو اپنی نئی شیروانی اُتار کر پہنادی، یہ کمال تعلق کی بات تھی۔

شادی کے بعد مولانا عظیم الدین صاحب اپنی اہلیہ کو لے کر دیوبند منتقل ہوئے، تو اس باوفا دوست نے یوں ضیافت کا حق اداء کیا کہ اپنا ٹکٹ طعام مولانا عظیم الدین صاحب کی اہلیہ کے لیے ہبہ کردیا، اور خود کو بیرون کوٹلہ والوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔ اس محلہ کی مسجد میں حضرت امامت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا عظیم الدین صاحب بچپن سے کم گو، ولی صفت شخص تھے، رسمی تعلیم و تربیت کے مراحل گذارنے کے بعد ان کی زندگی ایک روشن ستارہ بن کر ابھری، وہ مختلف قسم کے اوصاف وکمالات کے حسین مجموعہ تھے مگر تعلیم وتعلم، کثرت مطالعہ، ذکرو شغل اور دعوت الی اللہ سے وابستگی ان کی زندگی کا مرکزی عنصر تھا۔

راقم کو حضرت مفتی حبیب الرحمن صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند اور استاذ محترم حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم کے ساتھ ایک مرتبہ زیارت کا

شرف حاصل ہوا۔ اگرچہ ان کی بزرگی اور ان کے تعویذ کے زوداثر ہونے کے تذکرے اپنے گھر میں بارہا سنے تھے مگر ان کی زیارت سے شرف یابی سے ابھی تک محروم تھا۔

۱۵/اگست ۲۰۱۴ء بروز جمعہ کو آپ واصل بحق ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

علاقہ میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی، آپ کے عقیدت مندوں کا ہجوم افتاں وخیزاں قصبہ انبہٹہ میں امنڈنے لگا۔ بعد نماز مغرب مدرسہ خلیلیہ میں آپ کی نماز جنازہ دار العلوم دیوبند کے مایہ ناز استاذ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب نقشبندی دامت برکاتہم نے پڑھائی، اور ایک بڑے مجمع نے آپ کے جسد خاکی کو آخری آرام گاہ تک پہنچایا۔

رب کریم ان کے درجات بلند فرمائے، اور اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

۳- شیخ الحدیث حضرت مولانا اصغر صاحبؒ:

آپ نے ۲۱/شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰/اپریل ۱۹۲۱ء کو گاؤں مجاہد پور مظفر آباد ضلع سہانپور (یوپی) کے ایک متوسط گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ تعلیم القرآن ریڑھی تاجپورہ میں داخل ہوکر، حفظ، فارسی اور متوسط عربی درجات کی تعلیم حاصل کی، قسمت کا ستارہ چمکا تو اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ نے دار العلوم دیوبند میں داخل ہوکر اصحاب علم وفضل سے استفادہ کیا اور باکمال اساتذہ ومحدثین عظام سے اپنے دامن بامراد کو خوب خوب آراستہ کیا۔

سن ۱۹۴۲ء میں سند فراغت حاصل کرکے یہ مادر علمی دار العلوم کا سپوت میدان

عمل میں اشاعت دین کا صالح جذبہ لے کر نمودار ہوا۔ ۱۳؍شوال المکرم ۱۳۶۱ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۲ء کو آپ کا تقرر مدرسہ اسلامیہ تعلیم القرآن ریڑھی تاجپورہ میں ہو گیا، اس حسن انتخاب کے بعد میدان تدریس میں ایسے منہمک ہوئے کہ مسلسل ۷۲؍سال تک ایک نظر بھی دنیا کو آنکھ بھر کر نہ دیکھا، اطراف عالم سے صرف نظر کر کے علوم نبوت سے تشنگانِ علم کو سیراب کرتے رہے، حقیقت میں آپ کی ذات پر یہ شعر سو فیصد منطبق ہوتا ہے:

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

۱۴۰۳ھ میں آپ کو انتظامیہ نے شیخ الحدیث کے عظیم منصب پر فائز کیا، آپ نے بفضل الٰہی ۳۲؍سال برابر قرآن کریم کے بعد سب سے افضل واصح کتاب ''صحیح بخاری'' کا درس دیا۔ بلاشبہ یہ ان کے خالص علمی وصالح اور مقبول عنداللہ ہونے کی دلیل ہے۔

یہ مرد جلیل ۱۳؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۵؍جنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات کو اپنی حیات مستعار کی نوے سے زائد بہاریں دیکھ کر، راہی ملک عدم ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

فروغ شمع تو باقی رہے گا صبح محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

۴-حضرت مولانا خالد سیف اللہ گنگوہیؒ:

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب گنگوہی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے نواسے، حافظ محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادۂ محترم تھے۔

بڑے عالی ظرف اور کثیر المزاح زندہ دل شخص تھے، حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے درسی ساتھیوں میں سے تھے، دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی معرفت ''مدینہ یونیورسٹی'' میں لیکچرار ہو گئے تھے۔ کچھ دن جدہ میں ملازمت کے بعدہ ہندستان واپس آکر سہارنپور اپنے سسرالی محلہ میں مقیم ہو گئے۔ حضرت مدنیؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ اور دیگر اکابرین رشیدی نسبت کی وجہ سے آپ کا بڑا احترام کرتے تھے، حضرت فدائے ملت تو چھوٹے بھی تھے، اس لیے وہ ان کے ساتھ ابے تبے کی مذاق بھی کر لیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد عارف صاحب اور مولانا محمد سلمان صاحب گنگوہی کی روایت ہے کہ حضرت شیخ الاسلام، حضرت شیخ الحدیث صاحب، فدائے ملت حضرت مولانا اسعد صاحب اور حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحیمہ اللہ وغیرہ جب اپنی دینی جدوجہد، تبلیغی اسفار، یا علمی کاوشوں کی وجہ سے تھکاوٹ اور طبیعت میں کبیدگی سی محسوس کرتے، تو حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب کی جائے قیام کا رخ فرماتے، اور ان کی زندہ دلی سے اس مرض غبار ذہن وخاطر کو دور فرما کر، نیا عزم وحوصلہ لے کر منزل مقصود کی جانب روانہ ہو جاتے۔ رب کریم ان کو غریق رحمت کرے۔

صراحی روتی اٹھی، جام اشک بار تھا
پھر آج مے کدے سے ایک بادہ خوار اٹھا

۵-حضرت مولانا محمد نعیم صاحب شیخ الحدیث دار العلوم وقف:

حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی رحمہ اللہ بھی حضرت اسد الہند مولانا زاہد

حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کے رفیق درس تھے۔ آپ اولاً دار العلوم دیوبند کے استاذ مقرر ہوئے، پھر سانحۂ اختلاف میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کے ہمراہ دار العلوم سے علیحدگی اختیار کی، اور دار العلوم وقف دیوبند کے اولین معماروں میں شامل ہوئے، آپ دار العلوم وقف دیوبند کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے، علمی کمالات کا محور، علم حدیث پر مکمل گرفت، سادگی، انابت کے پیکر، خاموش مزاج، بزرگانہ روایات کے حامل، خالص مدرس، ایک بے ضرر قسم کے شخص تھے۔ قیام دار العلوم وقف سے ہی بخاری شریف اور ترمذی شریف کے اسباق آپ ہی سے متعلق رہے، کئی کئی گھنٹے مسلسل درس دیتے تھے۔

۹/ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۸ء کو طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ اللهم اغفر له وارحمه وأدخله برحمتك في جنة النعيم۔

جو کہ تھا جانشیں اپنے اسلاف کا — ایک نمونہ تھا جوان کے اوصاف کا
آہ وہ دار فانی سے رخصت ہوا — اور گل ایک چراغِ ہدایت ہوا

قارئینِ کرام! حضرت اسد الہند مولانا محمد زاہد حسن صاحبؒ کے رفقاء درس کی ایک لمبی فہرست ہے، تمام کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے اور بعض کے ہمیں تفصیلی حالات میسر نہیں ہو سکے، مثلاً:

(۱) حضرت مولانا محمد عقیل خاں صاحب جاجوہ
(۲) حضرت مولانا عبد الغنی صاحب ڈھلولوی
(۳) حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب سیوہاروی
(۴) حضرت مولانا فخر الدین صاحب فخر گیاوی

یہ تمام وہ با عظمت اسمائے گرامی ہیں، جن میں سے ہر ایک آسمان علم وعمل کا دمکتا چمکتا ستارہ ہے، یہ تمام جہد مسلسل کے بے تکان مجاہد تھے، جن کی زبانوں پر قاری عبد الحفیظ اطہر صاحب مبارک پوری کا یہ ترانہ جاری رہتا تھا۔

ہم مرد مجاہد دنیا میں دو روز کی راحت کیا جانیں
تکلیف و مصیبت کے خوگر آرام و راحت کیا جانیں
ہم ایک خدا کے قائل ہیں ہم اپنے نبی کے تابع ہیں
ہم غیر کا سجدہ کیا جانیں ہم اور کی طاعت کیا جانیں
کچھ لوگ عدو کی گھاتوں میں کچھ لوگ خدا کی باتوں میں
غزوات کی خونیں راتوں میں ہم نیند کی لذت کیا جانیں
آغوش وفا میں سوتے ہیں شمشیر کے ٹھنڈے سائے میں
میلائے شہادت کے شیدا سلمیٰ کی محبت کیا جانیں

تیسرا باب

تدریسی خدمات کے بیان میں

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے فراغت کے بعد اپنے تدریسی سفر کا آغاز مدرسہ سراج العلوم دجھیڑہ سے کیا۔ موضع دجھیڑہ جمنا ندی کے مشرقی کنارہ پر ایک بڑی آبادی ہے جو ضلع سہارنپور سے جانب مغرب میں قصبہ چلکانہ کے قریب بیس کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔

سنہ ۱۳۲۷ھ میں مذکورہ موضع کی بڑی مسجد میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ نے سراج العلوم کے نام سے ایک مکتب قائم فرمایا جس نے حضرت قطب عالم کی مقبول توجہات سے حیرت انگیز ترقی کی مگر قسمت سے دریا برد ہوگیا اور نظام تعلیم درہم برہم ہوگیا۔ اسی مکتب طوبیٰ کو حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے آب حیات پلا کر اپنی تدریسی خدمات کا مرکز بنایا۔

حضرت اسد الھندؒ نے ۱۳۸۴ھ میں مذکورہ بستی کے جنوبِ مشرق میں چار بیگھہ زمین خرید کر از سرنو مدرسہ سراج العلوم کی بنیاد رکھی اور پوری قوت ایمانی کے ساتھ تعلیمی و تعمیری سلسلہ جاری فرمایا جس میں رب کریم نے انکے جوش روحانی کی وجہ سے برکت عطا فرمائی اور دیکھتے ہی دیکھتے مکتب کی حدود سے نکل کر مدرسہ سراج العلوم کی شکل میں دینی تعلیمی ومثالی تربیت گاہ بن گئی، حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ فن تدریس میں ایک ٹھوس ماہر ومشاق مدرس ثابت ہوئے۔ ان کے شاگردوں کی ٹھوس ومضبوط صلاحیتوں پر اہل علم نے خراج تحسین پیش فرمایا ہے۔ جن حضرات نے حضرت مولاناؒ سے فارسی پڑھی

ہے ان کا بابانگ دھل اعلان تھا کہ ہندوستان کا کسی بھی مدرسہ کا طالب علم فارسی زبان دانی میں ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ حضرت مفتی طیب صاحبؒ، ڈاکٹر محمد الیاس صاحب دجھیڑا، چودھری اختر پرمکھ صاحب دجھیڑا اس کی زندہ مثالیں تھیں۔ حضرت مولاناؒ نے دجھیڑا مدرسہ سراج العلوم میں ایک جماعت کو فارسی سے مشکوۃ شریف تک پڑھایا ہے، مگر دیگر سماجی، ملی اور سیاسی مشغولیات کی بنا پر یہ سلسلہ ۱۹۷۸ء کے بعد جاری نہ رہ سکا، تجوید، فارسی اور عربی دوم تک کی تعلیم جاری رہی۔ تکمیل تعلیم کے لئے طلباء کو جامعہ مظاہر علوم سہارنپور یا دارالعلوم دیوبند میں داخل کرادیا جاتا تھا۔ جس جماعت کو آپ نے مشکوۃ شریف تک پڑھایا ہے، اس میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے:

حضرت مفتی طیب صاحب ابراہیمیؒ

چودھری اختر پرمکھ صاحب دجھیڑا

ڈاکٹر محمد الیاس صاحب دجھیڑا

مولانا محمد عارف صاحب ابراہیمی دامت برکاتہم

چودھری رشید صاحب دجھیڑا

مولانا خورشید صاحب سرساوہ وغیرہ

جامعہ احمد العلوم خانپور میں درس

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ جامعہ احمد العلوم خانپور کے تاحیات سرپرست و نگراں رہے، اسلئے وہاں بھی بعض طلبہ کو آپنے مشکوۃ شریف پڑھائی، چنانچہ مفتی اکبر صاحبؒ سابق مہتمم مدرسہ احمد العلوم نے بھی مشکوۃ شریف حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے پڑھی تھی، ہر ہفتہ میں آپ پیر وجمعرات کو خانپور تشریف لاتے تھے، بعد

مغرب درس ہوتا تھا اور عشاء کے بعد مجلس ذکر ہوتی تھی جس میں دور دراز سے بہت سارے افراد شرکت فرماتے تھے اور صبح علوم و معارف کے جواہر پارے سمیٹ کر اپنے گھروں کو واپس ہوتے تھے۔

شیخ الادبؒ کا قول

ایک مرتبہ شیخ الادب مولانا اعزاز صاحبؒ نے مدرسہ سراج العلوم کے بعض طلبہ کو دیکھ کر فرمایا کہ اگر کسی نے اپنی بچوں کی تعلیم کے ساتھ تربیت کرانی ہو تو مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے حوالہ کردو۔

اسد الہندؒ کی علمی گرفت

حضرت اسد الہندؒ مشائخ دیوبند کی طرح حد درجہ قوی الحفظ تھے، چنانچہ آپ کو بہت سی درسی کتب کے حواشی وصفحات پر بھی عبور حاصل تھا، آپ بے پناہ ملی وسماجی مشغولیات کے باوجود مشکوۃ وجلالین جیسی اہم کتابیں بھی بڑی عرق ریزی مالہ وماعلیہ کے ساتھ پڑھاتے تھے، آپ کو عبارتیں حفظ یاد تھیں، اصول وجزئیات کافی مقدار میں مستحضر تھے، اپنے ملنے والوں کو مدت کے بعد بھی دیکھ کر پہچان لیتے تھے، حضرت مولانا محمد عارف صاحب نے روایت کیا ہیکہ ایک صاحب نے ایک جزئیہ کے متعلق معلوم کیا تو فرمایا کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ کے فلاں حاشیہ پر یہ مسئلہ موجود ہے، جاکر ملاحظہ فرمالیجئے، ذکاوت وذہانت وافر مقدار میں پائی تھی، ہنگامی مسائل کو حل کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور مد مقابل کو نہایت مسکت جواب دیکر لاجواب فرما دیتے تھے، آپ اصابت رائے اور دور بینی کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔

درس تجوید

حضرت اسد الہند اگر چہ مکمل حافظ قرآن نہیں تھے مگر فن تجوید سے اچھی مناسبت رکھتے تھے اور قرآن کریم بہت عمدہ لب ولہجہ میں تلاوت فرماتے تھے، مدرسہ سراج العلوم میں اکثر صبح بعد نماز فجر آپ طلبہ کو مشق کرایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا قاری محمد عاشق صاحب شیخ الحدیثؒ ریڑھی تاجپورہ نے فرمایا کہ احقر نے بھی قرآن کریم مدرسہ سراج العلوم میں ہی حفظ کیا ہے، چنانچہ صبح کے وقت میں بھی حضرت مولاناؒ کے پاس مشق کرنے جاتا تھا، اسلئے میں حضرت اسد الہندؒ کو فن تجوید میں اپنا استاذ شمار کرتا ہوں اور انکی ہی توجہ سے مجھے فن تجوید کا شوق ہوا تھا۔

حضرت مولاناؒ طلبہ کو مشقت کا عادی بنا دیتے تھے

حضرت مولاناؒ کا انداز درس کبھی کبھی متقدمین علماء کے طرز پر ہوتا تھا جس سے طالب علم کے اندر مجاہدہ کا شوق اور حصول علم میں مشقت برداشت کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ آپ کبھی ایسا بھی کرتے کہ مدرسہ سے سوار ہو کر چلتے اور طالب علم کو کتاب ہاتھ میں لیکر ساتھ ساتھ چلکر سنانے کا حکم فرماتے اور اسکے بعد خود سبق پڑھاتے تھے اور کبھی گھر سے مدرسہ کیلئے سوار ہوتے اور صاحبزادگان حضرت مفتی محمد طیب صاحبؒ اور مولانا محمد عارف صاحب کو ساتھ ساتھ پیدل چلنے کو فرماتے اور انکا سبق یا آموختہ سنتے سنتے مدرسہ پہنچ جاتے، جس سے انکی بدنی ورزش بھی ہوجاتی تھی اور سبق بھی۔

آپکا علم بڑا مضبوط تھا، کتابوں کے حاشیوں تک پر عبور حاصل تھا، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل بات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ ایک بار حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ ناظم اعلی مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپوری نے فرمایا تھا کہ ایسا بہت کم ہوتا ہیکہ ایک شخص پختہ

عالم بھی ہو اور بزرگ بھی لیکن حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ میں دونوں صفت بدرجۂ اتم موجود ہیں اور ہزاروں افراد پر اکیلے بھاری ہیں۔ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کا انداز تدریس یہ تھا کہ گنجلک و پیچیدہ مقامات کی وضاحت فرما کر مطلب کو ذہن نشین فرما دیتے تھے طالب علم کتاب کی عبارت کو خود حل کر کے لاتا تھا، حضرت مولانا صرف وضاحت فرمادیا کرتے تھے۔ استاذ کا کمال یہ ہیکہ کتاب پانی بنا کر حل کردے نا یہ کہ لمبی لمبی بحث کر کے اپنے کمال کا سکہ جمانے کی کوشش کرے، یہی وجہ تھی کہ انکے طلبہ کسی اور استاذ سے متاثر نہ ہو سکے۔

حضرت اسدالہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے مشہور شاگرد

صاحبزادگان محترم حضرت مولانا محمد عارف صاحب، حضرت مفتی محمد طیب صاحبؒ

مولوی محمد اشفاق صاحب

حافظ ساجد صاحب

حضرت مفتی محمد اسجد الحسنی صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

قاری محمد عاشق الٰہی صاحبؒ شیخ الحدیث ریڑھی تاجپورہ

مولوی خورشید صاحبؒ سابق امام جامع مسجد سرساوہ

مولانا محمد ہاشم صاحب دامت برکاتہم، مہتمم مدرسہ کاشف العلوم چھٹملپور

قاری شوکت صاحب مرادآباد

ڈاکٹر الیاس صاحب

چودھری رشید صاحب دجھیڑہ

مولانا محمد قربان صاحب ابراہیمیؒ

حافظ محبوب صاحب لودھی پور

چودھری اختر پرمکھ صاحب دجھیڑا

صوفی ابراہیم صاحب دجھیڑہ

مولانا اکبر صاحب سابق مہتمم جامعہ احمد العلوم خانپور

حاجی اختر صاحب دجھیڑہ وغیرہ

چوتھا باب

تصوف کے بیان میں

امام غزالیؒ نے تصوف کی اصطلاحی تعریف جو تفصیل سے نقل کی ہے اسکا معتبر خلاصہ علامہ شامیؒ نے یوں تحریر فرمایا ہے۔

هو علم يعرف به أنواع الفضائل و كيفية اكتسابها وأنواع الرذائل و كيفية اجتنابها.

تصوف وہ علم ہے، جس سے اخلاق حمیدہ کی قسمیں اور انکے حاصل کرنیکا طریقہ اور اخلاق رذیلہ کی قسمیں اور ان سے بچنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

حضرات مشائخ نے نقل کیا ہے کہ شریعت مطہرہ کا وہ حصہ، جو اعمال ظاہری سے متعلق ہے فقہ کہلاتا ہے اور وہ حصہ جو اعمال باطنی سے متعلق ہے تصوف وسلوک کہلاتا ہے۔

تصوف کا موضوع تہذیب اخلاق ہے۔

غرض وغایت رضاء الٰہی ہے۔

تصوف دین متین کی روح و معانی یا کیف کمال کا نام ہے جسکے ذریعہ سے اخلاق ذمیمہ، شہوت، آفات لسانی، غضب، حقد، حسد، حب دنیا، حب جاہ، بخل، حرص، ریا، عجب وغرور کو ختم کر کے اخلاق حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف، رجاء، زہد، توحید وتوکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ وتفکر سے اپنے آپ کو آراستہ کرتا ہے، تاکہ توجہ الی اللہ پیدا ہوجائے جو مقصود حیات ہے۔

حضرت تھانویؒ رقمطراز ہیں کہ آجکل پڑھنے پڑھانیوالوں کو اس طرف توجہ نہیں ہیکہ کسی

بزرگ کی خدمت میں جا کر رہیں بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لی اور سمجھ لیا کہ ہم بہت کچھ ہوگئے، یاد رکھئے کہ جو عالم مدرسہ سے فارغ ہوکر خانقاہ میں نہ جائے یعنی اپنی اصلاح نہ کرائے وہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص وضو کر کے اس پر قناعت کرے اور نماز نہ پڑھے، اس پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اہل اللہ کی صحبت میں نہ رہے۔ الافاضات الیومیہ (۴، ۵۱۵)

اسلئے اس زمانہ میں دار العلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور کا ہر فارغ التحصیل اپنے لئے تصوف والی نسبت کو حاصل کرنا واجب درجہ کی چیز سمجھتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں ایک زمانہ وہ گذرا کہ مہتمم سے لیکر دربان اور چپراسی تک صاحب نسبت ہوتا تھا۔

قرآن کریم میں اسی تصوف کو تزکیہ نفس سے تعبیر کیا گیا ہے، بعثت رسول کے اہم چار مقاصد میں سے ایک تزکیۂ نفس بھی ہے، اور حدیث مبارکہ میں اسی کو احسان سے بیان کیا گیا ہے جو عبادت کی اعلیٰ واکمل صورت ہے۔

أن تعبد الله كأن تراه فان لم تكن تراه فانه يراك. (الحديث)

ترجمہ: کہ تو اپنے خالق و مالک اللہ جل شانہ کی عبادت ایسے کر جیسا کہ تو اسکا دیدار کررہا ہے، پس اگر ایسا نہیں ہے تو یہ تصور جمالے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے، ایسی کیفیت میں عبادت بندگی ہوتی ہے ورنہ ریا ونمود اور عادت میں ہی زندگی تمام ہوتی ہے۔

وہ ریا جس پر کہ زاہد تھے طعنہ زن، پہلے عادت پھر عبادت ہوگئی
ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی ☆ اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

صحبت صالح کی ضرورت

عادت اللہ یہی جاری ہیکہ کوئی کمال بغیر استاذ کے حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ جب اس

راہ عظمت کی توفیق دامن گیر ہو تو رہبر کامل کو ضرور تلاش کرنا چاہئے جسکی ہم نشینی اور فیض تعلیم کے ذریعے مقصود تک پہنچنا ممکن ہو۔

گر ہوائے ایں سفر داری دلا ☆ دامن رہبر بگیرد پس بیا
عمر بگذشت و نہ شد آگاہِ عشق ☆ بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق

ترجمہ: اے دل اگر اس سفر کی خواہش ہو تو رہبر کامل کا دامن تھام کر چل، اسلئے کہ جو بھی راہ عشق میں بغیر رفیق کے قدم رنجہ ہوا اسکی عمر گذر گئی مگر عشق کی راہ سے واقف نہ ہو سکا۔

صرف بڑی کتابوں سے کوئی کامل و مکمل نہیں ہوسکتا، موٹی سی بات ہیکہ کسی ماہر ڈاکٹر کے پاس رہے بغیر کوئی ڈاکٹر یا سرجن نہیں بن سکتا، مشاق انجینیئر کے پاس پریکٹیکل کئے بغیر کوئی انجینیئر نہیں بن سکتا، ٹھیک اسی طرح بغیر کسی کامل شیخ کی صحبت کے کوئی کامل و مکمل بزرگ بافیض عالم نہیں بن سکتا، اسی بات کو کہا گیا ہے کہ۔

صحبت صالح ترا صالح کند ☆ صحبت طالح ترا طالح کند
ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا ☆ گو بنشید در حضور اولیا

ترجمہ: نیک آدمی کی صحبت آپ کو نیک بنا دیگی اسی طرح بد بخت و برے کی صحبت آپ کو نکما و برا بنا دے گی، جو شخص حق تعالیٰ جل مجدہ کی ہمنشینی کا طالب ہو تو اسے اولیاء کرام کی صحبت میں رہنا چاہئے۔

راہِ حق کا طالب رہبر کامل کی خدمت میں

حضرت اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی تربیت تو ایسے ہی پاک طینت شخصیات کے زیر سایہ ہوئی تھی کہ جو علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ و پیراستہ تھے۔

مگر پھر بھی آپ نے اس راہ الفت الٰہی کیلئے ایک عظیم المرتبت شیخ طریقت کا انتخاب کیا جسکا رواں، رواں، بال، بال قطرہ، قطرہ عشق الٰہی سے معمور تھا۔ آپ نے فراغت کے فوراً بعد شیخ العرب والعجم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے دست کامل کو تھام کر (بیعت کر کے) تزکیہ نفس پر بھرپور توجہ مرکوز فرمادی اور اس عظیم سفر کے تمام مراحل کو انکی صحبت میں بحسن وخوبی طے فرمایا اور ۱۶، سال مسلسل سفر طے کرنیکے بعد جب بالکل آپ آخری منزل پر تھے کہ مرشد لاثانی حضرت مدنیؒ راہی ملک عدم ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آہ، تیرے در سے اُٹھوں تو میں جاؤں کس کے در پر
جو ہو بے مثال تجھ سا وہ پیر مغاں کہاں سے لاؤں
دلِ زار کی کہانی میں سناؤں کس کو یا رب
وہ سماں سکستگی کا وہ صدا کہاں سے لاؤں

حضرت مدنیؒ کی حضرت مولانا کے اوپر خصوصی توجہ تھی بلکہ سب سے ممتاز تھی، اسکا اندازہ انشاءاللہ آپ کو آئندہ واقعات سے ہو جائیگا۔

رائے پور رہبر مسعود کی خدمت میں

حضرت مدنیؒ اپنی حیات میں حضرت مولاناؒ کو رائے پور شاہ عبد القادر صاحبؒ کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے بلکہ ۱۹۴۷ کے موقع پر حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی نمایہ و بے مثال خدمات کے پیش نظر اکابر ثلاثہ حضرت مدنیؒ، حضرت شیخ زکریاؒ اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری علیہم الرحمہ کے منظور نظر ہو چکے تھے۔ بلکہ تینوں اکابر انکے مجاہدانہ کارناموں اور حسن کارکردگی کی بنا پر ان پر فخر کیا کرتے تھے، اس تعلق کی

بنیاد پر شاہ عبدالقادر صاحبؒ امام التصوف انکے حالات سے واقف تھے، چنانچہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد آپنے شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے رجوع کیا، حضرت رائے پوریؒ نے جب دیکھا کہ بال و پر حضرت مدنیؒ کی توجہ سے سنور چکے ہیں، صرف بتی میں ٹمی لگانے کی ضرورت ہے، تو آپنے بہت جلدی ٹمی لگا کر اس چراغ تصوف کو روشن کر دیا یعنی آپ نے خلعت خلافت سے نواز کر قوم وملت کی رہبری کا بار ہدایت سپرد کر دیا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا   ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

حضرت رائے پوریؒ کی حیاتِ جمال کا تذکرہ۔

نام نامی: غلام جیلانی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی خدمت عالیہ میں جب رائے پور حاضر ہوئے تو حضرت نے آپکا نام تبدیل فرما کر عبدالقادر رکھا تھا، بس پھر کیا تھا اسم بامسمی ہو گئے۔

موضع: ڈھڈیال

ضلع: سرگودھا،

ملک: متحدہ ہندوستان، اب پاکستان۔

ولادت: ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء

متوفی: ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء

تعلیم وتربیت: آپنے ابتدائی تعلیم پاکستان کے مختلف اہل علم سے حاصل کی، تکمیل تعلیم کیلئے دہلی، بریلی اور سہارنپور کا سفر کیا اور یگانۂ روزگار اہل فنون ہستیوں سے اخذ فیض کر کے درسیات کی تکمیل کی۔

ملازمت: فراغت درسیات کے بعد آپ نے بریلی میں تدریسی خدمات شروع فرمادی، ابھی کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ والد محترم کا سایۂ عاطفت اٹھ گیا، اس صدمہ کے بعد آپ نے ملازمت ترک کردی اور اسکے کچھ دنوں بعد افضل گڑھ ضلع بجنور میں اپنے ایک دوست کے ساتھ ملکر ایک مطب قائم کیا لیکن بقضاء الہی یہ سلسلہ بھی چھ ماہ کی مدت مکمل نہ کر سکا۔

راستے بند تھے سب کوچۂ قاتل کے سوا
ہم کوچ کر چلے کوچۂ معشوق کی طرف

آپکی طبیعت کا انتشار اور قلبی تشویش فزوں تر ہوتی جارہی تھی تو آپنے شیخ غزالیؒ کی کتاب ''المنقذ من الضلال'' کا مطالعہ کیا جسمیں انہوں نے اپنی سرگذشت تحریر فرمائی ہے اور اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا کہ صحیح راستہ صوفیۂ کرام کا ہے جو اپنی سیرت و اخلاق میں مشکوۃ نبوت کی کامل روشنی رکھتے ہیں اور انکا نور باطن نور رسالت سے ماخوذ و مستنیر ہے۔ آپ جس کشمکش وقلبی پریشانی میں مبتلا تھے اس کتاب نے اس پیچ در پیچ حالت میں رہبر کامل کا کام دیا۔ اسکے بعد آپنے قدوۃ السالکین حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی مثنوی ''تحفۃ العشاق'' کا مطالعہ فرمایا تو اس نے سوزش عشق الہی کو ہوا دیکر جوالہ بنادیا اور آپ کا دل حضرت شیخ کبیر شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی جانب کھنچا جاتا تھا۔ آخر ایک روز آپنے خدمت عالیہ میں رائے پور عریضۂ عاجزانہ تحریر فرمایا کہ خدمت عالی میں بیعت کیلئے حاضر ہونا چاہتا ہوں، حضرت عالی نے جواب رقم فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہیکہ ''المستشار موتمن'' میں آپ کو سچ کہتا ہوں کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں، آپ میں طلب ہے مجھ میں تو یہ بھی نہیں ہے، آپ ہمارے مرشد حضرت گنگوہیؒ کی طرف رجوع کریں، اللہ اکبر اخلاص ہو تو ایسا ہو۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس جواب کو پڑھکر پھڑک گیا کہ اخلاص اور بے نفسی اس کو کہتے ہیں، چنانچہ دوبارہ عریضۂ شوق تحریر کیا، مجھے معلوم ہیکہ آپکو جو کچھ ملا وہ حضرت گنگوہیؒ ہی سے ملا مگر میرا رجحان جناب کی طرف ہے، میری طرف سے اگر مہمان داری کی فکر ہے تو میرے حقوق حضرت کے ذمہ نہیں بلکہ میں اپنے قیام وطعام کا خود ذمہ دار ہوں۔

حضرت عالی رائے پوری اس تحریر سے بہت خوش ہوئے اور حاضرین کو خط دکھلایا اور پھر فرمایا کہ دیکھو یہ ہے طالب، چنانچہ اجازت کے بعد حضرت رائے پور آکر بیعت ہوگئے اور مستقل رائے پور میں شیخ کے قدموں میں پڑ گئے اور شیخ کی ایسی خدمت کی جسکی مثال تاریخ کے اوراق میں مشکل سے ملتی ہے، آپ نے ایسے ایسے مجاہدے کئے کہ ہم جیسوں کو تو سنکر اور پڑھکر ہی دھڑ دھڑی سی آتی ہے۔ نقل کیا گیا ہیکہ آپ رات رات بھر ذکر وشغل میں مشغول رہتے تھے، فرماتے تھے کہ وہ زمانہ عسرت وتنگی کا زمانہ ہوتا تھا، ہفتوں صرف سوکھی روٹی پر گذر ہوتا تھا اور کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت کی خدمت سے دیر رات فارغ ہوکر مطبخ جاتا تو روٹی کا نوالہ میسر نہ آتا صرف سالن یا چاول کی دیگچی چاٹ کر ہی نفس کو تسلی دیتا تھا۔ آپکے دو ہی کام تھے دن بھر شیخ عالی کی خدمت اور رات بھر ذکر وشغل آرام بھی بمشکل کرتے تھے، آپ کو اپنے شیخ کے ساتھ ایسا عشق تھا جسکی مثال متقدمین کے زمانہ میں بھی نادر ہی ملتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے خود بیان کیا کہ حضرت شیخ عالی سے مجھے اسقدر محبت وانسیت ہوگئی تھی کہ جو بات حضرت کے دل میں وارد ہوتی وہی بات میرے دل پر بھی واقع ہوتی تھی گویا کہ: آپ مندرجہ ذیل شعر کے کامل مصداق تھے۔

من تو شدم تو من شدی ☆ من تن شدم تو جان شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں ☆ من دیگرم تو دیگری

چنانچہ حضرت شیخ عالی نے کشفی نظر سے دیکھا کہ سینۂ خادم معرفت الٰہی سے مجلی ہو گیا ہے تو آپ نے نسبت جمالی کا نور مشتعل فرما کر اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

جانشینی کے منصوب اشارات

ایک روز شیخ عالی نے فرمایا عبدالقادر دل تو چاہتا ہیکہ جیسے زندگی میں اکٹھے ہیں مرنے کے بعد بھی ایک ہی جگہ رہیں مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

ہمارے امدادی سلسلۂ عالیہ میں رسمی جانشینی کا طریق نہیں رہا ہے جو جو ہر قابل ہوتا ہے وہ خود ہی باطنی وروحانی صفائی سے مرجع الخلائق بن جاتا ہے، اسکے ساتھ ساتھ چودھری صدیق صاحب کو حضرت عالی نے آپ کے متعلق وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد عبدالقادرؒ کا خیال رکھنا، یہ تمام باتیں آپکی جانشینی پر دال تھیں، پھر بعد میں حالات ایسے بنتے گئے کہ آپ کو سارے زمانہ میں آپکا حقیقی جانشین تسلیم کرلیا گیا۔ لوگوں کے دلوں میں آپکی ایسی محبت ڈال دی گئی تھی کہ اخلاص وللّٰہیت اور بے نفسی وقناعت کا یہ بادشاہ جہاں بھی قیام پذیر ہوتا گاؤں ہو یا شہر، ہندوستان ہو یا پاکستان، محبین ومعتقدین اہل طلب واہل ارادت کا کثیر ہجوم پروانہ وار آپکا احاطہ کئے رہتا۔

حضرت شاہ صاحب رائے پوریؒ کی مقبولیت عامہ نے یہ ثابت کردیا کہ دین اور خلوص وللّٰہیت میں وہ کشش ہیکہ جو بڑے بڑے دنیاداروں، صدر مملکت اور کسی ارب پتی کو حاصل نہیں ہوسکتی۔

یہ بلند رتبہ ملا جس کو مل گیا ☆ ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

یہ مرتبہ کوئی سال دو سال کے مجاہدے و ریاضت کے بعد نہیں ملا بلکہ زندگی کے ایک بڑے حصے کو شیخ عالی کے قدموں پر نچھاور کر کے وہ قافلۂ سالار ٹھہرے۔

یہ پھول مجھے کوئی وراثت میں ملے ہیں ☆ تم نے میرا کانٹوں بھرا بستر نہیں دیکھا

خاکہ در تراشہ

آپ کے یہاں قرآن مجید سے خصوصی شغف اور تلاوت کا بڑا ہی اہتمام تھا، محبت رسول اور صحابۂ کرام سے تعلق ومحبت حد درجہ عیاں تھا، بے نفسی وقناعت، زہد وتوکل، جود و سخا آپ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی، نومسلموں سے خصوصی تعلق وشغف آپ کا امتیاز تھا، حقیقت پسندی کا جوہر، حالات حاضرہ سے باخبری، اسلام کی فکرمندی اور مسلمانوں کیلئے دل سوزی آپکا محبوب مشغلہ تھا۔ سن ۱۹۴۷ء کے حالات قیامت خیز میں مسلمانوں کی سرپرستی اور خاص طور پر ضلع سہارنپور کے مسلم عوام کو ہجرت پاکستان سے باز رکھنا اور خود اپنے قیام کا اعلان کر کے مسلمانوں کو حوصلہ بخشنا اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ ظاہری تدبیر اختیار کرنا، یوپی کے مسلمانوں کا آباد رہنا، یہ آپکا بے مثال عظیم الشان کارنامہ ہے، اس زمانہ میں ہمارے حضرت اسد الہندؒ ''ایم-ایل-اے'' تھے اور اکابر ثلثہ حضرت مدنیؒ، حضرت شیخ زکریاؒ اور حضرت رائے پوریؒ ان کی سرپرستی فرمارہے تھے اور انکے ذریعہ سے ہر ممکن کوشش کرارہے تھے۔ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ جمنا کے کنارے کنارے ایک جانباز کمانڈر کی طرح بندوق لیکر سرفروشانہ خدمات انجام دیتے تھے، اسی وجہ سے ہریانہ پنجاب کی وہ دہکتی آگ جمنا ندی کو پار نہ کر سکی جسکی لپٹ سے ہریانہ پنجاب ایسا اجڑا تھا کہ آج تک بارآور نہ ہوسکا۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

حضرت اقدس آخری مرتبہ پاکستان تشریف لے گئے تو لاہور کے قیام کے دوران

مرض کا شدید حملہ ہوا، غفلت وغنودگی طاری رہی، یہ مرض اپنی آخری منزل پر پڑاؤ چاہتا تھا اسلئے رشد و ہدایت کا یہ چراغ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۶ / اگست ۱۹۸۲ء بروز جمعرات دن کے ساڑھے گیارہ بجے ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا اور اپنے رب حقیقی کی بارگاہ میں اطمنان روحی پا گیا۔ یأیتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ الخ

لاہور شہر میں بجلی کی طرح خبر اڑ گئی، ریڈیو پاکستان نے لاہور سے اس قیامت نما واقعۂ فاجعہ کی اطلاع نشر کی، ازدحامِ کثیر کی وجہ سے چار مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی، عین صبح صادق کے وقت آپ کے جسد خاکی کو باغ جنت کے سپرد کر دیا گیا۔ برد اللہ مضجعہ

آ رہی ہے تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہک رہا ہے

حضرت شیخ زکریا صاحبؒ سے اجازت وخلافت

قیادت، سیادت و ریاضت کے حسین امتزاج کے علمبردار حضرت اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ کو حضرت شیخ الحدیث صاحب بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، حقیقت یہ ہیکہ وہ اسد الہندؒ کے مثالی اخلاق وخدمات، جذبۂ جرأت ایمانی، بے غرضی و بے نفسی سے حد درجہ متاثر تھے، آپ کو خوب علم تھا کہ یہ آب دار موتی شیخ الشیوخ حضرت مدنیؒ اور حضرت اقدس رائے پوریؒ کا تراشیدہ ہے، نیز ادھر سے بھی عقیدت مندی کا یہ جذبہ تھا کہ اپنے ایک ایک اکابر کی خدمت وتوقیر میں کوئی دقیقہ فوت نہیں ہونے دیتے تھے، حضرت مفتی اسجد صاحب قاسمی نگراں شعبۂ دار القرآن دار العلوم دیوبند نے راقم کو نقل کیا کہ اباّ جیؒ ہر جمعہ کو بعد نماز عصر حضرت شیخؒ کی مجلس میں تشریف لے جاتے تھے،

ادھر حضرت شیخ کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کے دن جب تک حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ تشریف نہیں لاتے تھے تب تک مجلس شروع نہیں کرتے تھے۔

صوفی یسین صاحب سجوڑ والے، حافظ محمود صاحب ڈھولا پڑہ والے اور حضرت مولانا محمد عارف صاحب قاسمی صاحبزادۂ اکبر نے یہ بتلایا کہ حضرت شیخؒ نے اباجیؒ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے اجازت عطا کی تھی کہ میں حضرت رائے پوری کی تائید وتوثیق کرتے ہوئے اپنی طرف سے اجازت بیعت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندوں کو خوب اللہ اللہ کرنا سکھلایا کرو۔

الحمد للہ۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

حضرت شیخ زکریاؒ کی طرف سے اس اجازت بیعت دینے پر عادلین شاہدین موجود ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

ذکرِ زکریاؒ اختصار کے آئینے میں

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کاندھلوی سلف صالح علمائے دیوبند میں معروف ہیں۔ ۱۲ فروری ۱۸۹۸ء کو اس دار فانی میں آنکھیں کھولیں اور حیات مستعار کی ۸۵ بہاریں گزار کر ۲۴ مئی ۱۹۸۳ء کو بمقام مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً وعظمۃً میں رحیل بہشت ہوئے۔ آپ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کے فرزند ارجمند اور بانئ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کے بھتیجے ہوتے ہیں۔ آپ کی ابتدائی تعلیم کاندھلے میں ایک نیک صالح بزرگ ڈاکٹر عبدالحئی صاحب کے سامنے قاعدہ بغدادی کے ذریعے ہوئی۔ قرآن کریم کا حفظ اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے پاس گنگوہ میں حضرت قطب عالم

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی زیر نگرانی وسرپرستی میں کیا۔ اسی دوران اردو کے رسائل اور بہشتی زیور وغیرہ اور فارسی کی ابتدائی کتب پڑھی، جن میں سے اکثر مشفق چچا حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے پڑھائی ہیں۔ ۱۲ یا ۱۳ سال کی عمر تک گنگوہ میں قیام رہا۔ عربی تعلیم باقاعدہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں اپنے والد محترم کی زیرِ نگرانی حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب اور محدث کبیر حضرت مولانا خلیل صاحب انبھیٹوی جیسے جبال العلم حضرات شامل ہیں۔ صحاحِ ستہ کی اکثر کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھی اور ۱۳۳۲ھ میں دورۂ حدیث شریف سے سندِ فراغت حاصل فرمائی۔ اسی سال آپ نے حضرت مولانا خلیل صاحب سہارنپوری کے دست تصوف پر تزکیۂ نفس کے لئے بیعت فرمائی۔ ۱۳۳۴ھ میں حضرت مولانا یحییٰ صاحب کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگلے سال ۱۳۳۵ھ میں آپ کا بحیثیت مدرس مظاہر علوم میں تقرر کر لیا گیا اور ۱۵ روپئے تنخواہ متعین فرمائی۔ ۱۳۳۷ھ میں ہدایہ اولین اور ۱۳۴۱ھ میں بخاری شریف ومشکوۃ شریف کے اسباق متعلق ہوئے۔ پھر تا حیات یہ دریا بہتا رہا اور لوگ سیراب ہوتے رہے۔ آپ کا عقد اول حضرت والد محترم کے انتقال کے بعد آپ کی والدہ محترمہ نے مولانا رؤوف الحسن صاحبکی صاحبزادی بی بی امت المتین سے کرایا، مگر بقضائے الٰہی ۱۳۵۵ھ میں ان کا انتقال ہوگیا، اس لئے آپ کا دوسرا عقد نکاح حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی صاحبزادی عطیہ صاحبہ سے کیا گیا۔ اس موقع پر حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ اور سید حسین احمد مدنیؒ موجود تھے، چنانچہ حضرت مدنیؒ نے نکاح پڑھا کر اپنی مستجاب ومقبول دعاؤں سے نوازا۔

سراپا عجز یا الٰہی تیرے در پر آیا ہوں

۱۳۳۸ھ میں حضرت مولانا خلیل صاحب سہارنپوری نے دوبارہ حج کا ارادہ فرمایا تو مرشد اعظم کی ہم رکابی کا جذبہ رفاقت کا سبب بن گیا اور آپ اپنے شیخ کی معیت میں پہلے حج پر تشریف لے گئے۔ یہ مبارک سفر پانی کے جہاز کے ذریعے ہوا راستے ہی میں رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو جہاز ہی پر اپنے مرشد حضرت محدث سہارنپوریؒ کو قرآن سنانے کا اہتمام فرمایا۔ آپ بخیر وخوبی زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوکر خدا کی رحمتوں کو سمیٹتے ہوئے اپنے وطن تشریف لائے۔ حضرت شیخ الحدیث کی تالیفات کی تعداد سو سے بھی زائد ہیں، جن میں سے سب سے زیادہ مقبول اور گھر گھر مسجد مسجد پڑھی جانے والی فضائل اعمال اور فضائل صدقات مقبول کتابیں ہیں۔ اوجز المسالک شرح مؤطاء امام مالک، الکوکب الدری، لامع الدراری، حواشی بذل المجہود، خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، شرح شمائل ترمذی وغیرہ جیسی کتابیں آپ کے نوک قلم کا نایاب وبے مثال کارنامہ ہے۔ اپنے بعد ورثاء میں آپ نے ایک لائق بیٹا حضرت مولانا پیر طلحہ صاحبؒ اور نو بیٹیاں اور بے شمار شاگرد وسالکین چھوڑے ہیں۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ☆ ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی طرف سے اجازت وخلافت

جیسا کہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ حضرت اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے مرشد اول حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ تھے اور انہیں کے زیر نگرانی آپ نے تصوف کے اکثر مراحل طے فرمالئے تھے، مگر آپ ابھی آخری مرحلہ میں تھے کہ حضرت مرشد اول راہی ملک عدم ہوگئے۔

لائی تھی حیات آئے قضا لے چلی چلے ☆ نہ اپنی مرضی آئے تھے نہ اپنی مرضی چلے

حضرت فدائے ملت جانشین شیخ الاسلام مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ احقر کے وطن مادری موضع ماجری نزد قصبہ رامپور منیہاران ضلع سہارنپور ایک جلسہ میں تشریف فرماتھے، تو آپنے وہاں یہ اعلان فرمایا کہ والد محترم حضرت شیخ الاسلامؒ میرے خواب میں تشریف لائے تھے اور یہ فرمایا کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب کی ہمارے ذمہ ایک امانت ہے اس کو میری جانب سے تم ادا کردو، چنانچہ میں اس مجمع عام میں حضرت والد محترم صاحب کے حکم کے مطابق انکی طرف سے مولانا زاہد حسن صاحبؒ کو اجازت بیعت دیتا ہوں اور تاکید کے طور پر یہ بات تین مرتبہ فرمائی، یوں عالم برزخ سے بواسطہ حضرت فدائے ملت یہ خلعت خلافت حضرت اسد الہندؒ کے پاس پہنچی۔ ع

صحن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

یوں تصوف کے اعلیٰ ترین سیاروں کے نور اخلاص سے یہ ستارہ منور ہوکر ملت ہند کے افق پر اس طرح چمکا کہ جدھر سے گذر گیا تاریخ مرتب کرگیا۔ ع

جو کانٹوں میں کھلتا ہے شعلوں میں پلتا ہے
وہی پھول گلشن کی تاریخ بدلتا ہے

جانشین شیخ الاسلام فدائے ملت ایک جھلک میں

نام گرامی: مولانا سید اسعد مدنی

والد ماجد: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سابق شیخ الحدیث از ہر ہند دار العلوم دیوبند

روز ولادت: جمعہ ۶۔ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ م ۲۷۔ اپریل ۱۹۲۸ء

آپ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب سے دس سال چھوٹے تھے، آپکی تمام تعلیم و تربیت حضرت اسدالہند کے سامنے ہوئی، حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کا تعلق اپنے استاذ ومرشد سے گھریلو تھا اسلئے حضرت فدائے ملت حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کا بڑا احترام فرماتے تھے۔

تعلیم:

بالکل ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی جو ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں وفات پاگئی، اس وقت مولانا سید اسعد مدنی صاحب نو سال کے تھے، والد محترم سے بھی ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر اسکے بعد حضرت شیخ الاسلام کے خادم خاص قاری اصغر علی سہسپوری نے آپ کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سنبھالی، اس کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ساری تعلیمی منازل عبور کر کے ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نے حضرت شیخ الاسلام کے حکم سے ''ایم-ایل-اے'' کا الیکشن لڑکر کانگریس کے پلیٹ فارم سے کامیابی حاصل کی تھی۔

دارالعلوم سے تحصیل علم کے بعد آپ مدینۃ المنورہ تشریف لے گئے اور ایک عرصہ وہاں کی پرنور فضاؤں میں گذار کر واپس تشریف لائے ۲۸۔شوال ۱۳۷۰ھ م ۵ جولائی ۱۹۵۱ء کو آپکا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوگیا، آپ کی تدریس کا یہ مبارک سلسلہ ۱۳۸۲ھ م ۱۹۶۲ء تک جاری وساری رہا، اسکے بعد قومی، ملی وملکی اور سماجی خدمات کی مشغولیات کے پیش نظر آپ دارالعلوم کی تدریس سے مستعفی ہوگئے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات کے بعد جن شخصیات کو آپ اپنا مخلص سمجھتے تھے اور

جن کی رفاقت ومحبت میں آپ نے اپنی قیادت میں نکھار پیدا کیا ان میں سرفہرست حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کا اسم گرامی ہے۔

چنانچہ ۱۹۶۰ء میں آپ جمعیۃ العلماء صوبہ اتر پردیش کے صدر منتخب ہوئے ۱۹۶۳ء کو جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی منتخب ہوئے، ۱۹۷۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر قرار پائے، ۱۹۸۲ء میں آپ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے، آپ تاحیات مسلم پرسنل لابورڈ کے رکن تاسیسی رہے۔

اسفار: حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ نے دنیا کے کونے کونے کا سفر کیا ہے، ایک بار نہیں کئی کئی بار ایک ایک جگہ گئے ہیں، ذرائع ابلاغ کے مطابق برصغیر کا کوئی عالم، داعی یا قائد سفر میں آپ کی ہمسری نہ کرسکا، اخبار نویسوں کے مطابق آپنے اپنی زندگی کا حصہ گھر پر کم اور سفر پر زیادہ گذارا ہے۔

مرض الموت: ۱۴۲۵ھ میں آپ کعبہ مشرفہ کے غسل کے موقع پر سعودی عرب کی دعوت پر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے جہاں حج اور زیارت سے شرف یاب ہوئے، مدینۃ المنورہ میں قیام کے دوران آپ سخت بیمار ہوگئے، وہاں ایک علاج گھر میں داخل کئے گئے، ذرا شفا یاب ہوئے تو وطن تشریف فرما ہوگئے اور دہلی اپولو ہسپتال میں زیر علاج رہے، صحت یاب ہوکر دیوبند تشریف لے آئے مگر صحت کی قدرتی حالت بحال نہ ہوسکی۔

حادثۂ رحلت: ۵ر نومبر ۲۰۰۵ء م ۲ شوال ۱۴۲۶ھ کو آپ ویل چیئر پر دارالعلوم کی مسجد رشید سے گھر آتے ہوئے اس سے پھسل گئے اور سر زخمی ہوگیا، دماغ کی نسیں ناکارہ ہوگئیں، آپ کو فوراً دہلی اپولو ہوسپٹل میں داخل کرایا گیا، جہاں اعلیٰ سے اعلیٰ علاج کیا گیا مگر ساری تدبیریں بے اثر ثابت ہوئیں، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، مسلسل تین ماہ تک بیہوش رہے، بالآخر بروز دوشنبہ ۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ م ۷ فروری

۲۰۰۶ء شام کو پانچ بجکر پینتیس منٹ پر رحیل آخرت ہوگئے۔ انا للہ وانا للہ الیہ راجعون ۸/فروری ۲۰۰۶ء کوصبح تقریبا آٹھ بجے آپ کی نماز جناز احاطۂ دارالعلوم میں ایک لاکھ سے زائد علماء ومشائخ اور عام مسلمانوں نے ادا کی، اور مقبرہ قاسمیہ دیوبند میں سپردخاک ہوئے، راقم الحروف اسوقت دارالعلوم میں سال پنجم عربی کا طالب علم تھا میری آنکھوں نے آدم زادوں کا اتنا بڑا ہجوم پہلی بار دیکھا تھا، ع

کہ ایک لمحہ کی اجازت بھی نہیں ملنے والی
موت آتی ہے تو دستک بھی کہاں دیتی ہے

حضرت مولانا خلیل امینی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ میں مردِ ہوشیار کی ذہانت، قائد کی دوررسی، سپہ سالار کی جرأت، عالم کا وقار، داعی کی حکمت عملی، سیاستداں کی سمجھداری، سپاہی کی خبرداری، مصلح کے فکرمندی، برسرجنگ سالارلشکر کی احساس ذمہ داری، مثالی عبادت گزار کا انہماک، پیدائشی فیاض وسخی کی کشادہ دلی اور ہمہ جہت مقابلہ کی صلاحیت رکھنے والے محاسب کی چوکسی وبیداری تھی۔ ع

کیا کیا حسیں صبح حسیں شام آئیگی
لیکن ہماری یاد بھلائی نہ جائیگی

حضرت اسدالہندؒ اور معمولات کی پابندی

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ اپنے معمولات بڑی پابندی سے پورے فرمایا کرتے تھے، آپ ذکر الٰہی اتنی کثرت سے کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی، بسااوقات سوتے سوتے بھی آپ کی زبان پر ذکر جاری رہتا تھا۔ آپ کے روزانہ کے معمولات میں قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ دلائل الخیرات، حزب البحر اور

اورادفتحیہ بھی صبح وشام پڑھتے تھے، رمضان میں تلاوت اس قدر کرتے تھے کہ یومیہ ایک قرآن کریم مکمل فرمالیتے تھے، اللہ اکبر

حضرت اسدالہندؒ اور اتباعِ سنت کا اہتمام

حضرت اسدالہندؒ اتباع سنت کا خوب اہتمام فرماتے تھے اسی وجہ سے آپکو یہ بلند مراتب حاصل ہوئے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

کسی کی ولایت، کسی کی بزرگیت، کسی کی مقبولیت، اتباع سنت واتباع رسول کے بغیر معتبر نہیں ہوسکتی، خلاف سنت عمل کرنے والا کبھی بھی ولیٔ خدا، پیرمغاں نہیں ہوسکتا۔

حضرت اسدالہندؒ فرمایا کرتے تھے کہ عنداللہ مقبولیت کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع لازم وضروری ہے۔ اگر کسی بھی پہلو سے سنت رسول اللہ کا دامن چھوٹ جاتا ہے تو وہ عنداللہ مقبول نہیں ہوسکتا، اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ بات متفقہ طور پر مسلم ہے کہ، نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابۂ کرام کو یہی تعلیم و نظریہ پیش فرمایا ہے، چنانچہ حضرات صحابۂ کرامؓ کی زندگیاں اور ان کے حالات اسی اصول کے شواہد اور داعی ہیں، یہاں تک کہ عبادات بھی اگر مطابق سنت رسول ہیں تو مقبول ہیں ورنہ مردود ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح میں بیہقی کے حوالہ سے یہ روایت منقول ہے کہ حضور پرنور ﷺ ایک مرتبہ وضو فرمارہے تھے اور جسد اطہر ﷺ سے جو پانی بہ کر نیچے گررہا تھا تو صحابۂ کرامؓ اس پانی کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور اپنے جسم پر مل لیتے تھے، یہ صورت حال مشاہدہ

فرما کر حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ تم لوگ ایسا کیوں کر رہے ہو تو جواب میں عرض کیا گیا، **حباً للّٰہ و رسولہ**، اللہ اور اسکے رسول کی محبت میں ایسا کر رہے ہیں تو رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اور رسول کے ساتھ تمہاری محبت اسوقت معتبر ہوگی جب زبان سے سچ بولو گے، امانت میں خیانت نہیں کرو گے، اور پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دو گے۔

توجہ فرمائیں مذکورہ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی محبت کا معیار کیا بتلایا ہے کہ اگر تمہارے پڑوسی تمہاری بداخلاقی و معاملات سے پریشان ہیں یا تم خیانت میں مبتلا ہو یا جھوٹ کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے تو پھر تم اپنے دعوۂ محبت وعشق میں صادق نہیں ہو۔

اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ زندگی کے ہر شعبہ میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع ضروری ولازم ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا: ''**من رغب عن سنتی فلیس منی**'' کہ جس شخص نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے یعنی میری امت میں سے نہیں ہے پس معلوم ہو گیا کہ اتباع سنت کے بغیر کوئی شخص کامل نہیں ہوسکتا۔

اسٹیشن والی مسجد کا واقعہ

بیہٹ جامع مسجد کے سابق امام صاحب ایک روز حضرت کے ساتھ تھے، انکا بیان ہیکہ میں حضرت کے ساتھ سہارنپور اسٹیشن والی مسجد میں تھا تو نماز کے بعد حضرت تھوڑی دیر لیٹ گئے، میں برابر میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ حضرت سو گئے ہیں، مگر ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کی آواز جاری ہے، میں نے یہ منظر خوب اطمنان کے ساتھ ملاحظہ کیا ہے۔

حافظ صادق صاحب الماجری کی روایت

حکیم حافظ محمد صادق صاحب ماجری والوں نے احقر کو بتلایا کہ ہماری جماعت حاجی پور گاؤں کی مسجد میں تھی اور یہ ۱۹۷۸ء کے الیکشن کا زمانہ تھا کہ حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے، لوگ ملاقات کیلئے حاضر ہو رہے تھے تو آپ بعض حضرات سے الیکشن کے حالات کے متعلق دریافت فرماتے لیکن زبان پر کلمہ واستغفار برابر جاری تھا۔ پھر فرمایا کہ میں استغفار اسلئے پڑھ رہا ہوں تا کہ مسجد میں بات کرنیکی تلافی ہو جائے، اللہ اکبر کیا تقویٰ کی بات ہے، ہم لوگوں کو تو اس بات کا خیال تک نہیں آتا ہے کہ مسجد میں کوئی بات کرنے کے بعد استغفار بھی کرنا چاہئے۔

یومیہ معمولات

روزانہ قرآنِ کریم کی تلاوت بلاناغہ اور رمضان شریف میں یومیہ ایک مکمل قرآنِ کریم ختم فرماتے تھے۔

روزانہ صبح۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جواہر خمسہ اور دلائل الخیرات بلاناغہ

شام بعد نماز مغرب۔۔۔۔۔۔۔۔۔حزب البحر سفر وحضر میں بلاناغہ

پاک انفاس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یومیہ تقریباً سوا لاکھ

اعتکاف

آپ ہر سال چالیس روز کا اعتکاف فرماتے تھے، دس دن رمضان سے قبل اور رمضان شریف مکمل، یہ اعتکاف کبھی اپنی مسجد اور کبھی دبکورہ (بیہٹ کے مغربی سمت میں ایک مسلم گوجروں کا گاؤں ہے) کی جامع مسجد میں ہوتا تھا۔ آپ دوران اعتکاف لوگوں

سے ملاقاتیں بہت کم کرتے تھے، دن رات کثرت سے ذکر و اذکار و عبادات میں مشغول رہتے تھے۔

پھر آپ نے آخری عشرہ کا اعتکاف خانقاہ دیوبند میں حضرت فدائے ملت کے ساتھ شروع فرما دیا، جسکی وجہ سے علاقہ کے لوگوں کو بڑا فائدہ ہوا اور یہ معمول پھر آخری دم تک جاری رہا، آپکی نسبت سے ہزاروں لوگ خانقاہ دیوبند سے مربوط ہوئے اور آپکی راہنمائی میں انہوں نے اپنی آخرت والی زندگی سنواری جو یقیناً آپکے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔

اسفارِ حج

سکون قلب کی خاطر تیرے کوچہ میں آئے تھے
تمہیں اپنا بنائیں گے یہ سوچ کر مسکرائے تھے
ان آنکھوں نے دن رات انتظار کا کرب دیکھا ہے
دل میں بھی کسی کی یاد نے کانٹیں چھپائے تھے

آپنے پہلا سفر حرم مقدس کا ۱۹۵۱ء میں کیا۔ آپ کے ہمراہ راقم الحروف کے گاؤں ناتی نگلی عرف ماجری سے حاجی جانثار صاحب اور انکی اہلیہ محترمہ تھی، یہ مبارک سفر اپنی تمام سعادتوں اور برکتوں و انوارات کے ساتھ بخیر وخوبی مکمل ہوا۔ دوسرا سفر حج آپنے ۱۹۵۷ء میں کیا، اس مرتبہ آپکے ہمراہی مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہارویؒ تھے۔

اس سفر میں حضرت مولانا سید محمود صاحب مدنی برادر اکبر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے باغ کیلئے دو مورے لے کر گئے، جبکہ قانونی پابندی حائل تھی مگر وفاداری

کا جذبہ بھی عجیب ہوتا ہے، عاشق اور وفادار دوست دونوں ایک ہی راہ کے راہی ہوتے ہیں، حالات انکے قدم نہیں روک سکتے۔ آپ عشق الٰہی سے مامور ہوکر اس زمانہ میں، جس زمانہ میں سفر حج نہایت ہی صعوبتوں بھرا ہوتا تھا، سات مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے، انہوں نے آخری حج یعنی ساتواں ۱۹۶۸ء میں کیا اور آٹھویں حج کیلئے عازم تھے کہ اجل نے چھٹکارا نہ دیا۔

ایک درویش کی پیشین گوئی

حضرت مولانا محمد عارف صاحب نے روایت کیا کہ اباجیؒ بچپن میں اپنے دادا جان کے ساتھ سرساوہ مخدوم شاہ میں تھے، اور ان دنوں مخدوم شاہ صاحب کے مزار پر میلہ لگا ہوا تھا، وہاں پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک درویش گھوم رہا تھا، اس نے اباجیؒ (مولانا زاہد حسن صاحب) کو دیکھ کر دادا جان کو کہا کہ بڑے میاں تیرا یہ پوتا سات حج کرے گا، خدا کا کرنا ایسا ہی ہوا کہ اس درویش کی پیشین گوئی صادق ثابت ہوئی کہ اباجی نے سات حج کئے اور آٹھویں حج کی درخواست دے دی تھی۔ مولانا عارف صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز از راہ دل لگی میں نے اباجی کو کہا کہ اس درویش کی پیشین گوئی تو غلط ثابت ہوگئی کہ آپ سات حج کروگے، اب تو آپ آٹھویں حج کی درخواست دے چکے ہو، اباجی اس بات پر مسکرائے خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ میں آپ اچانک رحیل آخرت ہوگئے، (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور آٹھواں حج نہ فرما سکے پس اس طرح اس درویش کی پیشنگوئی صادق ہوگئی۔ کسی نے سچ کہا ''قلندر گوید دیدہ گوید'' اسفار حج کی تمام تر تفصیلات احقر کو حاصل نہ ہوسکی، کیوں کہ ان کے اکثر مندوبین و معاصرین حضرات اسی راہ کے مسافر ہوگئے، جس راہ پر سب کو جانا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ

چھانے ہیں پائے محبت نے بیاباں کیا کیا
پار تلووں سے ہوئے خار مغیلاں کیا کیا
وحشی نے تیرے خاک اڑائی یہاں تلک
ملتا نہیں ہے زمیں کا پتہ آسماں تلک

سفر حج ان متبرک مقامات کی زیارت کا ذریعہ ہے جہاں ہزاروں عشاق نے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنی جان درِ معشوق پر فدا کر دی۔ حج اس عبادت کی یادگار ہے، جو حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک جاری وساری ہے۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے حضور پرُنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ حاجی کی کیا شان ہونی چاہئے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بکھرے ہوئے بالوں والا اور میلا کچیلا ہو۔ دوسرے صحابی نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کون سا افضل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس میں خوب چلنا ہو لبیک کے ساتھ اور خوب خون بہانا ہو یعنی قربانی کرنا ہو۔ (مشکوۃ شریف)

ہمارے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ بھی بالکل سادگی اور مختصر زادِ راہ کے ساتھ سفر حج فرماتے تھے، یہی عشاقانہ حال ان پر طاری رہتا تھا کہ

اجازت ہو تو آ کر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں
سُنا ہے کہ کل تیرے در پر ہجوم عاشقاں ہوگا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد حضرت ابن عمرؓ نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کی سفارش میرے لئے واجب ہے۔

(رواہ البزار)

اس طرح کے فضائل پر کثیر احادیث منقول ہیں، اسی بنا پر یہ اہل دل حضرات تڑپ تڑپ کر درِ معشوق پر جاتے ہیں اور زبانِ حال وقال سے کہتے ہیں

دردِ دل دور سے ہم سنائیں کیوں کر
ڈاک میں بھیج دیں آہوں کی صدائیں کیوں کر

حضرت اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ جب مدینہ منورہ حاضر ہوتے تو آپ پر ایک قسم کا حال چھایا رہتا تھا، ذرا سی بھی تنہائی ہوتی تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہو جاتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ایک صاحب حال مگر قابو یافتہ بزرگ تھے۔

گرا کر چار آنسو حال دل سب کہہ دیا ان سے
دیا مجھ کو زباں کا کام چشم خوں فشاں تو نے

پانچواں باب

کرامت الاولیاء حق

اہل سنت والجماعت جس طرح انبیاء کرام علیہ السلام کے معجزات کو برحق مانتے ہیں اسی طرح انکا یہ بھی عقیدہ ہیکہ اولیاء کرام کی کرامات بھی برحق ہیں۔

جوخرق عادت کام کسی نبی یا رسول کے دست حق پرست پر ظاہر ہو وہ معجزہ کہلاتا ہے اور جو کسی ولی اللہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو اسکو کرامت کہا جاتا ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ الفقہ الاکبر میں فرماتے ہیں: والآیات للأنبیاء والکرامات للأولیاء حق۔

ترجمہ: حضرات أنبیاء علیہم السلام کے نشانات ومعجزات اور اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں۔

ملاعلی قاریؒ اسکی شرح میں رقم طراز ہیں:

والآیات أی خوارق العادات المسماة بالمعجزات للأنبیاء والکرامات للأولیاء حق أی ثابت بالکتاب والسنة ولا عبرة بمخالفة المعتزلة وأهل البدعة فی انکار الکرامة الخ (شرح فقه اکبر ۹۵)

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی آیات یعنی کہ خرق عادت امور جن کو معجزات کہا جاتا ہے اور اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں اور معتزلہ و اہل بدعت جو کرامات کے منکر ہیں انکی مخالفت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

امام طحاویؒ اپنے عقیدہ میں لکھتے ہیں:

ونؤمن بما جاء من کرامة وصح عن الثقات من رواتهم۔

ترجمہ: اولیاء کرام کی کرامات کے جو واقعات منقول ہیں اور ثقہ راویوں کی روایات سے صحیح ثابت ہیں ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔

عقیدۂ نسفیہ میں اولیاء اللہ کی کرامات کی مثالیں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

و کرامات الأولیاء حق وتظهر الکرامة علی طریق نقض العادة للولی من قطع المسافة البعیدة فی المدة القلیلة وظهور الطعام والشرب واللباس عند الحاجة والمشی علی الماء والطیران فی الهواء وکلام الجماد والعجماء واندفاع المتوجه من البلاء وکفایة المهمّ عن الأعداء وغیر ذالك من الأشیاء۔

(شرح نسفی، ص۱۴۴)

ترجمہ: اولیاء عظام کی کرامتیں برحق ہیں پس ولیٔ خدا کیلئے بطور خرق عادت کے کرامت ظاہر ہوتی ہے مثلاً قلیل مدت میں طویل مسافت طے کرلینا، بوقت ضرورت غیب سے کھانے پینے اور لباس کا ظاہر ہوجانا، پانی پر چلنا، ہوا میں اُڑنا، جمادات وحیوانات کا گفتگو کرنا، آنیوالی مصیبت کا ٹل جانا، دشمنوں کے مقابلہ مہمات کا کافی ہوجانا وغیرہ وغیرہ۔

پس معلوم ہوا کہ کرامات اولیاء برحق ہیں اور انکا منکر راہ حق سے دور ہے مگر اسکا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ اگر کسی کے ہاتھ پر کوئی کرامت ظاہر نہ ہوتو وہ ولی نہیں ہوسکتا، کرامت ولایت کیلئے لازم نہیں ہے بلکہ مشیت الٰہی پر موقوف ہے، ہاں اگر ہوجائے تو اسکا انکار بدعت وگمراہی ہے، کامل ہونے کیلئے اصل چیز اتباع سنت ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اسکے زور بازو کا
نگاہ مردمؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ہمارے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ بھی ان باکمال اولیائے کرام میں سے تھے، جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے بارہا کرامت کا ظہور فرمایا ہے۔ نمونے کے طور پر چند واقعات ذکر کئے جاتے ہیں:

حاجی کرم الٰہی کیرانوی کا واقعہ

جناب حضرت حاجی کرم الٰہی صاحب کیرانوی جو صاحبزادۂ محترم حضرت مفتی طیب صاحبؒ کی اہلیہ کے دادا ہوتے ہیں، ایک مرتبہ شدید بیمار تھے، سردی کا زمانہ تھا مکان کا دروازہ اندر سے بند تھا، حاجی صاحب بین النوم والیقظہ (اونگھ) تھے، کہ اچانک حضرت اسد الہندؒ نمودار ہوئے اور کچھ پڑھکر حضرت حاجی صاحب کے اوپر دم کیا اور چلے گئے، بغور دیکھا مگر نظر نہ آئے، اُٹھ کر دروازہ دیکھا تو دروازہ بھی بدستور بند تھا، کنڈہ لگا ہوا تھا، آکر اپنی جگہ بیٹھے تو صحت میں افاقہ محسوس ہوا، پھر الحمد للہ ایک دو روز میں بالکل تندرست ہوگئے، چنانچہ کچھ دنوں کے بعد حضرت اسد الہندؒ کیرانہ گئے، حاجی صاحب سے ملاقات پر خیریت معلوم کی تو حاجی کرم الٰہی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اس روز سے آپنے دم کیا تھا بالکل تندرست ہوں، حضرت مولانا نے فرمایا کہ حاجی صاحب خواب وخیال کی باتیں ہیں انکی طرف توجہ نہیں دیا کرتے اور حاجی صاحب کو دیگر باتوں میں مشغول کردیا۔

حافظ منظور صاحبؒ کا واقعہ

جناب حافظ منظور صاحب ٹوڈر پور والے بڑے نیک صالح متقی شخص تھے اور

ہمارے حضرت ممدوحؒ کے خلیفہ بھی تھے، وہ ایک مرتبہ درد کی وجہ سے شدید پریشان تھے کہ اچانک اونگھ سی آئی تو دیکھا کہ حضرت تشریف لائے اور فرمایا حافظ صاحب کیا حال ہیں؟ حافظ صاحب نے کہا کہ حضرت آپ کے بعد تو ہم بہت پریشان ہیں، فرمایا کہ بھائی کیا ہوا؟ کہا کہ شدید درد ہے، اسکے بعد حضرتؒ نے موضع درد پر ہاتھ پھیرا تو فوراً درد ختم ہوگیا، اسکے بعد حافظ صاحب کی آنکھ کھل گئی تو آنسو رخسار پر جاری تھے، یہ واقعہ آپ کے انتقال کے کچھ دنوں بعد کا ہے۔

گوشت کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرتؒ کے گھر کچھ گوشت بھیج دیا، تھوڑی دیر کے بعد حضرت گھر تشریف لائے تو گوشت پر نظر پڑتے ہی فرمایا کہ یہ گوشت کہاں سے آیا ہے؟ کہا کہ فلاں شخص دیکر گیا ہے، فرمایا کہ اسکو باہر ڈلوادو! چنانچہ حکم کے مطابق باہر ایک طرف ڈال دیا گیا، کہتے ہیں کہ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ چوری کے بکرے کا گوشت تھا، اس طرح اللہ اپنے بندوں کو حرام مال کھانے سے بچالیتا ہے۔ واللہ نعم الوکیل

ایک مرید سے مصافحہ نہ کرنیکا واقعہ

ایک شخص جو آپ سے بیعت وارشاد کا تعلق رکھتا تھا حاضر خدمت ہوا، اسنے مصافحہ کرنا چاہا مگر آپنے مصافحہ کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا، اس نے پھر مصافحہ کرنیکی کوشش کی تو فرمایا کہ نالائق گناہ کرکے آیا ہے اور مصافحہ کرتا ہے، شرم نہیں آتی! اسکے بعد وہ فوراً مسجد میں گیا اور توبہ واستغفار کے بعد حاضر ہوا، چنانچہ آپ نے مصافحہ کرلیا، اس شخص نے بعد میں پھر خود اقرار کیا کہ واقعی اس وقت میں ایک گناہ کرکے آیا تھا جو حضرت پر منکشف ہوگیا تھا۔

تنبیہ: اہل اللہ کی خدمت میں جب کبھی حاضری کا ارادہ ہوتو توبہ واستغفار کر کے جانا چاہئے، ان کا نور باطن اسقدر تیز ہوتا ہیکہ سامنے والے کے احوال اس میں منعکس ہوجاتے ہیں، اسی لئے ہی اہل اللہ کو جواسیس القلوب فرمایا گیا ہے۔

راجستھان کے ایک صاحب کا واقعہ

راجستھان کے ایک صاحب جو حضرت فدائے ملت سے بیعت تھے دیوبند اعتکاف سے واپس جارہے تھے، حضرت اسد الہندؒ بھی آخری عشرہ کا اعتکاف دیوبند میں ہی فرمایا کرتے تھے، حضرت اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے اس شخص سے معلوم کیا کہ بھائی کیوں واپس جارہے ہو؟ تو اس نے عرض کیا کہ حضرت بات یہ ہیکہ میں تیس سال سے دھکے کھارہا ہوں، میرا قلب جاری نہیں ہوتا، مجھے مایوسی ہوگئی ہے تو اب میں یہاں کیا کروں گا؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور اسکی کمر پر دونوں شانوں کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا، چندمنٹ میں ہی اسکا قلب جاری ہوگیا، سبحان اللہ تیس سال کی محنت مرد درویش کی ایک توجہ سے بارآور ہوگئی، اسلئے کہا گیا ہے: ع

یک ساعتِ صحبت با اَولیاء
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

ولی خدا کی ایک منٹ کی صحبت سو سال کی نفلی عبادت سے بہتر ہے،۔

چلھولی کے ایک حافظ صاحب کا واقعہ

چلھولی ایک گاؤں ہے قصبہ نانگل ضلع سہارنپور میں اس گاؤں کے ایک نابینا حافظ صاحب تھے، انکا قلب بھی جاری نہیں ہوتا تھا، انہوں نے بھی حضرت اسد الہندؒ مولانا زاہد حسنؒ سے ذکر کیا کہ حضرت میرا قلب بھی جاری نہیں ہوتا ہے، میں مدتوں سے ذکرو

اذکار میں لگا ہوا ہوں تو حضرت والا نے ان کے اوپر اپنا ہاتھ پھیرا تو انکا قلب بھی فوراً جاری ہوگیا۔: ع

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہوئی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

کسرِ نفسی اور انکساری

حضرت اسد الہندؒ میں عاجزی وانکساری، شفقت ومحبت حددرجہ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی آپ دینی و دنیوی مراتبکے باوجود خود کو ممتاز نہیں سمجھتے تھے، گویا کہ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہروقت آپ کے پیش نظر رہتا تھا۔

من تواضع لله رفعه الله فهو في نفسه صغير و في أعين الناس عظيم (حدیث)

ترجمہ: جو بندہ اللہ کے لئے تواضع وانکساری اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے، وہ اپنی ذات میں چھوٹا اور لوگوں کی آنکھ میں صاحب رتبہ ہوتا ہے۔

راقم یالحروف کے والد محترم کی حکایت

آپ اپنے معاصرین بلکہ چھوٹوں کا بھی بہت احترام فرماتے تھے راقم الحروف کے والد محترم جناب الحاج صوفی جمیل صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ہماری جماعت چورہ خورد سے حضرت کے گاؤں ابراہیمی پیدل آرہی تھی، ادھر سے حضرت اپنی گھوڑی پر دمجھیڑا مدرسہ میں جارہے تھے، راستے میں ملاقات ہوئی، حضرت والا نے رک کر ملاقات کی اور دعاؤں سے نوازہ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ آپ چلو میں بھی انشاء اللہ

مدرسہ میں ہوکر آرہا ہوں۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مغرب کے بعد تشریف لائے اورعشاء کی نماز کے لئے جب مسجد میں آئے تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت ہم نے گشت کرلیا ہے نماز کے بعد آپ بیان فرمادیں ہماری جماعت میں کوئی بات یا تقریر کرنے والا نہیں ہے، تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی نہیں تم ہی اپنا سبق سناؤ وہی چھ نمبر جو آپ اور جگہ سناتے آرہے ہو اور میری کمر پر ہاتھ پھیر کر حوصلہ افزائی فرمائی، خیر بعد نماز میں اللہ کا نام لیکر چھ نمبر سنانے کھڑا ہوگیا اور میری آنکھیں حضرت کو تلاش کرنے لگی مگر مجھے نظر نہ آئے تو میں نے سمجھا کہ حضرت گھر چلے گئے اب میں نے بالکل بے فکری کے ساتھ خوب کھل کر بات وتشکیل کی اور دعاء بھی کرادی، جب فارغ ہوئے تو حضرت والا نے میری کمر پر تھپکی دیکر فرمایا کہ بھائی ماشاء اللہ بہت اچھی بات کی، تو میں نے اچانک دیکھا کہ حضرت چادر میں منھ لپیٹ کر میری برابر میں پیچھے کی طرف تشریف فرما تھے، میں نے گھبرا کر کہا کہ حضرت جو غلطی ہوئی ہو تو اصلاح فرمادیں، حضرت نے فرمایا کوئی نہیں بہت اچھی بات کی اور حوصلہ افزائی کرنے کیلئے اپنے بیٹے مفتی طیب صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ بھائی بولتے بولتے مقرر بنجا، اسکے بعد گھر سے چائے منگوائی اور سارے ساتھیوں کو پلوائی۔ یوں حضرت اپنے چھوٹوں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتے تھے اور سب کے ساتھ مل کر رہتے تھے، کسی جگہ اپنے آپ کو ممتاز کرنے کی کوشش نہیں فرماتے تھے۔

لوگ آپکی اس ادائے مشفقانہ کو نہیں بھولتے تھے۔ آج ایک لمبا زمانہ بیت جانے کے بعد بھی لوگ انکے اخلاق ومحبت کے اسیر نظر آتے ہیں، جس سے پوچھو وہ یہی کہتا ہے کہ ایسا شخص تو زندگی میں پھر ملا ہی نہیں وہ اپنے دوستوں اور متعلقین کو بڑی شفقت و محبت سے نبھانا جانتے تھے۔

منشی عبدالوحید صاحب کا واقعہ

منشی عبدالوحید صاحب پٹھیڑ والے انکے دوست تھے اور مدرسہ سراج العلوم مجھیڑہ میں پڑھاتے بھی تھے، وہ ایک مرتبہ کسی بات کو لیکر مولاناؒ سے ناراض ہوگئے اور ہفتوں تک حضرت سے ملاقات نہیں کی، بالآخر ایک روز حضرت نے ان سے ملاقات فرمائی اور فرمایا کہ منشی جی میرے اندر بہت ساری کمی اور کمزوری ہیں اگر آپ میرے دوست ہوکر ان کو نہیں نبھاؤ گے، تو کیا میرے دشمن میری کمزوری برداشت کریں گے، منشی جی فرماتے تھے کہ میں حضرت والا کی اس بات سے پانی پانی ہوگیا اور مجھے احساس ہوا کہ میں نے شدید کوتاہی کی ہے، منشی عبدالوحید صاحب جب کبھی اس واقعہ کو بیان کرتے تھے تو زاروقطار روتے تھے۔

تالے کا واقعہ

حضرت مولاناؒ کے سفر وحضر میں ساتھ رہنے والے منشی عبدالوحید خاں صاحب اپنا ایک واقعہ اور بیان کرتے ہیں کہ میں اور مولانا زاہد حسن صاحبؒ ایم-ایل-اے صاحب دونوں ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے کمرہ میں ایک الماری تھی اس پر تالا لگا ہوا تھا الماری کے اندر کوئی چیز رکھی ہوئی تھی اور تالے کی چابی گم ہوگئی اس وجہ سے میں بہت پریشان تھا منشی عبدالوحید کہتے ہیں میں نے کہا جی کہ حضرت میں تو اس تالے کو توڑوں گا، منشی جی کہتے ہیں کہ مولانا نے اس تالے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا، نہ میرا ہاتھ لگا اور نہ حضرت مولاناؒ کا، تالا کھل کر نیچے گر گیا، لیکن چونکہ مولانا بڑے عجیب وغریب انسان تھے، فرمایا منشی جی اس بات کو راز میں رکھنا، کسی کو مت بتانا، یہ میرے اور آپ کے درمیان راز ہے، منشی جی کہتے ہیں کہ میں نے مولانا کی اس بات کو مولانا کی وفات

کے دس سال بعد ظاہر کیا

راقم الحروف نے یہ واقعہ مولوی جابر صاحب کی تحریر سے نقل کیا ہے مولوی جابر صاحب و مفتی محمد اسجد الحسینی صاحب ۱۸/رجب سنہ ۱۴۲۰ھ بروز جمعہ کو منشی جی کے گھر گئے ہوئے تھے، وہاں پر حضرت منشی جی نے یہ واقعہ سنایا تھا

تصوف میں حضرت شیخ زکریاؒ کے نزدیک آپ کا مقام و مرتبہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد عارف صاحب زاہدی دامت برکاتہم کے ساتھ حضرت الشیخ مفتی عبدالغنی صاحب الشاشی ازہری دامت فیوضہم کی خدمت میں حاضری ہوئی دوران گفتگو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تصوف میں بڑا اونچا مقام تھا۔ جب حضرت شیخ الحدیث شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ ہجرت کے ارادہ سے مدینۃ المنورہ جانے لگے تو ایک روز حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے ساتھ میں بھی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت شیخ زکریا صاحبؒ نے حضرت مولانا زاہد حسن صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مولانا میرا ارادہ اب مدینۃ المنورہ میں مستقل قیام کرنے کا ہے اس لئے خانقاہ خلیلیہ کو اب آپ سنبھال لیجئے اور آپ مستقل یہاں قیام فرمالیجئے۔ تو حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت میں ایک جگہ بیٹھ کر کام نہیں کرسکتا میرے سامنے میری قوم ہے مجھے چل پھر کر ہی کام کرنا ہوگا

آپؒ کا نشانہ بھی خوب تھا

آپ مجاہدین آزادی کے اس باعظمت گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، جن کے مبارک ہاتھوں پر صدیوں کی یہ خوں آلود تحریک بارآور ہوئی ہے، اسلئے آپ بندوق چلانا خوب

جانتے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ کے پاس لائسنس کی بندوق موجود تھی۔ انتقال سے دو تین روز پہلے آپ کے منجھلے صاحبزادے مفتی محمد طیب صاحب کبوتر کا شکار کر رہے تھے تو اچانک حضرت تشریف لے آئے، فرمایا لاؤ ادھر بندوق بڑے نشانے باز بنے پھرتے ہو اور بندوق لیکر کبوتر کا نشانہ لیا بس دوسرے ہی پل شکار زمین پر تڑپنے لگا۔

گھاٹم پور میں گھوڑے کو جھاڑنا

موضع گھاٹم پور نزد گنگوہ میں ایک شخص گھوڑا بگی چلاتا تھا مگر اس کا گھوڑا اہٹ مارتا تھا اس کے اس عیب سے وہ بہت پریشان تھا ایک روز حضرت مولانا گھاٹم پور گئے ہوئے تھے تو کسی نے اس کو بتلادیا کہ اپنے گھوڑے کو حضرت سے جھڑوالے چنانچہ اس آدمی نے حضرت سے درخواست کی کہ حضرت میرا گھوڑا بہت پریشان کرتا ہے اس کو ہٹ مارنے کا مرض ہے حضرت والاؒ نے اس گھوڑے کے قریب ہو کر اس کے کان میں کچھ پڑھا کر دم کیا اس دن کے بعد سے اس گھوڑے نے کبھی ہٹ نہیں ماری

وہ آدمی اس بات کو بہت بیان کرتا تھا

دارالعلوم دیوبند اور مدنی خوانوادہ سے عشق

حضرت والا دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز سپوت تھے اور مسلک دیوبند کے سرگرم ترجمان تھے، مادر علمی سے آپکا تعلق عقیدت مندانہ اور احسان مندانہ رہا ہے، اسی طرح اپنے شیخ العرب حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خوانوادہ سے زندگی بھر عاشقانہ عقیدت مندانہ وابستگی رہی ہے، شیخ العرب والعجم کے فرزندان کے اشارہ کو بھی اپنے لئے حکم سے بڑھ کر سمجھتے تھے اور ان کے اشارات کی تکمیل پر جان نچھاور کرنے کو سعادت تصور کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت

برکاتہم نے باتوں باتوں میں ذکر فرمایا کہ کوئی گھوڑی ہوتی تاکہ بچے گھڑسواری سیکھ لیتے، توحضرت والا گھر آئے اور اپنی گھوڑی لے جاکر حضرت کو ہبہ فرمادی۔احقر کو مولانا ازہر مدنی صاحب مدظلہٗ نے بتلایا کہ اسی گھوڑی پر سے میں ایک مرتبہ سواری کرتے ہوئے گر گیا تھا جس کی وجہ سے میری بازو ٹوٹ گئی تھی

اس طرح کے ایک نہیں دسیوں واقعات ہیں، حضرت فدائے ملتؒ کے ساتھ ہمیشہ سفرحضر میں ساتھ رہتے تھے جبکہ حضرت اسد الہندؒ حضرت فدائے ملتؒ سے تقریباً دس سال بڑے تھے۔اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے انتقال کے بعد تو حضرت فدائے ملت کے ساتھ سایہ کی طرح رہے آپ اپنے متوصلین ومنتسبین کو فرماتے تھے کہ مدنی خوانوادہ کا اگر کتا بھی آجائے تو اسکو بھی قدر وعظمت کی نگاہ سے دیکھنا۔

بھلا مرکز سے ہٹ کر کوئی شاد ہوتا ہے
جو پتہ شاخ سے ٹوٹا ہے وہ برباد ہوتا ہے

○❖○

چھٹا باب

آپ کے خلفاء ومجازین کرام

حضرت اسد الہندؒ کے خلفائے کرام اور مجازین صحبت کا مختصراً یہاں تعارف پیش کرنا مقصود ہے، تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہوجائے کہ جو دولت عظمٰی اکابرین ثلٰثہ نے حضرت والا کو سپرد فرمائی تھی اسکو پورے اخلاص اور جدوجہد کے ساتھ آگے منتقل فرمایا اور کماحقہٗ اس عظیم میراث کا حق ادا فرمادیا، چنانچہ آپکے خلفاء میں سرفہرست مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

(۱) حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوریؒ کا نام نامی آتا ہے
(۲) حضرت مفتی طیب صاحبؒ صاحبزادۂ محترم وجانشین
(۳) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب میواتی شیر پنجاب
(۴) حافظ پھول محمد صاحب موضع پٹھیڑ کلاں
(۵) ماسٹر رشید الدین صاحب شاہ پورہ (پاکستان)
(۶) حافظ منظور صاحب ٹوڈرپور میل سہارنپور
(۷) مولانا گلزار حسن صاحب بوڑیہ ہریانہ
(۸) ماسٹر لیاقت صاحب کلھیڑی مظفرنگر
(۹) صوفی یٰسین صاحب موضع سجوڑ سہارنپور
(۱۰) حاجی مہتاب صاحب میواتی
(۱۱) الحاج صوفی سرفراز صاحب مظفرنگری وغیرہم

اور مجازینِ صحبت۔

یعنی جن کی تربیت خود حضرت نے فرمائی اور آخر میں حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ سے بیعت کرا کر خلافت و اجازت دلوائی، وہ حضرات مندرجہ ذیل ہیں

(۱) حضرت مولانا رکن الدین صاحب بھورہ شاملی

(۲)،مولانا عامل صاحب مین پورہ گنگوہ

(۳)،ڈاکٹر وکیل صاحب دربوزی گنگوہ

(۴) حضرت،صوفی ابوالحسن صاحبؒ دودھ گڑھ سہارنپور

(۵)،حافظ صوفی محفوظ صاحب دربوزی گنگوہ

(۶) صوفی شریف صاحب دھلاپڑہ، گنگوہ

(۷) حافظ ظہور صاحب جلال پور گڑھی، ہریانہ

(۸) حافظ محمود صاحبؒ دھلاپڑہ گنگوہ

،(۹) حافظ ولی محمد صاحبؒ بڑھی مزرعہ گنگوہ

(۱۰) مولانا خورشید صاحبؒ سرساوہ

(۱۱) صوفی جمیل صاحب خانپور گوجر۔ وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوریؒ

فناء فی اللہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوریؒ ابن حافظ محمد ایوب صاحب ہے۔آپ کا وطن رائے پور ضلع سہارنپور کی تاریخی قدیم بستی ہے۔ یہ وہی نورانی و عرفانی بستی ہے جہاں سے شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور شاہ عبدالقادر صاحب برد اللہ

مضجعہٗ نے ضرب کلیمی کی صدا لگائی تھی، جہاں معرفت کی دکان سجائی گئی تھی، اسی تاریخی بستی میں یکم جنوری ۱۹۳۳ء میں آپ نے آنکھیں کھولی۔

تعلیم و تعلم

آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ فیض ہدایت درگلزار رحیمی خانقاہ رائے پور میں حاصل کی، پھر اپنے والد صاحب کے ساتھ دھرادون چلے گئے، جہاں والد صاحب امام و خطیب تھے۔ اپنے والد صاحب سے قرآن کریم ناظرہ اور کچھ پارے حفظ کئے، اس کے بعد آپ کا داخلہ مدرسہ حفظ القرآن نوگاواں میں کرادیا گیا، جہاں آپ نے حفظ کی تکمیل فرمائی، پھر جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ میں تین سال اور اس کے بعد مدرسہ سبحانیہ دہلی میں تین سال زیر تعلیم رہ کر ۱۹۵۶ء میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے سند فراغت حاصل کی۔ آپ مظاہر علوم میں اول نمبرات سے کامیاب ہوئے، اس کے بعد شعبۂ افتاء میں داخل ہو کر حضرت فقیہ النفس مفتی محمد سعید احمد اجراڑویؒ کی زیر نگرانی مشق فتاویٰ کی تمرین کی۔

اس کے بعد آپ نے اپنی تدریس کا آغاز مدرسہ اسلامیہ خادم العلوم باغوں والی سے کیا اور پانچ برس مسلسل تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کی مضبوط صلاحیتوں و مقبولیت کے پیش نظر ۱۹۶۲ء میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں آپ کا تقرر کرلیا گیا۔ چنانچہ آپ نے بحسن خوبی ۲۳ سال تک چھوٹی بڑی کتابیں پڑھائی اور دارالافتاء میں فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دی، آپ کو فتویٰ نویسی میں مہارت تامہ حاصل تھی۔

خانقاہ رائے پور کی تولیت

۱۹۷۶ء میں آپ کو خانقاہ رائے پور کا متولی بنا کر وہاں کی تمام تر ذمہ داریاں آپ

کے سپرد کر دی گئیں، چنانچہ آپ مظاہر علوم کی تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ رائے پور خانقاہ کی بھی ذمہ داری و آبادکاری نبھاتے رہے۔ ۱۹۸۵ء میں آپ مظاہر العلوم سے مستعفی ہوکر مستقلاً خانقاہ رائے پور میں مقیم ہوگئے۔ اس طرح خانقاہ رائے پور کو نئی روح میسر ہوئی اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے زمانے کی طرح پھر لوگوں کا رجوع خانقاہ کی جانب ہونے لگا۔

بیعت وخلافت

یوں تو آپ بچپن سے ہی نیک سیرت، نیک طبیعت واقع ہوئے تھے، صالحیت، عاجزی و انکساریت آپ کی فطرت میں داخل تھی۔ سب سے پہلے آپ نے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت فرما کر علوم باطنیہ کا فیض حاصل کیا۔ ابھی آپ تکمیل روحانی کی جانب محوسفر تھے کہ بقضائے الٰہی شاہ عبدالقادرؒ رحلت فرما گئے، مگر آپ مسلسل اوراد و وظائف کا اہتمام فرماتے رہے اس کے بعد آپ نے حضرت اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ خلیفۂ اجل حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی طرف رجوع فرمایا۔ حضرت اسد الہندؒ نے اپنی زود اثر توجہات سے فیض باطنی منتقل فرما کر حضرت مفتی صاحب کو بیعت خلافت عطا فرما دی۔ سب سے پہلے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے ہی حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب کو اجازت بیعت دے کر شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا جانشیں مقرر فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کو حضرت مفتی مظفر حسین صاحب نوراللہ مرقدہٗ اور حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی جانب سے بھی اجازت بیعت حاصل تھی۔ آپ بڑے ذاکر و شاغل زاہد عن الدنیا متواضع شخص تھے۔ رب کریم نے آپ کی محبت و عقیدت و مقبولیت کو لوگوں کے دلوں میں القاء فرما دیا تھا۔ آپ کو جو مقبولیت

نصیب ہوئی اور جس قدر فیض آپ سے پہنچا اس کی مثال آج کے زمانے میں نادر ہی ملتی ہے۔ جس کا اندازہ ۱۳ فروری ۲۰۱۸ء کو آپ کے جنازے میں شریک آدم زادوں کے جمِ غفیر سے ہوا۔ میرے خیال میں ہندوستان میں اتنا ازدحام کسی جنازے میں آج تک نہ ہوا ہوگا۔ آخری زمانے میں آپ سخت علیل رہے۔ سالوں آپ پر ایک بیہوشی طاری رہی ہے لیکن آپ کا دل ہمیشہ ذکر الٰہی سے مسلسل آشنا رہا۔ رب کا یہ متلاشی نیک ذات، نیک صفت، ولئ کامل یہ کہتے ہوئے اس دنیائے دنی سے رخصت ہوگیا کہ

سچ پوچھو تو رہنے کی جگہ پاپی سنسار نہیں جانا
لیکن تیری مرضی ہے تو ہمیں کوئی انکار نہیں جانا

جانشین اسد الہندؒ حضرت مفتی طیب صاحب زاہدیؒ

آپ کے منجھلے صاحبزادے حضرت مفتی طیب صاحب قاسمیؒ زاہدی علوم ظاہری و باطنی کے وارث و پاسباں مقرر ہوئے، آپ نے جہاں اپنے والد گرامی سے علوم متداولہ کا اکتساب فیض کیا، وہیں ان کے دست شفقت پر بیعت فرما کر اپنی باطنی اصلاح کرائی اور حضرت والد محترم اسد الہندؒ کی وفات کے بعد ان کے مشن کو آگے بڑھانے میں اور جانشینی کا حق ادا کرنے میں حتی الامکان کوشش فرماتے رہے آپ کے تفصیلی حالات ماقبل میں گذر چکے ہیں۔

حضرت مولانا گلزار صاحب بوڑیوی دامت برکاتہم

خانقاہ بوڑیہ میں پرانے استاد ہیں، خادم قرآن اور بہت سادہ صالح شخص ہیں، تقریباً نصف صدی سے مسلسل قرآن کریم کی تعلیم سے وابستہ ہیں، ایک بڑی تعداد نے مولانا کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے، جناب قاری محمد الیاس صاحب قاسمی پاؤنٹی

والے نائب صدر جمعیۃ العلماء ضلع یمنانگر ہریانہ پنجاب اور قاری محمد طیب صاحب بوڑیوی، پیر جی حافظ حسین صاحب سربراہ خانقاہ بوڑیہ وغیرہ آپکے شاگردوں میں ہیں، راقم الحروف بھی تقریباً دوسال فیض العلوم خانقاہ بوڑیہ میں مدرس ودارالافتاء سے وابستہ رہا اسلئے مولانا کو بندہ نے بہت قریب سے دیکھا ہے، بڑے ذاکر شاغل شخص ہیں، اب تو کافی بڑھاپا اور کمزوری وابستہ ہوگئی ہے، مگر تدریس قرآن کو الحمد للہ سینہ سے لگائے ہوئے ہیں، جب کبھی راقم الحروف انکے سامنے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کا تذکرہ کردیتا تو فوراً سنبھل کر بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ اوہ! میرے شیخ، ایسا شخص تو مولوی صاحب پیدا ہی مشکل سے ہوتا ہے، پھر دیر تک انکا تذکرہ فرماتے رہتے، ایک مرتبہ راقم الحروف کو جواب میں فرمایا کہ میری ملاقات مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے مدرسہ بدر العلوم رائے پور گوجراں ضلع یمنانگر میں ہوئی کہ میں حضرت ملاجی عبدالکریم صاحبؒ کے ساتھ سالانہ امتحان لینے گیا تھا اور حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ وہاں کے سرپرست تھے، میں نے جب مصافحہ کیا تو حضرت نے میرا ہاتھ ہلکے سے دبایا اور چھوڑ دیا، مگر مفتی جی میں حضرت والا کو اسی وقت دل دے بیٹھا، میں نے طلبہ کا امتحان لیا مگر دل حضرت والا کی طرف لگا رہا، امتحان سے فارغ ہوکر میں سیدھا حضرت کی خدمت میں جا بیٹھا، حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ بیٹا کچھ ذکر وغیرہ کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے ذکر کرنا کہاں آتا ہے آپ سکھلا دیجئے تو حضرت والا نے فرمایا کہ اچھا پھر ملاقات کرنا بس یہ پہلی ملاقات تھی اسکے بعد آپکی توجہات میرے اوپر بڑھنے لگی اور جب بھی ادھر تشریف لاتے تو مجھے ضرور اطلاع کراتے اور بڑی شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے پھر ایک مرتبہ یہ حکم دیا کہ تم کچھ دن کیلئے دیوبند حضرت فدائے ملت کی خدمت میں چلے جاؤ مگر میں اپنی مشغولیات اور کمزوری کی وجہ سے نہ جاسکا، میں نے حضرت کو اپنے حالات

بتلائے اور عرض کیا کہ حضرت میرے لئے تو آپ ہی سب کچھ ہو، پھر حضرت والا نے معمولات کے متعلق دریافت فرمایا کہ پابندی سے پورے کرتے ہو یا نہیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت پوری پوری کوشش کرتا ہوں، پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت والا نے مجھے رمضان میں اپنے گاؤں ابراہیمی بلایا، میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ آخری عشرہ کا اعتکاف دیوبند کرلو، میں نے اپنی اور اہلیہ کی پریشانی کو ذکر کیا تو حضرت نے سنکر استقامت کی تلقین فرمائی، اسکے بعد حضرت نے مسجد میں مجھے اجازت عطا فرمائی، مجھے بڑی شرمندگی محسوس ہوئی مگر میں نے اپنی زبان کو خشک پایا، خموشی سی طاری ہوگئی، کچھ وقفہ کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ چلو اللہ تعالی کا شکر ادا کرو اور اس نعمت کی قدر کرتے رہنا، مگر میں اپنے آپ کو ناکارہ ہی سمجھتا رہا اور حضرت والا کی وفات حسرت آیات کے بعد احقر نے حافظ عبدالرشید صاحب سے رجوع فرمایا بالآخر انہوں نے بھی اعزاز خلافت سے حوصلہ افزائی فرمائی۔ انہیں اکابر کی محبت اور توجہات کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی خدمت کی توفیق بخش رکھی ہے۔

ماسٹر لیاقت صاحب دامت برکاتہم (کلھیڑی والے)

ولادت	۲۳؍اگست، ۱۹۵۳ء
موضع	کلھیڑی
پوسٹ	چرتھاول
ضلع	مظفرنگر

پیشہ سے سرکاری ماسٹر ہیں، موضع بھورا میں ۱۹۷۸ء میں ملازمت تھی اسی دوران حضرت اسد الہندؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، آپ حضرت والا کے حکم سے پاکستان شاہ عبد

العزیز صاحبؒ کی خدمت میں بھی حاضری دینے گئے، پھر فدائے ملت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ کی خدمت میں جانے کا حکم فرمایا اور رمضان میں آخری عشرہ کا اعتکاف بھی حضرت مولانا زاہد حسنؒ کے ہمراہ دیوبند ہی کیا کرتے تھے، ۱۹۸۷ء میں حضرت فدائے ملتؒ نے اجازت دی اسکے بعد حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کرا کر اپنی طرف سے اجازت بیعت مرحمت فرمائی۔

کلمات بیعت

اولاً کلمۂ شہادت پڑھوایا اسکے بعد فرمایا کہ کہو!

ایمان لایا میں اللہ پر جیسا کہ وہ اپنی ذات میں اپنی صفات میں اور اپنے احوال میں اکیلا ہے، میں نے اسکے تمام احکام قبول کئے اور ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ کے سب فرشتوں پر اور اور اسکی سب کتابوں پر اور اسکے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر بھلی ہو یا بری سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا ہے۔

توبہ کی میں نے کفر سے، شرک سے، بدعت سے، نماز چھوڑنے سے، زنا کرنے سے پرایا مال ناحق کھانے سے، غیبت سے اور ہر گناہ سے چھوٹا ہو یا بڑا، ظاہر میں کیا ہو یا باطن میں، اندھیرے میں کیا ہو یا اجالے میں، اگلے ہوں یا پچھلے، جنکو میں جانتا ہوں یا نہ جانتا ہوں، جانی ہو یا مالی، آپ کے ہوں یا آپ کی مخلوق کے انشاءاللہ عہد کرتا ہوں گناہ نہیں کروں گا، کسی کی غیبت نہیں کروں گا، نماز نہیں چھوڑوں گا اگر گناہ ہوجائے تو جلد توبہ کروں گا بیعت کی میں نے جناب رسول ﷺ سے بذریعہ انکے خلفاء کے داخل ہوا میں دین اسلام میں، میں بیزار ہوا

تمام دینوں سے سوائے دین اسلام کے اے اللہ جل شانہ! میری توبہ قبول فرما اور مجھے سچے بندوں میں شامل فرما اور مجھے توفیق عنایت فرما، اپنی تابعداری کی اور اپنے رسول کی تابعداری کی، بیعت کی میں نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ اور حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ سے خاندان چشتیہ، قادریہ، نظامیہ اور خاندان سہروردیہ میں اور نقشبندیہ میں مجددیہ میں، اے اللہ تعالیٰ! اپنے فضل وکرم سے اور آپ ﷺ کے صدقہ وطفیل سے اور ان بزرگوں کے طفیل سے میرا خاتمہ ایمان پر ہو جنت بغیر حساب کتاب کے عنایت ہو معرفت وتربیت نصیب ہو اور آپکی محبت نصیب ہو اور اس سلسلہ کے بزرگوں سے فیض نصیب ہو۔

اسکے بعد نصیحت آمیز کلمات فرمائے، نماز کی پابندی، تیسرا کلمہ، درود شریف اور استغفار کی دو دو تسبیح تلقین فرمائی، اور اسکے بعد اجازت مرحمت فرمائی کہ حضرت فدائے ملت کی اجازت کی میں بھی تصدیق کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ تم سے کام لے، حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ اپنے آپ کو بہت پوشیدہ رکھتے تھے، بسا اوقات مکمل تربیت خود فرماتے اور اجازت فدائے ملت صاحبؒ سے دلوایا کرتے تھے، اس وقت ماسٹر لیاقت صاحب دامت برکاتہم اپنے گھر پر مقیم ہیں، ملازمت سے ۲۰۱۴ء میں ریٹائرڈ ہوگئے ہیں۔ ماشاءاللہ خانقاہی سلسلہ سے جڑے ہوئے ہیں، ذکر کی مجالس کرتے بھی ہیں اور جہاں ہوتی ہے وہاں تشریف لے جاتے بھی ہیں، الحمدللہ خانقاہ حضرت مولانا محمود مدنی صاحب سے بھی برابر رابطہ رکھے ہوئے ہیں، احقر کی بھی ماسٹر جی سے یہیں مدرسہ کنزالعلوم ٹڈولی میں ایک سے زائد مرتبہ ملاقات ہوئی، بڑے ملنسار اور رقیق القلب شخص ہیں، رب کریم انکے سایہ کو قائم ودائم رکھے۔ مذکورہ حالات صاحب تذکرہ سے راقم نے خود سنے ہیں۔

صوفی یٰسین صاحب سجوڑ والے

سجوڑ قصبہ رامپور منیہاران کے مغربی جنوب میں ایک بڑا گاؤں ہے، جو مسلم گوجر برادری پر مشتمل ہے، صوفی یسین صاحب کا یہ آبائی وطن ہے، جوانی کی عمر میں حضرت اسد الہند کی توجہات وترغیبات سے فکر آخرت پیدا ہوئی تو حضرت والا کے ہاتھ پر بیعت کرکے اپنی اصلاح کی کوشش شروع فرمادی اور لاابالی کی زندگی سے سچی توبہ کرلی، صوم وصلوۃ کی پابندی اور ذکر واذکار کثرت سے کرنے لگے، پیشہ سے کاشتکار ہیں، اپنے معاملات کو درست کرنے کی پوری فکر کی، بچے بڑے ہوئے تو خود کو دنیوی کاموں سے فارغ کرکے زہد کی زندگی اختیار کرلی۔

فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت مولانا زاہد حسنؒ سے بیعت ہوا تو اولاً حضرت نے مجھے ۱۲ تسبیح پڑھنے کو فرمایا۔

۲ لاالہ الااللہ

۲ الااللہ

۲ اللہُ اللہ

۲ اللہ اللہ

۲ استغفار

۲ درود شریف کی۔

میں نے پابندی سے یہ ذکر مکمل ایک سال تک کیا پھر حضرت نے دوسرے سال مجھے ۱۰ تسبیح درود شریف کی اور پانچ ہزار مرتبہ ذکر اسم ذات کا کرنے کو فرمایا، بفضلہ تعالیٰ میں نے پابندی سے کیا، اسکے پڑھتے پڑھتے روزانہ اسم ذات کی تسبیح ۲۰ ہزار یومیہ کرتا

تھا اور ۳ گھنٹہ پاس انفاس کا ذکر کرتا تھا اور اسکے بعد حضرت نے مجھے فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ سے بیعت ہونے کا حکم فرمایا چنانچہ میں نے حضرت فدائے ملت صاحبؒ سے بیعت فرما کر اپنے سارے احوال بتلائے تو حضرت فدائے ملت نے چار گھنٹے ذکر قلبی تجویز فرمایا، دیگر تسبیحات کے ساتھ الحمدللہ چھ سال تک مسلسل ذکر قلبی کرتا رہا تو حضرت فدائے ملت اسعد مدنی صاحبؒ نے ماہ رمضان کے آخری عشرے میں اجازت فرمادی اور اسی کے ساتھ ساتھ جب میں نے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ بات بتلائی کہ حضرت فدائے ملت صاحب نے مجھے ایسے ایسے فرمایا ہے اور میرا حال یہ ہے کہ کچھ آتا جاتا نہیں ہے، میں ان پڑھ آدمی ہوں، تو حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے بڑی دعا فرمائی اور فرمایا بھائی یہ اللہ تعالی کی نعمت ہے جس کو چاہے دے دے، بس تم اسکی قدر کرو اور پھر فرمایا کہ میں اسکی تائید کرتا ہوں اور اپنے سلسلہ میں بھی تم کو اجازت دیتا ہوں، حقیقت یہ ہیکہ یہ سب کچھ حضرت اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی محنتوں اور دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

''نہیں تو ہم کھیت کے ڈھیلے تھے بھائی''

الحمدللہ اس وقت صوفی یٰسین صاحب حیات ہیں بڑے سادے سچے انسان ہیں اپنے کام میں زاہد عن الدنیاء ہوکر مسلسل لگے ہوئے ہیں، راجستھان اور پنجاب میں ماشاء اللہ سلسلہ کا کافی کام کیا ہے تقریباً دوسو سے زائد لوگ انکے ہاتھ پر بے دینی کی زندگی سے توبہ کرکے صوم وصلوۃ کے پابند اور ذکر واذکار سے منسلک ہوچکے ہیں۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

اس وقت صوفی یٰسین صاحب اپنی زندگی کی ۶۶ ویں بہار دیکھ رہے ہیں، بفضلہ تعالیٰ صحت بھی اچھی ہے، اللہ تعالیٰ آئندہ بھی بہتر رکھے اور اپنے دین متین کی خدمت لیتا رہے۔

ماسٹر رشید الدین صاحب پاکستانی

موصوف حضرت اسد الہندؒ کے نسبتی بھائی ہوتے ہیں سن ۱۹۴۷ء کے حادثہ میں اپنے والدین کے ساتھ شاہ پور پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔آپ کا مادر وطن موضع طہارپور ضلع یمنا نگر تھا۔ نیک صالح اور ذاکر شاغل ہونے کے ساتھ ساتھ تبلیغی جماعت کے سرگرم رکن ہیں۔ بہ روایت حضرت مولانا محمد عارف صاحب حضرت اسد الہندؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا، اللہ تعالیٰ نے طبیعت سلیمہ نصیب فرمائی ہے اوراد و وظائف کے بڑے پابند ہیں۔ بہت ہی سادہ مزاج متدین شخصیت کے مالک ہیں اس وقت ضعف کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو ہمت،قوت نصیب فرمائے اور تادیر ان کا بابرکت سایہ قائم دائم رکھے۔۔آمین

حاجی مہتاب صاحبؒ میواتی

ماسٹر لیاقت صاحب کلہیڑی والوں نے گواہی دی ہے کہ حاجی مہتاب صاحب تحصیل نگینہ ضلع نوح میواتی بھی حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے بیعت تھے۔ حضرت نے ان کی بھی تربیت فرما کر خلافت عطا فرمائی تھی۔ ۲۰۰۲ء میں حاجی صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔۔آمین

صوفی الحاج سرفراز صاحب مظفر نگر

ماسٹر لیاقت صاحب نے شہادت دی ہے کہ صوفی الحاج سرفراز صاحب موضع ککرالہ پوسٹ موانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔حضرت اسد الہند مولانا زاہد

حسن صاحبؒ سے سلسلہ میں منسلک ہو کر ۱۹۸۶ء میں خلافت حاصل کی۔ بڑے متقی اور ذاکر وشاغل آدمی تھے۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔آمین

ایسے بہت سے افراد ہیں جن کو حضرت ممدوحؒ سے بیعت و ارشاد کا تعلق تھا، مگر چونکہ حضرت اپنا اخفاء بہت رکھتے تھے اور آج ۳۳ سال بعد جب یہ ناکارہ سی کوشش کی جا رہی ہے اس وقت ان کو دیکھنے، پرکھنے اور برتنے والے محبین و منسلکین اپنے رب کی جوار رحمت میں پہنچ چکے ہیں۔تلاشِ بسیار کے بعد جو کچھ حاصل ہو سکا اس کو قلم بند کر دیا ہے۔افسوس اس بات پر ہے کہ خودداری کی چسک نے تاریخ کا ایک عظیم خزینہ دفن کر دیا ہے، مگر جو کچھ بھی اس وقت ان کے حالات میسر ہو سکے یہ بھی ہم خوردہ نوشوں کے لئے بطور روشنی و رہبری کے کافی ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا رکن الدین صاحب دامت برکاتہم

حضرت مولانا رکن الدین صاحب موضع بھورہ قصبہ کیرانہ ضلع شاملی ان لوگوں میں سے ہیں جنکی مکمل تربیت حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے فرمائی اور اجازت بیعت پھر حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ سے دلوائی ہے

ماشاءاللہ سلسلہ پر خوب محنت فرما رہے ہیں اپنے گاؤں بھورہ میں اپنی زمین پر ایک مکتب اور خانقاہ قائم فرمائی ہے جس سے لوگوں کو فائدہ ہو رہا ہے اور دیگر جگہ جا کر بھی مجلس ذکر قائم فرماتے ہیں

ایک روز راقم الحروف کو سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بھائی یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ ٹوٹی پھوٹی اپنے دین کی خدمت لے رہا ہے یہ سب میرے شیخ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی دین اور توجہات کا صلہ ہے اگر وہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر اس راہ پر نہ لگاتے تو نہ

جانے کہاں ہوتے حضرت والاؒ نے ہمارا ہاتھ پکڑ کر ماں جیسی شفقت سے نوازا اور اس عظیم راہ پر لگا دیا، ان کے دل میں قوم وملت کا جو درد تھا وہ کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتا۔

شیر پنجاب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب میواتیؒ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب میواتیؒ حضرت اسعد الہندؒ کے خلفاء میں سے ہیں ۱۵ جنوری ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ جائے پیدائش میل کھیڑا میوات ہے۔ ابھی حیات مستعار کی تیسری بہار دیکھ رہے تھے کہ آپ یتیمی کے شکار ہو گئے۔ آپ نے اسی کس مپرسی کی حالت میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دہلی نظام الدین پہنچے اور وہیں سے سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد آپ نے درس وتدریس کا آغاز بھی مدرسہ نظام الدین ہی سے فرمایا۔ آپ کے اندر جذبۂ ایمانی اور جوانی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، چنانچہ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے ۱۹۶۵ء میں ایک جماعت کے ساتھ ایک ہفتہ کے لئے پنجاب بھیجا، یہ ۱۹۴۷ء کے بعد کا اجڑا ہوا پنجاب تھا۔ جہاں مسلمان ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ آپ نے وہاں کی اجڑی ہوئی مساجد اور برباد وخستہ حال باقی ماندہ مسلمانوں کا حال دیکھا تو آب دیدہ ہو گئے اور آپ کا جذبۂ ایمانی جوش مارنے لگا۔ چنانچہ اکابرین امت کے مشورے سے آپ نے پنجاب میں محنت کرنے کی ٹھان لی، اس لئے نظام الدین کو چھوڑ کر مالیر کوٹلہ کی ایک چھوٹی مسجد کی امامت اختیار کر لی اور پنجاب کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کوششیں شروع فرمادیں، جس کے لئے آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے مضبوط پلیٹ فارم کا سہارا لینا پڑا۔ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ جو جمعیۃ علماء ہند کے عظیم سپوت تھے، وہ بھی ہریانہ پنجاب میں سرگرم عمل تھے۔ اسی جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم پر حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے ملاقات ہوئی، تو جانبین سے تعلق اس قدر بڑھا

کہ حضرت مولانا قاسم صاحب نے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے حالات و کمالات، اخلاق وکردار، جذبۂ ایمانی اور اتباع سنت کو دیکھ کر ان کے دست حق پرست پر بیعت فرمالی اور فیض روحانی کی تکمیل کے لئے استفادہ کرتے رہے، کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے آپ کے بال و پر سنوار کر اور مجاہدانہ کارناموں کو دیکھ کر نسبت حسینی، قادری وچشتی میں خلافت عطا فرمادی، جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے متحدہ پنجاب اور میوات کے علاقے میں بڑا کام لیا۔ آپ نے ۱۹۸۵ء کے بعد اپنے علاقۂ میوات کو اپنی سرگرمیوں کا محور بنایا اور ۱۹۹۲ء کو ''رنگالہ موڑ فروز پور جھرکا'' میں ایک مکتب کی بنیاد ڈالی، جو اب ایک مشہور ادارے کی شکل اختیار کر گیا ہے، جس کا نام جامعہ اسلامیہ انوار القرآن محمدیہ ہے۔ ششم عربی تک نصاب تعلیم پڑھایا جاتا ہے۔ پنجاب اور ہریانہ میں آپ کے مجاہدانہ کارناموں کو دیکھ کر اکابرین ملت نے آپ کو شیر پنجاب کا لقب دیا اور اسی سے آپ مشہور ہوئے۔ بالآخر یہ شیر پنجاب بھی اپنی عمر طبعی خدمت اسلام پر صرف کر کے ۱۲ جنوری ۲۰۱۵ء کو اپنے رب حقیقی کے جوار میں جا بسے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

سجا کر اپنے ہنگاموں کی محفل سو گیا کوئی

پسماندگان میں ماشاء اللہ بیٹے بیٹیاں اور پوتے پوتیاں چھوڑے ہیں۔ صاحبزادۂ محترم مولانا طالب قاسمی صاحب اب مدرسہ انوار القرآن محمدیہ کی بحسن وخوبی ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شجر طوبی کو دن دونی رات چوگنی ترقیات سے نوازتا رہے اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

حضرت الحاج حافظ منظور صاحب ٹوڈر پوریؒ

حضرت الحاج حافظ منظور صاحبؒ بھی آپ کے اجل خلفاء میں سے ہیں، انہوں

نے خانقاہ رائے پور میں تعلیم حاصل کی، حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا زمانہ خوب پایا۔ حافظ ہونے کے بعد حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے دست مبارک پر بیعت فرمائی اور اپنے باطن کو سنوارنے کی فکر میں مشغول ہو گئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ٹوڈر پور گاؤں میں امامت شروع فرمادی اور مکتب کی تعلیمی سرگرمیوں سے وابستہ ہو گئے۔ مسلسل سات سال تک اپنے گاؤں ٹوڈر پور میں خدمت انجام دیتے رہے۔ پھر موضع بھوجپور ضلع سہارنپور میں منتقل ہو گئے اور گیارہ سال تک اس گاؤں میں ابتدائی تعلیم کی خدمت کرتے رہے۔ جب حضرت قطب عالم شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی جانب رجوع فرمایا اور بھوجپور سے اپنے دوسرے شیخ کی خدمت اقدس میں مدرسہ سراج العلوم دمجھیڑہ میں مدرس ہو گئے اور فنافی الشیخ کا درجہ حاصل کرلیا، چنانچہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے حافظ صاحب کی صلاحیتوں کو نکھار کر خلعت خلافت عنایت فرمائی۔

حافظ منظور صاحب ٹوڈر پوریؒ نے مدرسہ سراج العلوم میں مسلسل ۴۵ سال تک خدمت انجام دی اور بالکل اخیر عمر میں جب بہت کمزور ولاغر ہو گئے تب اہل خانہ کے اصرار پر مدرسے سے گھر منتقل ہوئے۔ حافظ منظور صاحب بڑے شاکر وشاغل اور عاشق قرآن شخص تھے تلاوت قرآن کریم ان کے روح کی غذا تھی۔ ۲۴ گھنٹے میں ایک قرآن کریم مکمل فرما لیتے تھے۔ ہر پیر و جمعرات کا روزہ پابندی سے رکھتے تھے۔ اوراد و وظائف کے معمولات بلا ناغہ پورے فرما لیتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف میں بارہا حاضری کی سعادت نصیب فرمائی۔ وہ بے پناہ خوبیوں سے متصف تھے۔ بالآخر ۲ رجب المرجب بروز اتوار کو مغرب کی آخری نماز پڑھی، اس کے بعد عشاء کی نماز کی تیاری کرنے لگے اور اچانک پیر پھسل گیا اور سر کی نس پھٹ گئی، فوراً

آپ کو سہارنپور سکشم اسپتال میں منتقل کردیا گیا۔ فجر کی اذان سے قبل حضرت کی زبان پر کلمہ جاری ہوا اور جان جاں آفری کے حوالے فرمادی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تین رجب المرجب ۱۴۳۹ مطابق ۷ جولائی ۲۰۱۸ء بروز پیر تاریخ وفات ہے۔

تھا یہ ان کی آنکھوں میں اثر
سنگ ریزے ہو جائیں جس سے شمس و قمر

****

اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیٔ گفتار کے
بے بہا موتی ہیں جس کی چشم گو ہر بار کے

****

درد دل لکھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلا دوں
انگلیاں فگار اپنی، خامہ خوں چکا اپنا

****

○❖○

ساتواں باب

سیاسی خدمات کے بیان میں

حضرت اسدالہندؒ بحیثیت جمعیۃ علماء ہند کا عظیم سپوت

اسدالہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے اپنی پوری زندگی جمعیۃ علماء ہند کے ایک عظیم سپوت وسرگرم کارکن کی حیثیت سے گزاری ہے، جس خلوص اور جذبۂ صادق کے ساتھ آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے قیام کو استحکام اور عروج پر پہنچانے کے لئے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی امارت میں جو خدمات انجام دیں ہیں وہ جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ کا ایک اٹوٹ حصہ ہیں، اگر جمعیۃ علماء ہند کی شاندار تاریخ سے حضرت اسدالہند مولانا زاہد حسنؒ کی بے مثال خدمات کا حصہ نکال دیا جائے تو تاریخ جمعیۃ علماء ناقص وادھوری رہے گی۔

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشہ کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

آپ کی جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ ابھی مادر علمی دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے، کہ اپنے استاد محترم حضرت شیخ الاسلامؒ کی مجاہدانہ زندگی سے متأثر ہوکر آپ کے ذہن و دماغ میں بھی قوم وملت کی خدمات کا وہی رنگ چڑھا جو استاد محترم پر غالب تھا چنانچہ آپ چھٹی کے مواقع پر حضرت شیخ الاسلامؒ کے حکم سے جمعیۃ علماء ہند کی سرگرمیوں

میں حصہ لینے لگے اور فراغت کے بعد پورے جذبۂ صادق ویقین راسخ کے ساتھ اسی پلیٹ فارم سے کاروان آزادی میں شامل ہو گئے، جمعیۃ علماء ہند کے باوقار اسٹیج سے انہوں نے ہندوستانی قوم وملت کیلئے لگاتار ۴۴ ؍سال تک ناقابل فراموش خدمات انجام دیں ہیں، وہ جمعیۃ علماء ہند کے بے باک لیڈر حوصلہ مند عظیم قائد اور فعال کارکن تھے، حضرت والاؒ آزاد ہندوستان کے ان بے مثال کھیون ہاروں میں سے ایک ہیں، جنکے مبارک ہاتھوں پر آفتاب آزادی طلوع ہوا ہے۔ اور اس قافلہ کے آخری مجاہد ٹھیرے جو اس منزل پر قیام پزیر ہوا جس کا خواب دوصدی قبل شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تھا۔

حضرت مولانا زاہد حسنؒ کی مسلسل کوشش ان کی بے پناہ بیدار مغزی اور ہوشمندانہ قیادت کے طفیل ملک کے طول وعرض خاص طور پر ضلع سہارنپور مظفرنگر میرٹھ اور ہریانہ پنجاب ہماچل کے مشرقی علاقہ کے شہر و دیہات میں مسلمانوں کے اندر اسلامی شعور کی بیداری اسلامی زندگی اپنانے اور جہالت کے اندھیروں سے نکلنے اور مذہب وعقیدے کی راہ میں پے در پے خطرات اور اندیشیوں سے باخبر رہنے کا احساس اجاگر ہوا۔ ۱۹۴۷ء کے خوں آشوب دور میں انہوں نے اپنی جان پر کھیل کر اتر پردیش کے مسلمانوں کی حفاظت کی ہے، اگر اسلام کا یہ مجاہد ہریانہ پنجاب کے باڈر پر اپنے دوستوں اور پیروکاروں کے ساتھ سد سکندری بنکر حائل نہ ہوتا۔ تو اس فساد کی آگ کو جس سے پنجاب جھلس رہا تھا، سہارنپور اور مظفرنگر میں داخل ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا اور اگر سہارنپور ومظفرنگر میں یہ آگ لگجاتی تو پھر یوپی کو برباد ہونے سے کوئی طاقت اللہ کے سواء نہیں روک سکتی تھی۔ انکی خدمات کو قلمبند نہیں کیا گیا تو کوئی بات نہیں مگر یہ آسمان اتنی آسانی سے ان کے نقوش مٹا نہیں سکتا، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی انکی

خدمات وقربانیوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے' حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ زکریاؒ اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا جو بستر کھلا تھا اور انہوں نے ترک ہجرت کا جو فیصلہ لیا تھا اسکا پوشیدہ سبب حضرت مولانا زاہد حسنؒ صاحب کی قربانیوں اور انکی جرأت و پامردی کا رہین منت تھا' وہ اکابر ثلاثہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ رائپوری اور حضرت شیخ زکریاؒ کے معتمد خاص تھے۔

{جمعیۃ العلماء اور شرعی پنچایت کا قیام}

حضرت اسدالہند مولانا زاہد حسنؒ نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے جامع مسجد سہارنپور میں شرعی پنچایت کا قیام فرمایا اور اسکی ذیلی شاخیں علاقہ وائز منعقد فرمائی مسلسل کم وبیش تیس ۳۰ سال اسکے ذریعہ آپ نے قوم کی تاریخ ساز خدمت انجام دیں ہزاروں لڑکیاں و بیٹیاں جو آپسی تنازعات کی بناء پر اپنے باپ کے گھر بیٹھی ہوئی تھیں ان کو صلح کرا کر اُن کے شوہر کے گھر بھجوایا یا آخری درجہ میں فسخِ نکاح کرا کر دوسری جگہ انکی شادی کرائی، ہر جمعہ کو بعد نمازِ جمعہ جامع مسجد سہارنپور میں آپ تشریف لاکر شرعی عدالت کا انعقاد فرمایا کرتے تھے اور فریقین کے مسائل کو ساعت کر کے صلح کرانے کی پوری پوری کوشش فرماتے تھے آپ کی حتی الامکان کوشش ہوتی تھی کہ مسلمانوں کے مقدمات کوٹ کچہریوں میں ہرگز نہ جائیں تاکہ ان کے اموال ناجائز مقدمات میں خرچ نہ ہوں۔ حضرت مولاناؒ کی یہ کوشش رنگ لائی اور شادی وطلاق کے اسی فیصد مسائل شرعی پنچایت میں آنے لگے تھے۔ حضرت مولاناؒ نے اس کی ذیلی شاخیں بھی قائم فرمائی تھی تاکہ لوگوں کو آسانی ہو اور ہر ایک کو سہارنپور نہ آنا پڑے۔ ہمارے علاقہ میں گاؤں اسلام نگر قصبہ رامپور منہاران میں سات گاؤں (۱) نائی نگلی عرف ماجری، (۲) بمیالہ،

(۳) اسلام نگر، (۴) کپوری، (۵) شیر پور، (۶) ڈھاکہ دیوی، (۷) ترمت کھیڑی کی ذیلی پنچایت قائم فرمائی تھی۔ اور اس کے سرپنچ میرے بڑے تایا چودھری شفیع صاحبؒ کو مقرر فرمایا تھا یہ پنچایت بھی ہفتہ میں ایک دن ہوتی تھی۔ اللہ کرے یہ نظام پھر قائم ہو جائے حضرت مفتی طیب صاحبؒ کے بعد سے یہ پنچایت موقوف ہے۔

{جمعیۃ العلماء اور اصلاحِ رسوم ومعاشرہ}

حضرت مولانا زاہد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاحِ رسوم اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کو ختم کرنے کی انتھک کوششیں کیں اور کرائیں ہیں علاقہ وار قوم کی بڑی بڑی پنچایتیں بلاکر لوگوں کو سمجھایا اور کمیٹیاں تشکیل دیکر حلقے کے علمائے کرام کو نگراں مقرر فرمایا پردہ کے اوپر خاصا زور دیا گیا عورتوں کے بلاضرورت بازار جانے اور بے پردہ گھر سے نکل نے پر پابندی عائد کرنے کی کوشش کی گئی باقاعدہ سرساوہ, گنگوہ, کیرانہ، کاندھلہ کے بازاروں میں گھوم گھوم کر نگرانی کی گئی اور بے پردہ عورتوں کو متنبہ کیا گیا۔ بارات لیجانے اور شادیوں میں فضول خرچی کرنے والوں پر سخت تنقید کی گئی الحمدللہ حضرت والا کی ان عملی کوششوں سے قوم کو بڑا فائدہ ہوا ہے اور آپ کی ان اصلاحات کا فائدہ قوم وملت کے اندر اب تک محسوس کیا جا رہا ہے۔ شادیوں میں بے تحاشا خرچ اور ریا ونمود کی جڑیں پھر مضبوط ہوگئی ہیں اس مرض نے قوم کی معاشی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ دوسری طرف ماں باپ بیٹیوں کی پیدائش کو بوجھ سمجھنے لگے ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوان علمأ کرام حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے مشن کو لیکر مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہوں

سنہ ۱۹۴۶ میں ایم، ایل، اے کا الیکشن

فراغت کے بعد آپ نے اپنے استاد محترم سید سالار وقت حضرت مولانا حسین احمد

مدنیؒ کے زیر سایہ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے قومی، ملی وسماجی خدمات کا بیڑا اٹھایا اوراس انداز سے اپنے کام کوانجام دیا کہ حضرت مدنیؒ کے معتمد علیہ لوگوں میں شامل ہو گئے بلکہ ان سب میں ممتاز بن گئے، اسی وجہ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے آپ کو ۱۹۴۶ء میں کانگریس کے ٹکٹ پر دیوبند کونسی ٹونسی سے مسلم لیگ کے مد مقابل کانگریس سے ایم' ایل' اے کا الیکشن لڑنے کا حکم فرمایا۔

۱۹۴۶ء میں کانگریس اور مسلم لیگ میں الیکشن کرایا گیا تھا، مسلم لیگ پارٹی سے مد مقابل شیخ ضیاء الحق خان بہادر صاحب راجوپوری تھے جو سیاسی اعتبار سے بہت مشہور لیڈر تھے، مگر آپ نوجوان ہونے کے باوجود حضرت شیخ الاسلامؒ کی توجہات اور اپنی خداداد سیاسی سماجی حکمت عملی سے کامیاب ہوکر (ایم ایل اے) بنے۔

دیوبند کونسی ٹونسی سے آٹھ نام کانگریس کے مرکزی دفتر کو پیش کئے گئے تھے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے کانگریس دفتر کو تحریر بھیجی کہ ہم آپ کو ایک ایسا آدمی پیش کر رہے ہیں جو کبھی بھی کانگریس چھوڑ کر نہیں جائے گا چنانچہ حضرت مولانا زاھد حسن صاحبؒ کا نام حضرت شیخ الاسلامؒ نے منتخب کر کے کانگریس دفتر کو بھیجا۔ کانگریس نے حضرت مولاناؒ کے نام ٹکٹ جاری کر دیا۔

اس بات سے اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ دیوبند سہارنپور گنگوہ جیسے زرخیز علاقہ میں ایک نوجوان کو جو بظاہر خالی ہاتھ نظر آتا ہے اسکو امیدوار بنوا دینا یہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی اپنے چہیتے شاگرد پر کامل اعتماد اور غایت تعلق کی بات ہے کہ بڑوں بڑوں کو چھوڑ کر اس نوجوان کو امیدوار بنایا اور پھر حضرت مولانا زاھد حسن رحمۃ اللہ علیہ کا بفضلہ تعالیٰ اپنے سیاسی مد مقابل کو مات دیکر انتخاب جیت لینا جبکہ لوگوں میں لیگ کا نشہ چڑھا ہوا تھا غیر معمولی اہمیت کا حامل کارنامہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرت شیخ الاسلامؒ مولانا حسین

احمد مدنیؒ کی جیت تھی یہ سیاسی اعتبار سے انکے نظریہ اور خواب کی حسین تعبیر تھی۔

ایم، ایل، اے، بننے کے بعد آپ نے قوم وملت کی جو خدامات انجام دیں، وہ آبِ زر سے لکھی جانے کے لائق ہیں، کانگریس کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑنا یہ دوقومی نظریہ کی شدید مخالفت تھی، ظاہر ہے کہ پاکستان کے حامی مسلم لیگی اس بات سے چراغ پا ہونے تھے، ان کے نزدیک کانگریسی مرتد کے درجہ میں تھے، وہ انکو مباح الدم بھی سمجھتے تھے، اسی لئے تو علامہ اقبال جیسا مفکر ومدبّر بھی حضرت مدنیؒ کی ذات گرامی پر تنز کرتے ہوئے کہہ گیا۔

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود برسر ممبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر زمقام محمد عربی است

ترجمہ۔ عجم ابھی تک دین کے رموز سے آشنا نہیں ہوا
دیوبند سے حسین احمد مدنی نے کیا عجیب حرکت کی ہے
وہ ممبر پر بیٹھ کر کہتا ہے کہ ملت وطن سے ہے
وہ مقام محمد عربی ﷺ سے کتنا دور ہے

علمائے دیوبند کا نظریہ تھا کہ ہم سب ہندوستانی ایک وطن کے ہیں اور ایک ساتھ ملکر رہیں گے، ہم مذہب کی بنیاد پر ملک کی تقسیم نہیں چاہتے مگر جناح کے پرستاروں کو اور مسلم لیگیوں کو پاکستان کا نشہ اس قدر چڑھا ہوا تھا کہ وہ حقیقی بصیرت کو کھو چکے تھے، جسکو پانا انکے لئے ناممکن تھا، اور بعض اکابر بھی اِس مسئلہ میں صواب تک نہیں پہنچ سکے۔

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے بھی الیکشن جیت کر انکے نظریہ کو ٹھوکر ماری، تو

وہ کیسے انکے لئے قابل قبول ہوسکتے تھے، مسلم لیگیوں نے ہرممکن کوشش کی کہ حضرت اسد الہندؒ کو تکلیف پہونچائے مگر حضرت والا نے الحمدللہ ایک نیڈر جرنل اور خدامست بہادر کی طرح ۱۹۴۷ء و ۴۶ میں قوم وملت کی عظیم خدمات کو انجام دیا اور انکی ناپاک حرکتوں سے ذرہ برابر خائف نہ ہوئے۔

ہیں مرد مجاہد کے انداز نرالے
رفتار قیامت کی ہے اور پاؤں میں چھالے

۱۹۴۶ء میں الیکشن کے ورکر

۱۹۴۶ء میں جب آپ نے ایم ایل اے کا الیکشن لڑا تو حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ اور حضرت مولانا شمیم صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے باقاعدہ سائیکلوں سے ورکری کی تھی حضرت شیخ الاسلامؒ نے بھی اپنے اہم پیغامات عوام وخواص تک پہنچایئے تھے حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب سرساوہ جامع مسجد کے امام اور منشی عبدالوحید صاب پٹھیڑ والوں نے بڑی جانفشانی کے ساتھ ورکری کی اور بھی بہت سارے مخلص احباب تھے جنھوں نے اس اہم اور تاریخی الیکشن میں حضرت اسدالہند رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اپنی خدمات کو پیش فرمایا جنکے تفصیلی حالات تو راقم الحروف کو نہ مل سکے بس اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالی ان تمام کو اپنی شایان شان بہترین بدل نصیب فرمایئے آمین

حضرت کو گولی مروانے کی سازش

سرساوہ کا تھانے دار مسلم لیگی تھا اس نے علاقہ کے مشہور ڈکیت (بدمعاش) کو اپنا ذاتی ''رِوالور'' دیا تھا کہ مولانا زاہد حسن کو موقع ملتے ہی گولی ماردے مگر وہ کوشش کے بعد

بھی یہ مہم سر نہ کر سکا بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی راستہ سے حضرت مولانا بھی گزرے اور وہ ڈکیت بھی چندمنٹ قبل اسی راستہ سے گیا، مگر اللہ تعالی نے اپنے فضل سے حفاظت فرمائی۔ حضرت اسدالہندؒ کو اس بات کا خوب علم تھا کہ مسلم لیگی میرے خون کے پیاسے ہیں مگر آپ نے ایک روز بھی ایک لمحہ کے لئے بھی اسکو اپنے ذہن پر مسلط نہیں ہونے دیا۔

۱۹۴۷ء کے خونی حالات میں علی الصبح اپنی بندوق لیکر گھر سے نکل جاتے اور کبھی گھوڑی پر اور کبھی پیادہ پا جمنا ندی کے کنارے کنارے آباد بستیوں میں چکر لگاتے اور لوگوں کو جا کر سمجھاتے، اور جو لوگ ہریانہ پنجاب کی جانب سے اجڑ کر آتے انکے لئے تحفظ کا سامان مہیا کرتے تھے، ہنگامۂ ۴۷ کے بعد اس ڈکیت نے بذات خود حضرت مولاناؒ کو اپنے بارے میں بتلایا کہ حضرت میں آپ کو گولی مارنے کیلیئے جنگل میں پھرا کرتا تھا اور مجھے فلاں فلاں شخص نے یہ کام کرنے کو کہا تھا مگر میں رب کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یہ برا کام میں نہ کرسکا۔ ورنہ میں تباہ وبرباد ہوجاتا

بوڑیہ میں جے پرکاش نارائن اور اسدالہندؒ

بوڑیہ کے راجہ نے بوڑیہ میں ایک اجلاس بلایا جس میں مشہور کانگریسی لیڈر جے پرکاش نارائن صاحب، حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ اور ہریانہ پنجاب کے بڑے بڑے سیاسی لیڈروں وسماجی ورکروں نے شرکت کی تھی، جے پرکاش نارائن نے اپنی تقریر میں کہا کہ اگر مسٹر جناح ملک کی تقسیم پر اصرار کرتا ہے تو ملک کے ساتھ صوبوں کی بھی تقسیم کی جائے گی، اس بات پر حضرت اسدالہند مولانا زاہد حسنؒ مردانہ وار کھڑے ہوئے اور کہا کہ نیتاجی اسکا مطلب یہ ہے کہ کانگریس ملک کی تقسیم پر راضی ہوچکی

ہے؟ جے پرکاش صاحب اوپر سے نیچے تک پسینہ پسینہ ہوگئے اور گھبرا کر کہا کہ مولانا جی میرا مطلب یہ نہیں تھا،

حضرت مولانا نے فرمایا کہ اسکا مطلب یہی ہے کہ مسٹر جناح ملک کی تقسیم پر مصر نہیں ہیں وہ اصرار کرینگے تو آپ صوبوں کی تقسیم پر بھی راضی ہوجائیں گے، کہتے ہیں کہ جے پرکاش صاحب کی زبان خشک ہوگئی اور بہت جلدی میں وہ اپنی تقریر سمیٹ کر بیٹھ گئے۔

مٹ نہیں سکتے کبھی ان کے نقش جاوداں
شہرۂ آفاق ہیں ان کے سرود سرمدی

ہریانہ پنجاب کی قیامت اور اسد الہندؒ کی قربانی

بدقسمتی سے جب ملک کی تقسیم کا قضیۂ نامرضیہ پیش آہی گیا اور مسٹر جناح اپنے نظریہ میں کامیاب ہوگئے، اور انگریز جاتے جاتے یہ ناپاک مشورہ بعض متعصب لیڈروں کو دیکر اپنی چال چل گیا تو اس کے نتیجہ میں جو قیامت متحدہ پنجاب میں برپا ہوئی تاریخ ہندوستان میں اسکی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔ ظلم وستم، بربریت، دہشت گردی کا وہ ننگا ناچ ناچا گیا کہ انسانیت تھرا گئی جسکی کربناک داستاں سے آج ۷۲ سال بعد بھی قلم لرزیدہ اور چشم برسیدہ ہیں، نہتے اور بے بس مسلمانوں کو کیمپ میں جمع کیا جاتا پھر اچانک گولیوں سے بھون دیا جاتا یا گنڈاسے سے کاٹ دیا جاتا، جوان جوان خوبصورت بچیوں کو سکھوں نے اپنے گھروں میں بندھک بنالیا اور انکی عزتوں کو تار تار کردیا، بعض غیرت مند عورتوں نے اپنا ایمان اور عزت بچانے کے واسطے چڑھتی جمنا میں چھلانگ لگادی یا کنوؤں میں کودگئی، مگر اپنی عزت کا سودا نہیں کیا، ہریانہ پنجاب کی بعض ندیوں میں خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا بعض کیمپوں کے اندر جہاں مسلمانوں کو جمع کیا گیا تھا کہ تم کو

پولیس اور فوج کی حفاظت میں پاکستان پہونچا دیا جائے گا، ان کیمپوں میں آگ لگادی گئی یا گولیوں سے بھون دئے گئے، دہشت کا بھوت ایسا سوار تھا کہ ایک بڑی تعداد مرتد ہوگئی اور جسکو موقع میسر ہوا تو جس طرف رخ تھا اسی طرف نکل گئے، ایک بڑی تعداد مشرقی پنجاب سے یوپی میں اپنے رشتہ داروں کے یہاں پناہ لینے کے لئے منتقل ہورہی تھی اس دہشت کا خوف عموماً پورے ملک میں اور خصوصاً مغربی یوپی کے اضلاع میں بھی چھایا ہوا تھا، ایسے نازک وقت میں حضرت اسد الہندؒ، مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے جو قربانی پیش فرمائی اسکی نظیر ملنی مشکل ہے، حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ صبح ہوتے ہی اپنی بندوق لیکر جمنا ندی کی جانب نکل جاتے کبھی پیدل، کبھی گھوڑی پر اور کبھی ایک دو ساتھی کے ساتھ اور کبھی مرد مجاہد تن تنہاں شام تک جمنا کے کنارے کنارے جنگلوں میں و آباد بستیوں میں گشت کرتے رہتے، جو لوگ پنجاب کی جانب سے ہجرت کر کے آتے انکا استقبال کرتے اور ان کو بحفاظت منزل مقصود پر جہاں کا وہ قاصد ہوتا پہنچادیتے اور اگر کوئی سراپا بے یاروں مددگار ہوتا تو خود اسکو اپنی ذمداری پر کسی کے یہاں ٹھہراتے اور اسکے رہنے کا بندوبست فرماتے، جمنا کے کنارے پر آباد گاؤں ومواضعات میں جاجا کر لوگوں کو سمجھاتے حوصلہ دلاتے اور ایمان پر ثابت قدم رہنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے، اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر ان پرخطر حالات میں حضرت ایم' ایل' اے' صاحب خطرناک جنگلوں سے سفر فرماتے تھے۔

بعض ایام میں آپ جمنا ندی کے پل پر بندوق لیکر سنتری کی طرح کھڑے رہتے کیونکہ بلوائیوں کا آنے کا یہی عام راستہ تھا گویا کہ آپ نے اس جگہ کھڑے ہوکر پورے مغربی یوپی کی حفاظت کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے جبکہ جمنا پل کے دوسری جانب دوکلومیٹر کے فاصلہ پر فساد کی آگ لگی ہوئی تھی، کلانور اور منڈولی گاؤں میں بے شمار

مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، مگر اسد الہندؒ کی قربانی کے طفیل وہ آگ یوپی میں داخل نہ ہوسکی، ضلع سہارنپور، مظفرنگر اور میرٹھ کے مسلمانوں پر جو آج اپنے مدارس، مساجد اور خانقاہوں میں مزے کے ساتھ آباد ہیں، یہ سب اس مرد مجاہد کی قربانیوں کا صلہ اور طفیل ہے۔

ڈھکہ گاؤں کا واقعہ

ڈھکہ گاؤں جمنا ندی کے کنارے پر راجپوتوں کا گاؤں ہے، وہاں کے ایک بڑے ہندو نے مسلمانوں کو کہا کہ اگر تم اپنے آپ کو اور اپنے مال وجائیداد کو محفوظ رکھنا چاہتے ہو تو ہندو بن جاؤ ورنہ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔

خدا کا فضل ایسا ہوا کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کا رخ اللہ تعالیٰ نے اس گاؤں کی طرف فرمادیا اور آپ اپنی گھوڑی پر گشت کرتے کرتے اسی گاؤں میں پہونچ گئے، جیسے ہی حضرت اس جگہ پہنچے جہاں وہ تمام مسلمان اس ہندو نے جمع کر رکھے تھے، وہ حضرت کو دیکھتے ہی کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ بھائی مولوی صاحب آگئے، آجاؤ جی مولی صاحب اور جب تک حضرت گھوڑی پر سے اترے اور دو چار لوگوں سے مصافحہ وملاقات کی تب تک وہ چپکے سے رفو چکر ہوگیا، اور مسلمانوں پر ایسا خوف طاری تھا کہ کسی نے بھی ازخود حضرت مولانا کو یہ نہیں بتایا کہ ہم یہاں کیوں جمع ہوئے تھے،

حضرت مولاناؒ نے دریافت کیا کہ تم لوگ یہاں جمع کیوں تھے؟ اتفاق یہ کہ چارپائی کے نیچے ایک ڈبہ رکھا ہوا تھا جسمیں رنگ گھلا ہوا تھا، اس پر بھی حضرت مولانا کی نظر پڑگئی اسکے بارے میں بھی حضرت والا نے دریافت کیا کہ یہ رنگ کیسا ہے؟ تب لوگوں نے بتایا کہ حضرت اس ہندو نے ہم سب کو ہندو بنانے کے لئے جمع کیا تھا اور یہ

رنگ تلک لگانے کے لئے گھولا گیا تھا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت نے فرمایا! کہ تم لوگوں نے اسی وقت کیوں نہیں بتایا تھا اور اسکو جانے کیوں دیا؟ تا کہ ہم اس سے اس حرکت کے بارے میں معلوم کرتے، اس کے بعد حضرت والا نے ان تمام لوگوں کو سمجھایا، ایمان کی قدر وقیمت بتلائی کہ اگر تمہاری بوٹی بوٹی بھی کردی جائے تب بھی اپنے ایمان کو مت چھوڑنا، مسلمان کی یہ شان نہیں ہے کہ تھوڑی سی آزمائش پر اپنے ایمان کو چھوڑ دے

تم لوگ نہ گھبراؤ اور نہ خوف کرو، میں روز جمنا کے پل پر یا اس کے آس پاس رہتا ہوں اگر کوئی بھی ایسی بات ہو تو فوراً مجھے اطلاع کرادو، میں ان شاءاللہ فوراً پہنچوں گا۔ اسکے بعد ان تمام لوگوں نے اپنے ایمان پر قائم رہنے کا وعدہ کیا کہ انشاءاللہ کسی حال میں بھی ایمان کو نہیں چھوڑیں گے، الحمدللہ آج بھی وہ پورا گاؤں مسلمانوں سے آباد ہے بلکہ وہاں کے باشندے بذات خود کہتے ہیں کہ ہم اسد الہندؒ، حضرت مولانا زاہد حسنؒ صاحب کی برکت سے مسلمان ہیں ورنہ ہمارے ماں باپ تو مرتد بن چکے تھے۔

عالم ہے فقط مؤمن جانباز کی میراث
مؤمن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

حضرت شیخ الاسلامؒ کی نظر میں

۱۹۴۷ء کے مذکورہ بالا پرخطر حالات میں آپ کی بے پناہ قربانیوں کی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی توجہات ہر وقت آپ کی جانب مرکوز رہتی تھیں چنانچہ حضرت مدنیؒ جب بھی سہارنپور تشریف لاتے تو حضرت شیخ الحدیث شیخ زکریاؒ ودیگر اکابرین استقبال کے لئے اسٹیشن پر موجود رہتے تھے، حضرت مدنیؒ جیسے

ہی ٹرین سے اترتے تو فوراً دریافت فرماتے کہ مولانا زاہد حسن صاحب کی کسی کو خیر خیریت معلوم ہے؟ تو حاضرین میں سے کوئی نہ کوئی حضرت کے متعلق کہہ دیتا کہ جی میری ملاقات ہوئی تھی، عافیت سے ہیں تو حضرت مدنیؒ کوسکون ہو جاتا اسکے بعد دیگر حضرات سے خیرخیریت معلوم فرماتے تھے۔

ایک روز کسی شخص نے حضرت مدنی سے معلوم کر ہی لیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ آپ سب سے پہلے مولانا زاہد حسن صاحبؒ کو ہی معلوم فرماتے ہو؟ تو حضرت شیخ الاسلامؒ نے اس شخص کی جانب نظر اٹھا کر فرمایا کہ محترم مولانا زاہد حسن صاحب بڑے پُر خطر حالات میں ہریانہ باڈر پر نگرانی کر رہے ہیں، انہیں کی وجہ سے ہم اطمینان کا سانس لے رہے ہیں یا اسی کے ہم معنی دوسرا لفظ فرمایا۔

قارئین کرام حضرت مدنی کے الفاظ سے اندازہ لگائیے کہ مولانا زاہد حسنؒ کس اخلاص ومحبت کے ساتھ مسلمانوں کیلئے قربانی پیش فرما رہے تھے کہ ہمارے اکابرین بھی انکی وجہ سے سے اطمینان کا سانس لے رہے ہیں اور ان پر اعتماد بھی کئے ہوئے تھے اور ان کیلئے بارگاہ ایزدی میں دست بدعا بھی رہتے تھے۔

حضرت قطب عالم شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی نظر میں

۱۹۴۷ء میں جب آپ ایم، ایل، اے بنے تو آپ اس کے بعد حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ کی خدمت میں برائے ملاقات حاضر ہوئے تو حضرت شاہ صاحب نے بڑا احترام فرمایا اور ایک چادر بچھوا کر اس پر تشریف رکھنے کو فرمایا۔

(یہ اس وقت کی بات ہے جب تک آپ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے بیعت نہیں ہوئے تھے کیونکہ آپ کے شیخ اول حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ الحمدللہ حیات تھے)

مگر حضرت مولانا نے اس پر بیٹھنے سے ادباً معذرت فرمادی کہ حضرت میں اس لائق کہاں کہ آپ کے سامنے اس طرح بیٹھوں چنانچہ حضرت شاہ صاحب بڑے خوش ہوئے اور بہت ساری دعاؤں سے نوازا۔

۱۹۴۷ء کے انہیں قیامت خیز ایام میں کسی صاحب نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کو عرض کیا کہ حضرت حالات بڑے سنگین ہیں لوگوں پر خوف طاری ہے مگر آپ کے چہرے پر تو فکر کے آثار نظر نہیں آتے ہیں، نہ اسباب کے طور پر آپ کچھ تیاری فرما رہے ہیں؟ تو حضرت قطب عالمؒ نے دیسی زبان میں فرمایا جو بہت ہی معتمد اور بھروسہ کا لفظ ہے: فرمایا ’’کہ حالات سے نمٹنے کے لئے ہم نے اپنا جھوٹا (بھینسا) چھوڑ رکھا ہے جمنا کے پل پر،، یعنی حضرت اسد الہندؒ کو پیار میں انکی جرأت، بہادری وحوصلہ کی وجہ سے جھوٹے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ سبحان اللہ اکابر کے الفاظ میں لطف ومحبت کا ایک جہاں پوشیدہ ہوتا ہے

وہ مرد مجاہد دنیا میں دو روز کی راحت کیا جانے
تکلیف ومصیبت کے خوگر آرام و راحت کیا جانے

آپ کا ایک تاریخی انٹرویو

بلبل ہند کا خطاب پانے والی سروجنی نائیڈو سے ایک تاریخی انٹرویو۔ اجیت پرساد جین سہارنپوری جواہر لال نہرو جی کے دایاں ہاتھ تھے اور اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے فدائین (عاشقین) میں سے تھے حضرت مولانا سے بے انتہاں متأثر تھے ایک روز مولانا زاہد حسن صاحبؒ دہلی میں اجیت پرساد جین کی قیام گاہ پر موجود تھے، تو اچانک سروجنی نائیڈو صاحبہ اجیت پرساد صاحب کا انٹرویو لینے آ گئی، ان کے

سوال پر اجیت صاحب نے یہ کہا کہ آج میرے پاس حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ تشریف لائے ہوئے ہیں جو سیاست میں مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں، برابر کے کمرہ میں تشریف رکھتے ہیں، ان کے پاس جاؤ، وہ آپ کے سوالات کا جوابات بہتر انداز میں دینگے، تو سروجنی صاحبہ مولانا اسدالہند کی خدمت میں حاضر ہوگئی، اس نے حضرت والا سے اجازت لیکر ہندوستان کی موجودہ صورت حال پر ایک سے زائد سوالات کئے، جن میں سے سب سے اہم سوال یہ تھا کہ جو مسلمان کیمپ میں موجود ہیں اور وہ پاکستان نہیں جاسکے یا جانا نہیں چاہتے ہیں اور ان کے گھروں پر شرنارتھی (پاکستانی ہندو سکھ مہاجر) قابض ہوگئے ہیں، تو ان کے بسانے کی کیا شکل ہو؟

تو حضرت مولاناؒ نے اس کے سوالوں کا تشفی بخش جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ حکومت ہند نے ہم سے (مسلمانوں سے) وعدہ کر رکھا ہے کہ جو مسلمان پاکستان نہیں جانا چاہتے اور وہ کیمپوں میں موجود ہیں تو ہم انکو اپنی ذمہ داری پر بسائیں گے، ارباب حکومت کے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے اور انکے بسانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ان کو پرانے وطن میں جس گاؤں یا شہر سے وہ آئیں ہیں انکو وہاں بسایا جائے اور ان کو انکی زمین جائیداد واپس کرائی جائے، سروجنی نائیڈو صاحبہ نے سوال کیا کہ مولانا صاحب انکے مکانات اور جائیداد پر شرنارتھی قابض ہوگئے ہیں ان کو نکالنا اب آسان نہیں ہے، تو انکو وہاں کیسے واپس کرینگے؟ کیسے بسائیں گے؟ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے جواب میں فرمایا، محترمہ اسکا آسان طریقہ یہ ہے کہ شرنارتھیوں کو ان گھروں سے نکالا مت جائے بلکہ حکومت یہ کرے کہ آدھا مکان شرنارتھی کو دیدے اور آدھے مکان میں اس مسلمان مالک مکان کو بسایا جائے تاکہ اسکو یہ صبر آجائے کہ مجھے میرا وطن اور میرا مکان مل گیا ہے، سارا نہیں آدھا بھی غنیمت ہے اور شرنارتھی بھی یوں مطمئن رہیگا کہ مجھے

بھی رہنے کا ٹھکانا نصیب ہوگیا، اس طرح سے آپسی پیار و محبت بھی قائم ہوگا اور حالات بھی درست ہوجائیں گے۔

سروجنی نائیڈو صاحبہ نے اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اسکو محفوظ کر کے حکومت ہند کے سامنے پیش کر دیا حکومت ہند نے بھی اس فارمولے کو پسند کیا اور اسی کے مطابق عمل درآمد کرنے کا حکم کر دیا گیا۔ چنانچہ کیمپ میں موجود مسلمانوں کو اپنے اپنے وطن جانے کا حکم فرما دیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ شرنارتھی مالک مکان کے لئے آدھا مکان خالی کردے ورنہ قانونی کاروائی کی جائے گی، الحمد للہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی بصیرت افروز رائے کے پیش نظر تمام اجڑے ہوئے مسلمانوں کو اپنا وطن اور اپنا گھر مل گیا اور حکومت کے لئے بھی یہ بڑی مشکل آسان ہوگئی ہم نے خود بھی ہریانہ پنجاب میں مشاہدہ کیا ہے کے مسلمان کے آدھے مکان میں سکھ شرنارتھی رہتا ہے اور آدھے میں مسلمان اور کتنی ہی مسجدیں ہیں جن میں شرنارتھی آکر مقیم ہوگئے تھے پھر مذکورہ حکم کی بنیاد پر آدھی مسجد مسلمانوں کے حوالے کردی اور آدھی پر آج تک قابض ہیں اور بدل رقم لیکر بھی مسجد کا حصہ خالی کرنے کو تیار نہیں ہیں اللہ کرے ان کے دل نرم ہو جائیں اور وہ مسجد کو خالی کردیں۔ آمین

اسدالہندؒ کا خود اپنے فارمولے پر عمل

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے بھی بہت سارے مسلمانوں کو خود لے جاکر ان کے پرانے گھروں میں بسایا ہے اور آدھا مکان شرنارتھیوں سے خالی کرا کر ان کو دیا۔

چنانچہ چودھری رشید احمد صاحب کھدری والے جنکے پوتے چودھری اکرم صاحب

سابق اسپیکر ہریانہ سرکار رہیں، ۱۹۴۷ء میں وہ لودی پور اپنے رشتہ داروں کے یہاں آ گئے تھے اورانکے والد چودھری ابوالحسن صاحب کولانڈے پل پر بلوائیوں نے کاٹ کر شہید کر دیا تھا، امن ہوجانے کے بعد بھی وہ اپنے گاؤں کھدری جانے کو بالکل تیار نہ تھے، ان کے اوپر ایک قسم کی دہشت سوارتھی کیونکہ انکے والد اور دیگر کئی خاندانی افراد کو شہید کر دیا گیا تھا، مگر حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے ان کو سمجھایا اور خود انکو لیکر موضع کھدری قصبہ خضرآباد گئے اور انکو انکے آبائی مکان میں جو بہت بڑا تھا اور آج بھی ہے، شرنارتھیوں سے خالی کرا کر انکو بسایا،

جب حضرت مولاناؒ چودھری رشید صاحب کو لیکر اس گاؤں میں گئے تو شرنارتھی سکھ عورتوں نے دیکھ کر کہا، کہ او ملا جی تو یہاں اس کو لیکر فساد کرانے کو آیا ہے۔

حضرت مولاناؒ نے بڑے پیار سے فرمایا! نہیں جی میں امن کرانے لایا ہوں تمکو اجاڑنے نہیں بسانے آیا ہوں، یہ تمہارے ساتھ ملکر رہیں گے، حضرت مولانا نے ان شرنارتھیوں کو بلاکر بہت ہی پیارے انداز میں سمجھایا کہ بھائی تم انکو آدھا مکان دیدو اور آدھے میں تم رہو، تم سب اب بھائی بھائی کی طرح ہو اور دو بھائی ایک ہی مکان میں خوشی خوشی رہتے ہیں، چنانچہ وہ سب رضامند ہوگئے اور اب چودھری رشید صاحب کو بھی اطمینان ہوگیا اور انکی تمام جائیداد بھی واپس مل گئی، چودھری عبدالرّشید صاحب کے پاس صوبہ ہریانہ میں سب سے زیادہ زمین ہے، اب انکے بیٹے چودھری اکرم صاحب ان کے وارث ہیں، ہریانہ سیاست وحکومت میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں، جگادھری میں جامعہ معہد الرّشید' چودھری عبدالرشید صاحب کے نام پر ہے جو الحمدللہ آج ضلع یمنانگر میں دینی وعصری تعلیم کا اچھا ادارہ ہے۔

اس گھرانے کی تمام ترترقیات وسماجی خدمات کا سہرا حضرت اسدالہندؒ کی رہین

منت ہیں۔

جانے نہ جانے مالی ہی نہ جانے
پتہ پتہ بوٹہ بوٹہ تو حال ہما را جانے ہے

"منشی عبدالوحید خاں صاحب کا ٹرانسفر"

جناب منشی عبدالوحید صاحبؒ سرکاری ماسٹر تھے اصل مادرِوطن پٹھانوں والا چورہ تھا پھر آپ مستقل طور پر پٹھیڑ میں منتقل ہوگیئے اس وقت آپ کی آل واولاد پٹھیڑ میں آباد ہے منشی عبدالوحید صاحب حضرت مولانا زاہد حسنؒ کے معتقدین میں سے تھے اور پکے کانگریسی تھے اس وجہ سے ایک مسلم لیگی شخص نے ٹھاکر مہابیر سنگ اوفیسر ڈسٹک بوڑ کے پیروں میں اپنی ٹوپی رکھ دی کہ میری عزت کا سوال ہے منشی عبدالوحید صاحب کا ٹرانسفر قصبہ لکسر ضلع ہردوار میں کردو۔ تو آپ کا بڑا احسان ہوگا چنانچہ جب منشی جی کو اس بات کا علم ہوا تو بڑی پریشانی میں مبتلا ہوگئے۔ وہ حضرت اسدالہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی پریشانی حضرت مولانا کے سامنے بیان کی۔ حضرت مولانا زاہد حسنؒ نے فرمایا منشی جی یہ کونسی بڑی بات ہے کہ گھبرا گئے ان شاءاللہ آپکا ٹرانسفر نہیں ہوگا۔

چنانچہ اگلے روز حضرت مولانا بذات خود کیلاش پور جناب محمود علی خاں صاحب کے پاس تشریف لے گئے جو ۱۹۴۶ء میں احرار پارٹی سے ایم' ایل' اےؒ بنے تھے حضرت والا نے محمود علی خاں صاحب کو فرمایا کہ جناب خان صاحب منشی جی کا ٹرانسفر کوانا آپ کی ذمہ داری ہے بس یہ رک جانا چاہئے جناب محمود علی خاں صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جی یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے اگر آپکا حکم کسی اور بڑے مسئلہ کے متعلق بھی ہوتا تو ہم اس

کوبھی بجالاتے ۔ بہرحال محمود علی خاں صاحب کی کوشش سے منشی جی کا ٹرانسفر رک گیا۔

یہ تھی حضرت اسد الہندؒ کی عظیم فکر ملت کے ایک ایک فرد کے لیے۔

مدتوں کے بعد کہیں پیدا ہوتے ہیں وہ لوگ
مٹ تے نہیں دیر سے جنکے نشان قدم کبھی

ایس ڈی ایم صاحب اور چینی کی شفارش

ایک صاحب حضرت اسد الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چینی کی سفارش کرانے آئے کہ حضرت میں غریب آدمی ہوں میری بیٹی کی شادی ہے تو آپ میری سفارش فرمادیں تاکہ مجھے سرکاری کوٹے سے چینی کی بوری یا کچھ زیادہ مل جائے حضرت مولانا زاہد حسنؒ نے اسکی غربت کا خیال کرتے ہوئے ایس' ڈی' ایم صاحب کو سفارشی پرچی لکھ دی چنانچہ وہ صاحب پرچی لیکر ایس' ڈی' ایم صاحب کے دفتر پہنچ گئے تو ایس' ڈی' ایم صاحب جو کہ مسلمان تھا اس نے اس پرچی کو پھاڑ کر ہوا میں اڑا دیا اور موجودہ لوگوں کے سامنے مذاق بناتے ہوئے کہا کہ دیکھو لوجی ایم' ایل' اے صاحب چینی کی سفارش کر رہے ہیں انکو یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کو کس چیز کی سفارش کرنی چاہئے اور ان صاحب کو بُرا بھلا کہکر واپس کر دیا۔ یہ بات وہاں کسی موجود شخص نے اجیت پرساد جین صاحب کو پہنچادی کہ ایس' ڈی' ایم صاحب نے مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی سفارشی پرچی کا ایسے ایسے مذاق بنایا ہے اجیت پرساد جین صاحب جواہر لال نہرو جی کے خواص لوگوں میں سے ہیں اور حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے معتقدین میں سے تھے ان کو اس بات سے بڑا رنج ہوا جسکی وجہ سے انہوں نے ایس' ڈی' ایم صاحب کی شکایت ڈاریکٹ حکومت ہند سے کردی حکومت ہند نے اس بات کا نوٹس لیتے ہوئے ایس' ڈی'

ایم سے تحصیلدار بنادیا اور چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ملک چھوڑ کر پاکستان جانے کا حکم صادر کردیا جب ایس' ڈی' ایم صاحب کے پاس حکومت کا یہ فرمان پہنچا تو جناب کو دن میں ہی تارے نظر آنے لگے۔ اسکو سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ یہ واقعہ میرے ساتھ کیسے پیش آیا پھر کسی خیر خواہ نے اسکو بتلایا کہ مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی پرچی کے ساتھ جو حرکت آپ نے کی تھی یہ اس کی سزا ہے مسئلہ صرف اور صرف انہیں کے پاس جا کر حل ہوسکتا ہے اسکے علاوہ کوئی دوسرا حل نہیں ہے ایس' ڈی' ایم صاحب کی آنکھیں کھل گئی اور اب اسکو اپنی اس غلطی کا احساس ہوا اسکے بعد ایس' ڈی' ایم صاحب افتاں وخیزاں حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے گھر موضع ابراہیمی پہنچے اور حضرت کے پیر پکڑ کر معافی مانگنے لگے کہ حضرت مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی ہے حضرت مولاناؒ نے معلوم کیا کہ ایس' ڈی' ایم صاحب معافی کی ضرورت نہیں ہے آپ بتلاؤ تو صحیح بات کیا ہوئی؟ تو ایس' ڈی' ایم صاحب نے پورا واقعہ بیان کیا تو حضرت نے فرمایا کہ جناب میں نے کسی کو بھی آپ کی شکایت نہیں کی ہے اور مجھے ابھی تک اس بات کی اطلاع بھی نہیں ہے کہ یہ بات کس نے اوپر پہنچائی ہے اور حقیقت بھی یہی تھی بہرحال جب آپ تشریف لائے ہیں تو میں آپ کی دو سزاؤں میں سے ایک ختم کرادیتا ہوں جو بھی آپ کہیں اسکو واپس کرنے کی سفارش کرونگا دو سزائیں یہ تھیں۔

(۱) ایک تو ایس' ڈی' ایم سے تحصیلدار بنادیا گیا تھا

(۲) دوسرے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ملک چھوڑنے کا حکم دیا گیا تھا۔

''تقسیم وطن کا ایک اہم قانون''

جس وقت وطن عزیز تقسیم ہوا اس وقت یہ قانون بنایا گیا تھا کہ جو شخص یہاں جس

عہدہ پر ہوگا پاکستان میں بھی اس کو وہی عہدہ دیا جائیگا اور پاکستان میں جو شخص جس پوسٹ پر ہوگا اس کو ہندوستان میں وہی پوسٹ دیجائیگی۔

مذکورہ قانون کے پیش نظر حضرت مولانا اسد الہندؒ نے فرمایا کہ ایس' ڈی' ایم صاحب اگر آپ پاکستان جانا چاہتے ہیں تو میں آپ کو دوبارہ ایس' ڈی' ایم بنانے کی سفارش کردونگا' اب فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے۔

چنانچہ ایس' ڈی' ایم صاحب نے تھوڑی دیر توقف کے بعد کہا کہ حضرت آپ مجھے ایس' ڈی' ایم ہی بنوادیں' میں اگلے ۲۴ / چوبیس گھنٹوں میں ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلا جاؤں گا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی سفارش فرمادی تو اسکا عہدہ بحال کردیا گیا اور وہ پاکستان منتقل ہوکر اپنے عہدہ پر مامور ہوگیا۔

کسی صاحب نے حضرت مولانا سے کہا کہ حضرت آپ اسکی سفارش نہ کریں اس نے بڑی بدتمیزی کی ہے' تو حضرت مولاناؒ نے جواب میں ایک بہت ہی اہم بات فر مائی'' کہ بھائی' ہمارا کوئی کوئی آدمی تو ایسے عہدہ تک پہنچ پاتا ہے اور اسکو ہی ہم اپنے عزت نفس کی خاطر اس عہدہ سے کھودیں یہ تو بے غیرتی کی بات ہے ہم کسی کو ایس' ڈی' ایم ' بنوا تو سکتے نہیں ہیں مگر جو محنت وکوشش سے بن گئے ہیں کم از کم انکو کھونا بھی نہیں چاہئے''
سبحان اللہ کیا ہی حلم وبردباری اور دور اندیشی کی بات ہے۔

''یہ بھی فخر ہے کہ کسی نے وفا کی   بن گیا میرا میرے زخموں کی دوا کی''
''بھلا ہی دیئے مجھے اس نے دکھ سبھی   بن کے ملا ہے مجھ کو نعمت خدا کی''

''۱۹۷۷ء میں ایم' پی' کا الیکشن''

۱۹۵۲ء کے بعد آپ نے سیاست سے کنارہ کشی کرلی اور درس وتدریس واصلاح

معاشرہ پر ساری توجہ مرکوز فرمادی۔ اور مدارس ومکاتب کے قیام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا اور جمعیۃ علماء ہند کے کاموں کو عروج دینے میں مصروف عمل ہو گئے۔ ۱۹۷۷ میں کانگریس نے اپنے تمام پرانے نمائندوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر رابطہ کیا اور پارٹی کے اندر نئی روح پھوکنے کے لیے قدیم ورکروں سے تعلق مضبوط کیا اسی بنیاد پر حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیلئے ممبر پارلیمنٹ کا ٹکٹ کانگریس ہائی کمان نے بغیر کسی مطالبہ کے نامزد کردیا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ کانگریس اپنی بعض قبیح حرکتوں کی وجہ سے داغدار وبدنام ہوچکی تھی۔ اپوزیشن پارٹیوں نے ایک متحدہ محاذ'' پارٹی'' کے نام سے مسٹر جے پرکاش نارائن کی سربراہی میں تشکیل دیکر کانگریس پارٹی کا دیوالیہ نکالنے کی ٹھان رکھی تھی اور وہ اپنی کوشش میں بامراد بھی رہے۔ اسی لئے کانگریس کو دن میں ہی تارے نظر آرہے تھے۔

حضرت مولاناؒ الیکشن کے لئے بالکل تیار نہیں تھے مگر بعض احباب اور مشیر کاروں نے آپ کو مجبور کردیا چنانچہ آپ بادل نہ خواستہ تیار ہو گئے۔ اس الیکشن میں سیدھا مقابلہ جنتا پارٹی سے تھا جو پورے جوش وخروش کے ساتھ میدان میں تھی لوگ کانگریس کی حرکتوں سے شدید متنفر تھے اس کے باوجود حضرت مولانا زاہد حسنؒ صاحب اپنے اثر ورسوخ اور مقبولیت کی بنیاد پر کثیر تعداد میں ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب رہے لیکن تدبیر پر تقدیر غالب رہی اور آپ زیادہ ووٹ حاصل کرنے کے باوجود ہار گئے۔ اس بات کی گواہی دینے والوں سے راقم السطور کی براہ راست ملاقات ہوئی جو اس بات پر شاہد ہیں کہ حضرت مولاناؒ کے ووٹوں کے ڈبوں میں آگ لگائی گئی تھی اور یہ کام آسانی سے اسلئے ہوا کہ الیکشن کمیشن بھی کانگریس کا حامی نہیں تھا۔

"قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند"

"جبکہ دوچار ہاتھ لب بام رہ گیا"

اس الیکشن میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے الیکشن منیجر مولانا حسیب صدیقی صاحب سابق چیئر مین دیوبند تھے "اللہ تعالی انکو غریق رحمت کرے" (ابھی جنوری ۲۰۱۹ء میں وہ حرکت قلب بند ہونے کے سبب اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

انتقال سے کچھ ہی ایام قبل راقم السطور کی ان سے مسلم فنڈ دیوبند کے دفتر میں تفصیلی ملاقات ہوئی تھی۔تو راقم نے انکو حضرت اسدالہندؒ کے متعلق اپنے تاثرات تحریر کرنے کی گزارش کی تو انہوں نے پر جوش انداز میں کہا کہ مولانا زاہد حسن صاحبؒ جیسے لوگوں سے زمانہ خالی ہوگیا ہے ان جیسے لوگ کتابوں میں تو مل سکتے ہیں مگر خارج میں ملنا بہت مشکل ہے۔انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وقت نکال کر آپ آجائیں میں ان شاء اللہ آپ کو تفصیل سے انکے تاثرات لکھواؤں گا۔ افسوس! ان کو کیا خبر تھی کہ قاضی تقدیر نے میرے ہی تاثرات لکھے جانیکا فیصلہ فرما دیا ہے) انکے تفصیلی تاثرات ان شاء اللہ آگے آرہے ہیں مجھے تو یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ ۱۹۷۷ء میں حضرت مولاناؒ کے ساتھ دھاندلی ہوئی تھی اس بات کے شاہد مولانا حسیب صدیقی صاحب منیجر مسلم فنڈ دیوبند بھی ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ کانگریس کی نحوست تھی کہ حضرت مولاناؒ جیت کر بھی ہار گئے اللہ تعالی کو یہی منظور تھا تاکہ کانگریس کو اس کے کئے کی سزا ملے اور یہ ہوا کہ اندرا گاندھی ذلیل و خوار ہوکر رہ گئی۔ بڑی شان ہے میرے پروردگار کی۔ و تعز من تشاء وتذل من تشاء

"سرساوہ میں چودھری یشپال سنگ کا جلسہ"

۱۹۷۷ء کے الیکشن کے بعد جب کانگریس ہار گئی تو چودھری یشپال سنگ تیتروں نے جو کانگریسی لیڈر تھے اور خود ایم پی کے ٹکٹ کے خواہاں تھے مگر کانگریس ہائی کمان نے ٹکٹ حضرت مولانا کو دیدیا تھا اسلئے وہ اندرونی طور پر مولاناؒ سے خوش نہیں تھے۔انہوں نے ایک جلسہ قصبہ سرساوہ میں بلایا تاکہ ان وجوہات پر غور کر سکیں جنکی وجہ سے کانگریس ہاری ہے اس کے بعد ان وجوہات کی تلافی کرنے کی کوشش کی جائے اور آئندہ کیلئے لائحہ عمل مرتب کیا جائے اور اندرونِ خانہ وہ اپنا دفعہ کرنا چاہتے تھے کہ کہیں میرے اوپر یہ حرف نہ آجائے کہ چودھری یشپال سنگھ نے اپنے کو ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ سے پارٹی کا ساتھ نہیں دیا ہے احالانکہ حقیقت یہی تھی حضرت مولانا زاہد حسن رحمۃ اللہ علیہ کی دور اندیشی دیکھئے جب حضرت مولاناؒ اس جلسہ میں تشریف لائے تو حضرت کو اظہارِ خیال کے لئے بلایا گیا تو حضرتؒ نے ڈائز پر جاکر ایک شعر پڑھا۔۔

"تسبیح کے توڑنے میں خود ان کا ہی ہاتھ ہے"

"جو آج رو رہے ہیں کہ دانے بکھر گئے"

چلکانہ تھانے کے ایس او منتھی لال شرما جی اسٹیج پر تھے انہوں نے شعر سن کر کہا کہ مولانا صاحب چلو بس جلسہ مکمل ہوگیا اور جلسہ کا مقصد واضح ہوگیا۔

کیونکہ جلسہ بلایا گیا تھا ہی اسی لئے تاکہ غور کریں کہ کانگریس کیوں ہاری ہے اور اس کی نشاندہی حضرت اسدالہندؒ مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے اس شعر کے اندر کردی ہے کہ جو آج رو رہے ہیں انہیں کی وجہ سے کانگریس پارٹی ہاری ہے۔حضرت اسدالہندؒ نے

جہاں قوم کو دینی تعلیمی تڑپ اور سوجھ بوجھ دی ہے وہیں قوم کے اندر سیاسی بیداری اور شعور بھی بیدار کیا ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ رواداری

علاقہ کے تمام ہندو آپ کا بے حد احترام کرتے تھے کیوں کہ آپ ان کے ساتھ بہت ہی رواداری اور انصاف کا معاملہ فرماتے تھے ۱۹۴۷ء میں فساد کا ایک عظیم خوف تھا تو اس دوران گاؤں ابراہیمی کے تمام ہندوؤں نے اپنے سارے ہتھیار لاکر آپ کو دیدئے کہ اپنے پاس رکھ لو تاکہ گاؤں کے لوگ مطمئن ہوجائیں یہ آپ کے اثر و رسوخ کی اور غیر مسلموں کے دل میں آپ کے تئیں عقیدت مندی کی بات تھی۔ اسی طرح ۱۹۸۴ء کے دنگوں میں آپ اپنی چارپائی سرساوہ گردوارے کے سامنے بچھا کر بیٹھ گئے تھے اور اعلان کیا کہ اقلیتوں کا تحفظ ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ کی اس جرأت مندی سے ایک بہترین پیغام گیا اور سرساوہ علاقہ میں سکھوں کے ساتھ کوئی نامناسب واقعہ پیش نہیں آیا

آپکا ایک اور تاریخی کارنامہ

گوجر برادری کے اکثر لوگ جمنا ندی کے دونوں کناروں پر کوہ سوالک (چھوٹے پہاڑوں کی وہ زنجیر جو جموں سے لیکر ہماچل اتراکھنڈ کو ہوتی ہوئی نیپال تک چلی گئی کوہِ سوالک کہلاتی ہے) سے لیکر دہلی تک آباد ہیں اور ان میں بھی اکثر مسلم گوجر آباد ہیں، جب ہندوستان میں جمنا ندی میں طغیانی آتی ہے تو ان لوگوں کو جانی و مالی شدید

نقصان ہوتا ہے، بعض دفعہ تو بستیاں کی بستیاں اجڑ جاتی ہیں آپ کے اندر اس بات کو لیکر بڑا درد تھا چنانچہ جب ہندوستانی راشٹر پتی جناب چودھری فخرالدین گوجر صاحب بنے تو حضرت مولانا زاہد حسنؒ نے ان تک یہ پیغام پہنچایا کہ جمنا ندی کے دونوں کناروں پر تمہاری برادری کے اکثر لوگ آباد ہیں اور جمنا میں طغیانی کے وقت انکی بستیاں اجڑ جاتی ہیں اور فصلیں تباہ ہوجاتی ہیں اگر آپ جمنا کے دونوں طرف کڑا (باندھ) بندھوادیں تو قوم پر تمہارا بڑا احسان ہوگا اور اس سے انکا بڑا فائدہ ہوجائیگا، چنانچہ چودھری فخرالدین صاحب کو یہ بات پسند آئی اور انہوں نے اس پیغام کا نوٹس لیتے ہوئے جمنا کے دونوں طرف باندھ باندھنے کا حکم صادر فرمادیا، الحمدللہ اس سے ان تمام لوگوں کا بڑا فائدہ ہوا۔ اور ان کی بستیاں محفوظ ہوگئیں

راشٹر پتی چودھری فخرالدین علی احمد گوجر

چودھری فخرالدین ۳ مئی ۱۹۰۵ء کو پیدا ہوئے اور ۱۱ رفروری ۱۹۷۷ء کو وفات پا گئے،۔ چودھری فخرالدین دہلی کے اندر پیدا ہوئے، انکے والد ذوالنور علی احمد پہلے ہندوستانی تھے جنہوں نے انڈین میڈیکل سروس کا امتحان پاس کیا تھا، چودھری صاحب نے اعلیٰ تعلیم کیمبرج انگلستان سے حاصل کی ہے ۱۹۲۷ء میں ہسٹری میں پاس کیا اور ۱۹۲۸ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا، ۱۹۳۵ء میں کانگریس میں شامل ہوئے، اور مسلم لیگ کے خلاف الیکشن لڑکر کامیاب طریقہ سے اسمبلی آسام میں داخل ہوئے، ۲۹ جنوری ۱۹۶۶ء میں مرکزی کابینہ وزیر آب پاشی وبجلی رسانی مقرر ہوئے، آپ وزیر تعلیم، وزیر صنعت اور وزیر خوراک و زراعت بھی رہے۔ ۲۴ اگست ۱۹۷۴ء میں آپ پانچویں صدر کی حیثیت سے جمہوریۂ ہند منتخب ہوئے۔ انکو اردو ادب سے بھی بے پناہ لگاؤ تھا

غالب کی شایانِ شان یادگار ایوانِ غالب آپ ہی کی رہینِ منت ہے آپ کی اولاد میں ایک بیٹی بیگم سمینہ چودھری اور دو بیٹے چودھری پرویز علی احمد اور چودھری بدر علی احمد ہیں ۱۱رفروری ۱۹۷۷ء کو دورۂ قلب کے سبب دہلی میں انکا انتقال ہوگیا' آپ کی موت کی خبر سنتے ہی سارا ملک رنج وغم میں ڈوب گیا دنیا کے اکثر ملکوں سے پیغامات موصول ہوئے اور درجنوں ملکوں کے نمایئدوں نے آپ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی آپ نئی دہلی کی جامع مسجد کے قریب دفن ہیں۔ وزیر اعظم ہند اندرا گاندھی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ مجھے سخت صدمہ پہنچا ہے میں وفورِ غم سے اتنی نڈھال ہوں کہ اپنے جذبات کے اظہار سے قاصر ہوں چودھری صاحب ایک عظیم ہندوستانی شریف انسان اور پکے مسلمان تھے ساغر نظامی صاحب نے انکا مرثیہ لکھا تھا۔

''وہ آبروئے شہر حکیمانہ چل بسا
آئینہ دار بزمِ ادیبانہ چل بسا
وہ آبروئے طرزِ غریبانہ چل بسا
قائم تھی جس سے شانِ کریمانہ چل بسا
ہر سانس جسکی شانِ وطن پر نثار تھی
ماتم ہے ہر طرف کہ وہ پروانہ چل بسا
ساغر پہ جس سے روپ تھا بادہ میں جس سے کیف
وہ آبروئے ساغر و پیمانہ چل بسا

آٹھواں باب

اقوالِ اکابرینِ امت کے بیان میں

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب دیوبندیؒ کا قول

اسدالہند حضرت مولانا زاھد حسن صاحبؒ کے انتقال کے بعد جامعہ بدرالعلوم گڑھی دولت میں حضرت کی وفات پر تعزیتی پروگرام منعقد کیا گیا، جس میں حضرت مولانا فدائے ملت سید اسعد مدنی صاحبؒ نے اپنے تأثرات میں فرمایا کہ مولانا زاہد حسن صاحبؒ بہت ہی متحرک اور کمپیوٹر ذہن کے شخص تھے، نہ خود چین لیتے تھے اور نہ ہم کو لینے دیتے تھے۔ ہم جمعیۃ علماء ہند کے ایک تاریخ ساز کارکن اور ایک بہترین قومی وملی رہنما سے محروم ہوگئے ہیں۔ حضرت ممدوح گرامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ سے تقریباً دس سال بڑے تھے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے سر چڑھے وپیرو پڑے تھے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات کے بعد ان کے ملی وسماجی دینی مشن کو سنبھالنے میں اور آگے بڑھانے میں جن اکابرین نے حضرت فدائے ملت کو سہارا دیا ان میں سرفہرست حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کا نام آتا ہے۔ ان کے جذبۂ خلوص اور وفاداری کی قدر اب تک مدنی خاندان میں زندہ وجاوید ہے۔

صوفیٔ زماں حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ جلال آبادی کا قول

مولوی محمد ناظم صاحب مفتاحی ماجروی انہوں نے راقم الحروف کو نقل کیا کہ ایک مرتبہ حضرت جلال آبادی نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا تھا کہ حضرت مولانا زاہد حسن

صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگر کسی اور برادری میں ہوتے تو بیس گاڑی آگے ہوتی اور بیس پیچھے، مگر انہوں نے اپنے آپ کو بہت ہی مٹایا اور چھپایا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ سلسلۂ تصوف کے چاروں سلسلوں میں ان کا مقام بڑا اونچا تھا، اللہ اکبر کبیرا!

اس کی جو بات تھی کردار تھی گفتار نہ تھی ☆ اس کو مطلوب کبھی گرمیٔ بازار نہ تھی
بات جو کہتا تھا ہوتی تھی وہ پتھر کی لکیر ☆ اس کی اک ذات تھی مجموعۂ اوصافِ کثیر

یہ باتیں تو اہل اللہ اور اس راہ کے راہی و ماہرین ہی خوب سمجھتے ہیں، ہم نفس کے مارے، خواہش کے پجاری کیا جانے۔

حضرت الشیخ مفتی عبدالغنی صاحب قاسمی ازہری مدظلۂ العالی کا قول

ابھی چند روز قبل حضرت مولانا محمد عارف صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد قیصر صاحب ناظم کنز العلوم ٹڈولی اور راقم الحروم حضرت مفتی عبدالغنی صاحب ازہری دامت فیوضہم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلسلۂ گفتگو کے درمیان حضرت مفتی صاحب نے مولانا محمد عارف صاحب اور مولانا محمد قیصر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم لوگوں نے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے مقام و مرتبے کو نہیں سمجھا ہے، ان کی روحانی قوت آج بھی اس قدر مؤثر ہے کہ اگر آپ روزانہ تھوڑی دیر کے لئے ان کے مزار پر حاضری دے دیا کرو، تو ان کی نسبتِ روحانی انشاء اللہ آپ کو منتقل ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ سائیں جیؒ کا قول

مشہور مجذوب عبداللہ سائیں جی جو سال گزشتہ انتقال فرما گئے۔ بڑے صاحب کشف شخص تھے۔ ایک روز اسی طرح راقم الحروف اور حضرت مولانا محمد عارف قاسمی صاحب دامت برکاتہم حضرت مولانا محمد قیصر صاحبؒ کے لئے دعا کی درخواست کرنے

سائیں جی کی خدمت میں حاضر ہوئے دوران ملاقات سائیں جیؒ نے مولانا عارف صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے مولوی زاہد کا کیا حال ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ جی ان کا تو تیس سال پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ سائیں جیؒ نے پھر اپنے مخصوص لہجہ میں فرمایا۔ وہ تو مزے کر رہا، وہ تو مزے کر رہا۔'' ہم لوگ حضرت سائیں جی سے ملاقات کے بعد مگن پورہ حضرت مفتی عبدالغنی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت مولانا محمد عارف صاحب نے سائیں جی کی یہ بات جو انہوں نے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے متعلق کہی تھی اس کو بیان کیا تو حضرت مفتی عبدالغنی صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ یہ وہ باتیں ہیں جو ہماری مادی دنیا سے بالاتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں پر بعض حالات منکشف فرما دیتے ہیں۔

حضرت مفتی مظفر صاحب نوراللہ مرقدہ سابق ناظم جامعہ مظاہر علوم وقف کا قول

فرمایا کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک شخص عالم ماہر بھی ہو اور کامل بزرگ بھی (یعنی صاحب نسبت) مگر حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ میں دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ان کو اپنے علم پر تفوق حاصل ہے کتابوں کے حاشیہ اور صفحات پر بھی عبور حاصل تھا۔ مفتی دلشاد صاحب ماجروی مظاہر علوم وقف میں مدرس تھے تو ایک روز مفتی مظفر حسین صاحبؒ نے مفتی دلشاد صاحب سے معلوم کیا کہ آپ نے مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے کچھ پڑھا ہے، مفتی دلشاد صاحب نے عرض کیا کہ جی نہیں۔ تو حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ نے بڑی اہم بات فرمائی۔ فرمایا کہ اگرچہ آپ نے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے باضابطہ کچھ نہیں پڑھا، مگر آپ اپنے آپ کو ان کا شاگرد ہی سمجھتے رہنا۔ کیونکہ آپ کے بڑوں کا دینی مزاج بنانے میں من حیث القوم انہی کی محنت کا کرشمہ

ہے۔جس کی بدولت آپ آج مدرسوں سے وابستہ ہو۔سبحان اللہ کیا نکتہ پیدا کیا۔یہ ہوتی ہے بڑوں کی بڑی باتیں۔

جناب مولانا حسیب صدیقی صاحب منیجر مسلم فنڈ دیوبند کا قول

مولانا حسیب صدیقی سابق منیجر مسلم فنڈ وچیئر مین دیوبند جو بڑے بابصیرت شخص تھے جو حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے ۱۹۸۷ء کے الیکشن میں P.A. رہے جمعیۃ علماء ضلع سہارنپور اور شرعی پنچایت سہارنپور کے حضرت مولانا ممدوحؒ کے امور کو انجام دینے کے سرگرم کارکن تھے۔مولانا حسیب صدیقی صاحب ان باتوفیق بندوں میں سے تھے جنکو حضرت مولانا زاہد حسنؒ کی سیاسی، سماجی، ملی، سفر حضر کی کافی صحبتیں میسر رہی ہیں۔

ان کا بھی چند مہینے پہلے جنوری ۲۰۱۲ء میں عارضہ قلب کی وجہ سے اچانک انتقال ہوگیا ہے۔اللہ تعالی ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔راقم الحروف انتقال سے چندروز قبل ان کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوا تھا کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے متعلق اپنے مشاہدات وتاثرات تحریر فرما کر عنایت فرمادیں۔

تو مولانا صدیقی صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لی اس کے بعد فرمایا کہ مولوی صاحب مولانا زاہد حسن صاحب جیسے افراد ڈھونڈے نہیں ملتے۔میں نے ان کو حضر سفر میں دیکھا ہے رات اور دن میں دیکھا ہے ان کی جلوت وخلوت کا مشاہدہ کیا ہے، میں نے ان کے بعد ان جیسا بزرگ نہیں دیکھا ہے۔آج مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ ان کی سوانح کو ترتیب دے رہے ہیں، یہ کام آج سے بہت پہلے ہونا تھا مگر نہیں کیا جاسکا چلو دیر آید ہی غنیمت ہے میں ضرور لکھونگا۔

مگر آپ جو لکھ چکے ہیں وہ ایک بار مجھے دکھادیں۔تاکہ جو لکھا جا چکا وہ مکرر نہ ہو اور

جو چھوٹ گیا اس کو میں انشاء اللہ تحریر کر کے دونگا۔پھر فرمایا کہ مولوی صاحب بعض باتیں ان کی میرے پاس وہ ہیں جو میرے علاوہ کسی کے علم میں نہیں ہیں۔

راقم الحروف ان سے وعدہ کر کے رخصت ہوا۔کہ بہت جلد میں مسودہ آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہونگا۔کسے معلوم تھا کہ مولانا اسد الہندؒ کی خوبیاں تو پوشیدہ ہی رہنی ہیں۔چند ہی روز بعد مولانا صدیقی صاحب عارضہ قلب کی وجہ سے سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون اور ہمارا یہ خواب بھی ٹوٹ گیا۔

مولانا حسیب صدیقی صاحب حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے بڑے عقیدت مندوں میں سے ایک تھے جس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ آج تیس سال گزر جانے کے بعد بھی انتہائی مشغولیت کے باوجود وہ ان کے مسودہ کو دیکھنے کے لئے اور لکھنے کے لئے بڑے احترام کے ساتھ تیار ہیں۔ورنہ ان کے پاس منٹوں سیکنڈوں کا وقت بھی خالی نہیں ہوتا تھا۔

ہر فتنہ وتخریب سے بیزار ملے ہیں ☆ مے خانے میں کچھ صاحب کردار ملے ہیں

حضرت مولانا اسد الہندؒ کے جنازے میں مولانا حسیب صدیقی صاحب کا تاثراتی قول

مولانا حسیب صدیقی صاحب نے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے جنازے میں ہجوم یاراں کو دیکھ کر فرمایا کہ آج حضرت مولانا زاہد حسنؒ کی بے پناہ خموش جدوجہد کا راز کھل کر سامنے آگیا ہے۔کہ گوجر برادری کے چہروں پر یہ داڑھیوں کی کثرت حضرت اسد الہندؒ کی خموش جدوجہد اور مخلصانہ دعوت کی عکاس ہے جسکے نتیجہ میں برادری اور قوم کی سوچ اور فکر ہی ماشاء اللہ تبدیل ہوگئی ہے۔اللہ اکبر

عزم واستقلال کا کوہِ گراں

حضرت مولانا محمد طاہر صاحب شیخ الحدیث فیضِ ہدایت رحیمی رائے پور خانقاہ کا قول:

فرمایا کہ اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ عزم واستقلال کے پہاڑ تھے۔

جب شاہ عبد العزیز صاحب پاکستان سے تشریف لائے تو حضرت نے بھی مستقل خانقاہ رائے پور میں قیام فرمایا عصر کے بعد ہم لوگ بھی ملاقات کے لئے جاتے تھے ایک روز حضرت کو نزلہ زکام کی شکایت شدید ہوگئی سردی کا زمانہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی طبیعت آج اچھی نہیں ہے اور سردی بھی کافی ہے یہاں واردین وصادرین کا ازدحام ہے اسلئے آپ آج ہمارے ساتھ مدرسہ میں تشریف لے چلیں ذرا وہاں آپ کو سہولت مل جائے گی۔

ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب ابھی تو سردی بہت کم ہے اس فقیر نے شدید ترین سردی کی طویل راتیں بارہا لٹھے کی چادر میں کاٹی ہیں، آج تو میرے پاس کمبل بھی موجود ہے اس لئے میں اپنے نفس کے لئے مدرسہ میں نہیں جاؤں گا یہاں لوگ ومہمان دور دراز سے سفر کر کے ہماری خاطر آئیں اور ہم یہاں موجود نہ رہیں میرا ضمیر اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

حضرت مولانا زاہد حسن صاحب مدرسہ رائپور کی شوریٰ کے ممبر تھے، تو ایک دفعہ شوریٰ کے موقع پر میں اجلاس کا دعوت نامہ لیکر ابراہیمی گیا، اور حضرت سے وعدہ کر دیا کہ حضرت آپ کو لینے مدرسہ کی گاڑی آئیگی، فرمایا کہ میں خود آجاؤں گا مولوی صاحب! میں نے عرض کیا کہ حضرت جب گاڑی موجود ہے تو اتنی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت ہے اور

پھر آپ کو تاخیر بھی ہوسکتی ہے، فرمایا کہ چلو جیسا آپ بہتر سمجھیں میں وعدہ کر کے آگیا۔

شوریٰ کے دن صبح کو گاڑی کو دیکھا تو وہ اسٹارٹ نہ ہوئی بڑی پریشانی ہوئی، وہ فون کا زمانہ تو نہیں تھا، کہ خبر کرادیتے اسلئے ہم مجبور ہوگئے۔

حضرت ایک وقت تک انتظار کر کے خود ہی چل دئے اور شدید دوپہر کے وقت مدرسہ پہنچے۔ اس حال میں کہ آپ پسینہ پسینہ ہو رہے تھے صاحبزادۂ محترم مفتی محمد طیب صاحبؒ ساتھ تھے میں دیکھتے ہی شرمندہ اور خوفزدہ سا ہوگیا کہ اب حضرت ڈانٹیں گے۔

اس وقت حضرت مفتی عبد العزیز صاحبؒ میرے پاس کھڑے تھے مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ سب تکلیف آپ کو طاہر کی وجہ سے ہوئی، کہ جب اس نے گاڑی کا وعدہ کیا تھا تو گاڑی کا کچھ بھی انتظام کرتا۔ آج صبح جب گاڑی کو دیکھا تو وہ خراب نکلی، شوریٰ اس وقت اپنے آخری مرحلہ میں تھی۔ فرمایا کہ اگر مولوی صاحب وعدہ نہ کرتے تو انشاء اللہ وقت پر حاضر ہوجاتا، میں انتظار کرتا رہا مگر جب ایک حد تک تاخیر ہوئی میں اِس کو (حضرت مفتی طیب صاحبؒ) ساتھ لیکر چل دیا۔

اس کے علاوہ حضرتؒ نے ایک حرف نہیں کہا نہ غصہ ہوئے نہ ناراض ہوئے۔ اللہ اکبر کیسی بردباری اور کیسی شفقت تھی۔

تعارف

حضرت مولانا محمد طاہر صاحب ساکن بکر پور پوسٹ جسمور، قصبہ ''بہٹ'' کے ہیں، بڑے متقی پرہیز گار صاحبِ نسبت شخص ہیں حضرت امیر المؤمنین فی الحدیث شیخ یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں اس وقت مدرسہ فیضِ ہدایت رحیمی رائے پور کے شیخ الحدیث ہیں، اللہ تعالیٰ عمر دراز فرمائیں آمین۔

حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دامت برکاتہم کی زبانی۔۔

حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا برادری پر اتنا بڑا احسان ہے کہ ساری برادری بھی مل کر اس احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتی

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ دن بھر کبھی گھوڑی پر کبھی پیدل سفر فرماتے اور لوگوں کے کام سنوارتے تھے اصلاحِ معاشرہ کے لئے کوشش فرماتے تھے اور رات کو اللہ تعالی کے سامنے رورو کر اپنی قوم کے لئے دعا فرماتے تھے

کہ اے اللہ میری قوم کے دلوں کو تعلیم کی طرف متوجہ فرمادے میری قوم میں علماً صلحاً پیدا فرمادے۔

پھر فرمایا کہ مولوی صاحب جو آج آپ کو یہ علمائے کرام اور حفاظِ کرام کی جماعت نظر آتی ہے اور یہ داڑھی ٹوپیوں سے مزین چہرے نظر آتے ہیں ان سب کے پیچھے ہمارے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی بے لوث قربانیوں کی طویل جدو جہد کا راز پوشیدہ ہے

جمعیۃ علماء ہند کو مضبوط کرنے میں بھی آپ کا بنیادی کردار رہا ہے حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات کے بعد آپ نے فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ کے ساتھ دست وبازو بنکر ملی وقومی خدمات کو انجام دیا ہے۔انکی کس کس خوبی کو بیان کیا جائے وہ تو ایک سمندر تھے۔اللہ تعالی ہم سب کی طرف سے ان کو جزائے خیر نصیب فرمائے

ایک اندوہناک خبر بقلم حضرت مفتی دلشاد صاحب ماجروی

مجاہد ملت قائد اعظم اور رہبر قوم حضرت الحاج مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے انتقال

کی جب پر ملال خبر پہنچی اس وقت۔ بندہ جامعہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور میں تدریسی خدمت میں مصروف تھا اور درسگاہ میں پہنچ کر سبق شروع کرنے کی تیاری میں تھا کہ دفتر سے فقیہ دوراں حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ ناظم اعلی جامعہ مذکور نے احقر کے پاس چپراسی بھیجا۔اس نے کہا کہ آپ کو حضرت ناظم صاحب نے طلب کیا ہے۔احقر حاضر خدمت ہوا۔حضرت موصوف نے مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے انتقال کی خبر سنا کر مولانا مغفور کی ستائش میں ایسے کلمات فرمائے جو میں نے کبھی کسی سے نہیں سنے تھے۔اور ناظم صاحب کے چہرے پر حزن وملال کے آثار نمودار تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ حضرت مفتی صاحب کو مولانا سے مودت ومحبت کا شدید اور گہرا تعلق ہے؛ چنانچہ احقر سے فرمایا کہ آپ فوراً چلے جاؤ اور میں علامہ رفیق صاحب کے ساتھ بعد میں آؤنگا۔احقر نے نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی،سعادت حاصل کی۔ پھر آئندہ روز حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ اور علامہ رفیق صاحبؒ دونوں بزرگ برائے تعزیت تشریف لے گئے اور صاحبزادگان سے ملاقات فرما کر حضرت مولانا مرحوم کی خدمات اور اخلاق کریمانہ اور باہمی رابطہ وتعلق اور صبر کی تلقین وغم کا اظہار کرتے ہوئے دعائے مغفرت فرمائی۔ بندہ بھی دعا گو ہے کہ باری تعالی حضرت والا کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس بلا حساب عطا فرمائے۔

کون کہتا ہے کہ مرد مومن مر گیا۔وہ تو مے خانہ چھوڑ اپنے گھر گیا

استادی قاری عبدالواجد صاحب کی زبانی:

راقم الحروف اپنے استاد محترم حضرت قاری عبد الواجد صاحب دامت برکاتہم (اب رحمۃ اللہ علیہ ہو گئے) ترمت کھیڑوی کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور عرض کیا کہ

حضرت آپ نے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کو خوب دیکھا ہے۔آپ نے ان کو کیسا پایا؟۔میں ان کی حیات وخدمات پر کچھ خامہ فرسائی کررہا ہوں۔حضرت قاری صاحب کواس بات سے بڑی مسرت ہوئی۔اورفرمایا کہ میں انشاء اللہ ضرور بتلاؤں گا اوراپنی نیک دعاؤں سے نوازتے رہے

اس کے بعد میری ملاقات حضرت قاری صاحب سے ۱۴ ستمبر ۲۰۱۹ء کوموضع کپوری کی مجلس ذکر میں ملاقات ہوئی تو حضرت قاری صاحب نے سلسلہ گفتگو کے دوران خود ہی فرمایا کہ بھائی تم حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے متعلق دریافت کر رہے تھے تو بات یہ ہے کہ میں باضابطہ ان کی صحبت میں تو نہیں رہا البتہ بارہا ان سے ملاقات اوران کے بیانات سننے کا موقع میسر ہوا۔اللہ تعالی نے ان کو اپنی قوم کا بڑا درد عطا فرمایا تھا۔آج یہ جو مدارس ومکاتب کا علاقہ میں جال نظر آتا ہے یہ انہیں کی مخلصانہ محنت کا صلہ ہے۔ان جیسے اب کہاں تلاش وجستجو کے بعد بھی میسر نہیں آتے ہیں۔فرمایا کہ اسی پر یاد آیا۔ایک مرتبہ حضرت ماجری تشریف لائے تو عندالملاقات دیر تک گفتگو ہوتی رہی تو میں نے عرض کیا کہ حضرت جیسے ہمارے اکابر تھے ایسا اب کوئی نظر نہیں آتا ہے۔تو حضرت مولاناؒ نے میری کمر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ قاری صاحب جیسے آج اہل اللہ واکابر موجود ہیں کل آنے والے وقت میں ایسے بھی تلاشِ بسیار کے باوجود نہ مل سکیں گے۔

اللہ تعالی ہمیں تو انہیں کی قدر کرنے کی توفیق فرمادے تو بس ہمارا کام بن جائے گا۔مجھے حضرت والا کی یہ بات بہت یاد آتی ہے۔کہ یقیناً حضرت نے بالکل درست فرمایا تھا کہ آج ان جیسے بھی کوئی نظر نہیں آتے ہیں۔یکے بعد دیگرے ہمارے اکابر بھی بڑی تیزی سے اپنے رب کے جوار میں منتقل ہورہے ہیں آج تو جس طرف نظر

آٹھاتے ہیں تو چٹیل میدان نظر آتا ہے۔بہر حال یہ ہیکہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ قوم وملت کے بے لوث خادم علم وعمل کے پیکر اوراخلاص وللّٰہیت اورفنِ تصوف کے علمبردار تھے۔

مدت کے بعد کہیں پیدا ہوتے ہیں وہ لوگ
مٹ تے نہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

حافظ محمود صاحبؒ ڈھولا پڑھوی کی زبانی

فرمایا کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت اب ڈھونڈ نے سے بھی نظر نہیں آتی ہے اوران کے سراپا کو بیان کرنے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں وہ اپنی قوم پر دین کے معاملہ میں بڑے حریص تھے ہم جو آج دو لفظ اللہ کے کہ لیتے ہیں یہ سب انہی کی مہربانی ہے ورنہ نہ جانے آج کہاں دھکے کھاتے ہوتے۔ایک بار میں حضرت مولاناؒ کی تاریخ لینے گیا تو فرمایا کہ بھائی میرے پاس اس تاریخ میں وقت نہیں ہے ورنہ ضرور حاضر ہوتا

میں نے عرض کیا کہ حضرت مفتی طیب صاحب کو بھیج دیجئے فرمایا ہاں بھائی یہ بات لگ گئی تمہاری۔اس کے بعد حضرت مفتی طیب صاحبؒ کو مخاطب ہوکر فرمایا کہ طیب یہ جب بھی بلاویں تب بھی جانا ہے اورنہ بلائیں تب بھی جانا ہے۔

پیرومرشد حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ زاہد حسن اپنی قوم میں بلائیں تو بھی جانا ہے اورنہ بلائیں تو بھی جانا ہے۔اللہ اکبر

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے کہ نقشِ قدم چومتا چلوں

فرمایا۔ کہ ۱۹۴۶ء میں جب حضرت مولانا زاہد حسن صاحب ایم۔ ایل۔ اے منتخب ہو کر آئے تو گنگوہ کے لوگوں نے ہاتھی پر بٹھا کر استقبال کیا جب حضرت کی سواری غلام اولیا محلہ میں پہنچی تو شور شرابہ کی آواز سن کر حضرت حکیم نومیاں صاحب نے دریافت کیا کہ شور کیسا ہے؟ تو مخبر نے بتلایا کہ جی ہاتھی پر مولوی زاہد حسن کا استقبال ہو رہا ہے۔

جس وقت سواری حضرت حکیم صاحبؒ کے مکان کے قریب پہنچی تو حضرتؒ مولانا زاہد حسن صاحبؒ اتر کر حضرت حکیم صاحب کی خدمت میں بغرضِ ملاقات حاضر ہوئے تو حضرت حکیم نومیاں صاحبؒ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے سوال کیا کہ آپ شاہ ہو یا درویش؟؟ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے جواب میں فرمایا کہ جی درویش۔ حضرت حکیم صاحب نے فرمایا درویش اور ہاتھی۔ بس پھر کیا تھا حضرت باہر تشریف لائے اور ہاتھی پر بیٹھنے سے انکار کر دیا لوگوں نے بہت زور لگائے مگر پھر حضرت مولاناؒ ہاتھی پر نہیں بیٹھے

نوٹ: حضرت حکیم عبدالرشید صاحب عرف حکیم نومیاںؒ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے پوتے ہیں اور حضرت تھانویؒ کے خلیفہ مجاز ہیں، بہت بڑے عالم اور تمام اکابرین کا مرجع تھے۔

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب گنگوہی کا قول

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب گنگوہی دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کو حضرت حکیم نومیاں صاحبؒ کی خدمت میں بارہا دیکھا ہے حضرت مولانا زاہد حسن صاحب بڑے سادہ مزاج بزرگ تھے حضرت حکیم نومیاں صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ تین آدمیوں کی سادگی دیکھ کر صحابہ یاد آجاتے ہیں ایک حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوسرے حضرت مولانا محمد کامل صاحبؒ اور تیسرے حافظ نسیم صاحبؒ سانگا ٹھیڑہ والے

حافظ منظور صاحب دامت برکاتہم کی زبانی

حافظ منظور صاحب دھلا پڑوی دامت برکاتہم استاذ کنز العلوم ٹڈولی نے فرمایا کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ جیسی عظیم شخصیت ہم نے ان کے بعد نہیں دیکھی ہے جو چھوٹوں کو انگلی پکڑ پکڑ چلنا سکھاتی ہو میں بچپن میں ان کو بار ہا گنگوہ سڑک سے جھوٹا بوگی میں بٹھا کر اپنے گاؤں دھلا پڑہ اور حاجی پور لیکر گیا ہوں ایک دو ساتھی بھی ساتھ ہوتے تھے اس دوران حضرت مولانا ہم کو بڑے پیار کے ساتھ ہماری تعلیم کے متعلق دریافت فرماتے تھے ہم بتلاتے کہ جی میرے اتنے پارے حفظ ہو گئے کوئی دوسرا کہتا کہ جی میں ناظرہ پڑ رہا ہوں تو حضرت بڑے خوش ہوتے اور اس کے بعد شاباشی دیتے اور کوئی نہ کوئی اچھی نصیحت فرماتے۔ حافظ منظور صاحب فرماتے ہیں کہ متعدد مرتبہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی تقریر سننے کا موقع ملا ہے آپ نے ایک مرتبہ موضع کوٹڑہ نزد گنگوہ میں بیان کرتے ہوئے بڑے درد کے ساتھ فرمایا تھا کہ میری خواہش یہ ہیکہ میری قوم میں پڑھنے والے پڑھانے والے علمائے کرام حفاظ اور شیخ الحدیث ہوں۔ حقیقت یہ ہیکہ آج جو یہ حفاظ و علمائے کرام کی جماعتیں نظر آرہی ہیں یہ پودا ان ہی کی لگائی ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ مدرسہ کنز العلوم ٹڈولی کے جلسہ میں بیان کرتے ہوئے اہل ٹڈولی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا،، کہ ٹڈولی والوں اپنے دل میں یہ خیال مت لانا کہ ہمنے مدرسہ قائم کر لیا ہے بلکہ ہمیشہ اللہ تعالی کا شکر ادا کرنا کہ اللہ تعالی نے اپنے فضل سے مدرسہ قائم فرما دیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مدرسہ کو نظر لگ جائے اور مدرسہ کے فیض و برکات کو اٹھا لیا جائے۔ اللہ اکبر کس انداز سے اخلاص کا سبق پڑھایا ہے۔

نواں باب

آپ کی زیرِ سرپرستی پروان چڑھنے والے مدارس اور آپ کے قائم فرمودہ مدارس ومکاتب کے بیان میں

حضرت اسدالہند مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علاقہ سے جہالت وبدینی کوختم کرنے اورقوم وملت کی نسل نوکوعلوم دینیہ وعصریہ سے آراستہ کرنے کے لئے کوہِ شوالک کے دامن سے لیکر مظفرنگر اور پانی پت تک گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ، مدارس و مکاتب کا ایسا جال بچھایا کہ جن میں سے بیشتر مدارس آج تناور شجر کی شکل اختیار کرچکے ہیں اور پوری آب وتاب کے ساتھ الحمدللہ فیضان جاری ہے ان کی اس بابرکت تحریک کی بنیاد پر ہی آج گھر گھر قرآن کی تعلیم زندہ اور مسجدیں آباد ہوئی ہیں یہ جو کچھ دینی وعلمی چہل پہل نظر آتی ہے یہ سب انہی کی پود لگائی ہوئی ہے اسمیں کوئی دورائے نہیں ہے کہ ان کے بعد جو بھی اس میدان میں نمودار ہوا تو انہی کے نقشِ قدم کو چوم کر آگے بڑھا اور انہی کے چھاگل سے سیراب ہوکر چلا، ہم یہاں بعض مدارس ومکاتب کا تذکرہ وتعارف پیش کریں گے جنکی معلومات ہمیں حاصل ہوسکی ہیں انکی اجمالی فہرست مندرجہ ذیل ہے

۱۔ مدرسہ سراج العلوم دمجھیڑہ سہارنپور

۲۔ جامعہ بدرالعلوم گڑھی دولت کاندھلہ شاملی

۳مدرسہ اسلامیہ عربیہ کنزالعلوم ٹڈولی گنگوہ سہارنپور

۴۔ جامعہ احمدالعلوم خانپور گنگوہ سہارنپور

۵۔ مدرسہ فیضانِ رحیمی مرزاپور پول بہٹ سہارنپور

۶۔ مدرسہ سبیل العلوم سنہٹی دھیرڑی کیرانہ شاملی

۷۔ مدرسہ دارالعلوم اہل سنت وہب نگر شری نگر کشمیر

۸۔ مدرسہ قمرالعلوم حسین پور سہارنپور

۹۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ رسیدیہ جامع مسجد سرساوہ سہارنپور

۱۰۔ مدرسہ ناشرالعلوم حسینیہ نائی نگلی عرف ماجری سہارنپور

۱۱۔ مدرسہ حمایت الاسلام چکوالی سہارنپور

۱۲۔ مدرسہ مصباح العلوم زاہدیہ تھابنی نکوڑ سہارنپور

۱۳۔ مدرسہ ضیاء العلوم زاہدی ابراہیم پورہ سرساوہ سہارنپور

۱۴۔ مدرسہ نورالقرآن زاہدی بکارکہ سہارن پور

۱۵۔ مدرسہ تعلیم القرآن زاہدیہ دودھ گھڑھ سہارنپور

۱۶۔ مدرسہ ضیاء القرآن کیرانہ شاملی

۱۷۔ مدرسہ تعلیم القرآن سانگاٹھیڑہ گنگوہ سہارنپور

۱۸۔ مدرسہ خادم الاسلام زاہدیہ دولت پور سہارنپور

۱۹۔ مدرسہ تعلیم القرآن انجمن گوجران محلہ گوجرواڑہ دیوبند

۲۰۔ مدرسہ تعلیم القرآن زاہدی مین پورہ گنگوہ سہارنپور

۲۱۔ مدرسہ طیبہ قاسم العلوم بھورہ شاملی

۲۲۔ مدرسہ دارالعلوم مسیحیہ پاؤنٹی شاملی

۲۳۔ مدرسہ شمس العلوم بلوہ شاملی

۲۴۔ مدرسہ فخرالعلوم کھندراؤلی شاملی

۲۵۔ مدرسہ اشرف العلوم گوگوان شاملی

۲۶۔مدرسہ گلزاریہ احمدیہ تیتر واڑہ شاملی

۲۷۔مدرسہ کنز العلوم علی پورہ شاملی

۲۸۔مکتب بڑی مسجد ڈھولا پڑہ گنگوہ سہارنپور

۲۹۔مدرسہ تعلیم القرآن زاہدی دولت پور چلکانہ سہارنپور

۳۰۔مدرسہ مصباح العلوم دھیبڑہ کلاں سہارن پور

۳۱۔مدرسہ عزیزیہ نصر العلوم زاہدیؒ عیسی پور کھرگائن شاملی

۳۲۔مدرسہ دبکورہ

۳۳۔مدرسہ ہلگویہ

۳۴۔مدرسہ دار العلوم زاہدیہ لنڈھورہ

۳۵۔مدرسہ اسلامیہ ھدایۃ الاسلام نگلی ہریانہ

۳۶۔مدرسہ بدر العلوم رائے پور ہریانہ

۳۷۔قادریہ ناشر العلوم گڑھی جلال پور ہریانہ

۳۸۔مدرسہ مدنیہ سبیل الرشاد سنولی پانی پت ہریانہ

۳۹۔مدرسہ ضیاء العلوم رانا مزرعہ پانی پت ہریانہ

۴۰۔مدرسہ اسلامیہ ضیأ القرآن ایم پی والی مسجد کیرانہ

۴۱۔مکتب ومسجد موضع لال والا۔ ہریدوار

مدرسہ عربیہ سراج العلوم دھجیڑہ

یہ مدرسہ اولاً ۱۳۷۲ھ میں حضرت قطبِ عالم مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے گاؤں کی بڑی مسجد میں قائم فرمایا تھا جس نے قلیل عرصہ میں ہی

حیرت انگیز ترقی کی تھی مگر بدقسمتی کہ مدرسہ دریا برد ہوگیا کیونکہ دھجیڑہ گاؤں کے برابر میں دریائے جمنا بہتی ہے ایک مدت کے بعد حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ خلیفہ اجل حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ جب دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوکر آئے تو آپ نے اپنی توجہ کا مرکز اسی مکتب کو بنایا۔حضرت مولانا نے ۱۳۸۴ھ میں بستی کے جانبِ جنوب چار بگہ زمین خرید کراز سرِ نو مدرسہ کی بنیاد رکھی جو بعد میں اضافہ ہوکر دس بگہ ہوگئی تھی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ اہتمام میں ہی آٹھ کمرے مع برآمدہ اور ایک شاندار مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی تھی اور تعلیمی ترقی حیرت انگیز تھی حفظ وناظرہ کے علاوہ تجوید ومشکوۃ شریف تک معیاری تعلیم ہوتی تھی حضرتؒ کا تربیتی انداز بھی شہرہ آفاق تھا حضرت مولاناؒ کے بعد آپکے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد عارف صاحب قاسمی دامت برکاتہم مدرسہ کے مہتمم بنے اور الحمدللہ تا ہنوز اس عہدہ پر فائز ہیں آپ کے زمانہ اہتمام میں آٹھ بڑے بڑے کمروں پر مشتمل شاندار نئے طرز پر دیدہ زیب عمارت تعمیر ہوئی ہے مکمل چہار دیواری کی گئی ہے مسجد کے توسیع عمل میں آئی ہے الحمدللہ دیگر منصوبات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش جاری ہے اس وقت مدرسہ میں تقریبا ۲۵۰۔طلبہ زیر تعلیم ہیں حفظ وناظرہ اردو کے علاوہ فارسی کی تعلیم بھی الحمدللہ جاری ہے اللہ تعالی سے دعا ہے کہ پھر ماضی کی طرح شاندار عروج نصیب فرمائے۔آمین

جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت

جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت بھی ان مدارس اسلامیہ کے سلسہ کی ایک عظیم کڑی ہے جن کو حضرت والا نے اپنی مبارک توجہات سے شاہراہِ فیضانِ علم پر گامزن فرمایا ہے یہ مدرسہ جس وقت مکتب کی شکل میں تھا تو حضرتؒ نے اسکی طرف اپنی توجہات مرکوز فرمائی

اوراس بات کے لئے کوشاں ہوئے کہ کسی بھی طرح اللہ تعالی کوئی سبیل فرمادیں کہ ہر چہارسواس کا فیض جاری وساری ہو چنانچہ فضل الٰہی سے آپ کی نظرِ انتخاب حضرت مولانا کامل صاحب کاندھلویؒ پر پڑگئی پس جوہری نے ہیرے کو پرکھ لیا، کہ اس نیک طینت جوان کے ذریعہ درد کا درماں کامل طور پر ہوگا۔ فوراً گاؤں گڑھی دولت کے معزز ذمہ داروں کو بلاکر ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور ایک وفد حضرت مولانا کامل صاحبؒ کی خدمت میں یہ درخواست لیکر بھیجا کہ اگر آپ مدرسہ بدرالعلوم گڑھی دولت میں تشریف لاکر یہاں کا انتظام وانصرام سنبھال لیں تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ یہاں سے علاقہ والوں کو بہت زیادہ فائدہ ہوگا۔ واضح رہے کہ اس وقت حضرت مولانا کامل صاحبؒ کاندھلوی موضع ٹپرانہ کلاں میں امامت وخطابت فرمارہے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا کامل صاحبؒ گڑھی دولت والوں کی چاہت اور حضرت مولانا زاہدحسن صاحبؒ کی سفارش کی تعمیل فرماتے ہوئے مدرسہ بدرالعلوم میں تشریف لے آئے اور حضرت مولانا زاہدحسن صاحبؒ کی زیرسرپرستی اوران کے مفید مشوروں ورہنمائی میں ایسی لگن ودھن کے ساتھ تعلیمی وتعمیری کام کوانجام دیا کہ مکتب کو جامعہ بدرالعلوم بنادیا جسکا فیض،، الحمدللہ،، آج ہرسوروزِ روشن کی طرح عیاں ہے علاقہ کے مدارس اسلامیہ میں مرجعیت کا درجہ حاصل ہے حضرت ولئ کامل مولانا کامل صاحبؒ کے دوراہتمام میں جامعہ ھذانے جوعلمی، دینی، اصلاحی، اورتربیتی خدمات انجام دیں ہیں وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ جامعہ ھذا میں حفظ وناظرہ قرآن پاک، تجوید وقرأت، ہندی، انگلش اورفارسی کےعلاوہ عربی اول سے دورہ حدیث شریف تک نہایت ٹھوس اور معیاری تعلیم دیجاتی ہے ہزاروں طلبہ مختلف شعبۂ جات سے فراغت حاصل کر کے ملک کے مختلف صوبوں میں دینِ متین کی خدمت میں مصروفِ عمل ہیں یہ سب حضرت اسد

الہند مولانا زاہدحسن صاحبؒ کے فیضِ باطنی وظاہری اورحضرت مولانا کامل صاحبؒ کی بے پناہ جدوجہد کا ثمرہ ہے۔ حضرت مولانا کامل صاحبؒ کے انتقال پرملال کے بعد سے جامعہ بدرالعلوم گڑھی دولت کے مہتمم ومنتظم حضرت کے بڑے صاحبزادۂ محترم و جانشیں حضرت مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتہم رکنِ شوری دارالعلوم دیوبند ہیں اور بہ احسن طریقہ پرمصروفِ عمل ہیں۔ ایک ہزار سے زائد طلبہ جامعہ میں زیرِ تعلیم ہیں اورستر اساتذۂ کرام پر مشتمل عملہ تعلیم وتربیت پر مامور ہے اللہ تعالی ادارہ کو مزید ترقیات سے نوازے اورتمام شروروفتن سے محفوظ رکھے۔ آمین

مدرسہ اسلامیہ عربیہ کنزالعلوم ٹڈولی

مدرسہ اسلامیہ عربیہ کنزالعلوم ٹڈولی پوسٹ انبہٹہ پیر قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور بھی ہمارے حضرت اسدالہند مولانا زاہدحسن صاحبؒ کی خصوصی توجہات اوردعائے سحرگاہی کا مرہونِ منت ہے حضرت والاؒ نے مدارس کے قیام کے سلسلہ میں بستی بستی گاؤں گاؤں جاکرلوگوں کے ذہن کوتعلیم کی جانب متوجہ فرمایا تھااور مکاتب ومدارس کے قیام کے لئے جان توڑ محنت کی تھی۔ اور یہ آپ کا وہ حسین خواب تھا جس کوآپ نے اپنی آنکھوں میں سجا رکھا تھا چنانچہ ۱۷؍ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۵؍ستمبر ۱۹۸۲ء میں یادگاراسلاف حضرت مولانا محمد قیصر صاحب مظاہری نوراللہ مرقدہٗ نے ان کے اس حسین خواب کوشرمندۂ تعبیر فرمایا۔ نبیرۂ فقیہ النفس حضرت مولانا حکیم محمود صاحبؒ عرف ننومیاں گنگوہی اورحضرت اسدالہند مولانا زاہدحسن صاحبؒ کے ہاتھوں،، مدرسہ اسلامیہ عربیہ کنزالعلوم،، کی بنیاد رکھوا کر ایسی قابل رشک لگن سے کام کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے علوم قرآن کے سرچشمے بہادیئے جنکا فیض حیرت انگیز طریقہ پر بہت ہی قلیل مدت میں ملکِ عزیز کے کونے کونے

تک پہنچ گیا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء، حضرت اسد الہندؒ تاحیات قدم بہ قدم کنز العلوم کی ترقی میں شریک رہے۔ الحمدللہ حضرت مولانا محمد قیصر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مخلصانہ جد وجہد اور اکابرینِ ملت کی مستجاب دعاؤں سے کنز العلوم کو ایسی ڈگر پر چھوڑ کر گئے ہیں کہ جس کی ضیاں پاسیوں سے پورا علاقہ منور ہو رہا ہے اور معیاری اداروں کی صف اول میں شمار کیا جاتا ہے۔ کنز العلوم ٹڈولی کی کوکھ سے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں طالبانِ علومِ نبوت اکتسابِ فیض کر کے مختلف مقامات پر دینِ متین کی خدمات اور مذہبِ اسلام کی نشر و اشاعت میں مشغول ہیں۔ اس وقت مدرسہ مذکور میں حفظ و ناظرہ، تجوید و قرأت، از فارسی تا مشکوۃ شریف اردو ہندی، انگلش درجہ آٹھ تک اعلی معیار کی ٹھوس تعلیم دیجاتی ہے۔ بفضلہٖ تعالی مدرسہ مذکور میں دینی وعصری علوم کے ماہرینِ فن حضرات کا مرتب کردہ نصاب، زیرک طبع و جید الاستعداد اساتذۂ کرام کی زیرِ نگرانی عمدہ تربیت کے ساتھ پڑھایا جارہا ہے۔ حضرت والاؒ کے بعد ان کے منجھلے صاحب زادے جناب مولانا محمد عامر صاحب مظاہری، حفظہ اللہ، کنز العلوم کے انتظام وانصرام پر مامور ہیں اور بحسن وخوبی اپنے مفوضہ امور کو بہتر طریقہ پر انجام دینے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالی ان کا حامی و مددگار رہے اور نظر بد سے محفوظ رکھے۔ آمین

جامعہ احمد العلوم خان پور گوجر

جامعہ احمد العلوم خان پور گوجر، نزد گنگوہ شریف کا سنگِ بنیاد صوفی قمر الدین صاحبؒ نے ۱۹۴۰ء میں حضرت مولانا احمد الدین صاحبؒ خلیفۂ اجل حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوریؒ کے دستِ مبارک سے رکھوایا تھا۔ جامعہ احمد العلوم کو حضرت اسد الہند رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی، تدریس و تذکیر کا شرف حاصل رہا ہے حضرت مولانا

بہاؤالدین صاحبؒ کے دورِ اہتمام میں حضرت والا ہر پیر و جمعرات کو جامعہ احمد العلوم تشریف لاتے تھے اور مشکوۃ شریف کا سبق پڑھاتے تھے نیز جمعرات کو بعد نماز عشاءٔ مجلس ذکر ہوتی تھی جسمیں اطراف کے دیہات ومواضعات سے کثیر مقدار میں لوگ شرکت فرماتے تھے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے انتقال پر ملال کے بعد جامعہ احمد العلوم اختلافی مسائل کا شکار ہو گیا جس کے وجہ سے وہ ترقی نہیں کرسکا جو کرنی چاہئے تھی اسوقت الحمدللہ موجودہ اہتمام میں ادارہ ترقی کی شاہ راہ پر گامزن ہے اور دورہ حدیث شریف تک تعلیمی سلسلہ قائم ہے اس وقت ادارہ کی جدید تعمیر آبادی سے باہر گنگوہ کی سمت پر شکوہ شکل میں کی گئی ہے بیرونی طلبہ کا قیام اور عربی درجات کی تعلیم اسی جدید مدرسہ میں ہوتی ہے۔ اور پرانے مدرسہ میں گاؤں کی بچیاں و چھوٹے بچے پڑھائے جاتے ہیں، حضرت مفتی محمد عمران صاحب قاسمی اس وقت مدرسہ ہذا کے مہتمم و منتظم ہیں۔

مدرسہ فیضانِ رحیمی مرزاپور پول

مدرسہ فیضانِ رحیمی مرزاپور پول تحصیل بہٹ ضلع سہارنپور بھی اسی سلسلہ کی ایک عظیم الشان کڑی ہے مدرسہ ھذا۔ ۱۹۰۵ء میں قطبِ عالم حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے دستِ مبارک سے عمل میں آیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کے بعد شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ کے سرپرست رہے اور حضرتؒ کے بعد آپ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرپرستی فرماتے رہے موجودہ مہتمم مشہور بزرگ عالمِ دین مولانا عبد الرشید صاحب دامت برکاتہم حضرت مولانا زاہد حسن رحمۃ اللہ کے اصرار پر یہاں مدرسہ فیض القرآن موضع نہر پور ہریانہ سے تشریف لائے تھے۔ حضرت مولانا کی جد و جہد و مخلصانہ کوششوں سے الحمدللہ آج مدرسہ فیضانِ رحیمی دیدہ زیب عمارت کی شکل میں علاقہ کے معتبر اداروں کی صف اول میں

شامل ہےاورحفظ وناظرہ اردو ہندی از فارسی تامشکوۃ شریف کی تعلیم داخلِ نصاب ہے۔

الحمدللہ علی ذالك

مدرسہ سبیل الہدی سنہٹی دھبیڑی نزد کیرانہ

مدرسہ سبیل الہدی سنہٹی بھی اسی سلسلۃ الذھب کی ایک سنہری کڑی ہے جن مدارس کا قیام آپ کے دست مبارک سے عمل میں آیا ہے حضرت اسدالہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ دھبیڑی اور سنہٹی وبسیڑہ کے لوگوں کو مسلسل دینی مدرسہ کی ضرورت کی جانب متوجہ فرماتے رہے اوراسکے بعد جب اہل علاقہ مدرسہ کے قیام کی جانب راغب ہو گئے تو حضرت والا نے اس جگہ پر مدرسہ سبیل الہدی کی بنیاد رکھی جو آبادی سے دور چرواہوں کی آرام گاہ تھی یہ جگہ اگرچہ آبادی سے فاصلہ پر تھی مگر کئی گاؤں کے درمیان ہونے کی وجہ سے بہت ہی مفید وکارگر جگہ تھی لوگوں کی خواہش تھی کہ آبادی سے متصل مدرسہ بنایا جائے مگر آپ اپنی نورِ بصیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہاں سے وہ فیض جاری ہوگا جس سے پورا علاقہ معطر ہو جائے گا اور،، الحمدللہ،، ایسا ہی ہوا جو آج اظہر من الشّمس ہے۔

۱۹۸۵ء میں ولیٔ صفت عالم دین حضرت مولانا بشیر صاحبؒ مفتاحی گوگوانی کو مدرسہ مذکور کا مہتمم بنادیا گیا۔ ربِ پروردگارِ عالم نے انکے ہاتھوں سے مدرسہ سبیل الہدی کو وہ ترقی نصیب فرمائی کہ جس سے پورا علاقہ فیض یاب ہوا اور ہوتا رہیگا ان شاءاللہ۔

۲۰۱۸ء میں حضرت مولانا بشیر صاحبؒ کے انتقال کے بعد سے مدرسہ کی تمام تر ذمہ داری آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد عرفان صاحب قاسمی دامت برکاتہم کے ہاتھوں میں ہے اور ادارہ بفضلہ تعالی برابر ترقیات کی جانب رواں

دواں ہے۔ مدرسہ میں اردو ہندی حفظ وناظرہ، فارسی وعربی چہارم تک کا نصابِ تعلیم جاری ہے۔ اللہ تعالی مزید فیضان سے سرفراز فرمائے۔ آمین

مدرسہ دارالعلوم اہل سنت وہب نگر شری نگر کشمیر

مدرسہ دار العلوم اہل سنت وہب نگر شری نگر کشمیر عصرِ حاضر کے سرخیل تصوفِ رازی وغزالی کے وارث، مرجع الخلائق، حضرت مفتی عبدالغنی صاحب قاسمی ازہری مدظلہ علینا بالعافیۃ والصحۃ کے ہاتھوں حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی زیر سرپرستی قیام عمل میں آیا جو الحمدللہ آج ایک عظیم الشان ادارہ کی شکل اختیار کر گیا ہے اور وادیٔ جنتِ ہند میں فیضِ رساں جاری ہے حضرت سیدی مخدومی کے بڑے صابزادے مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم اہتمام کی ذِمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں تعلیم وتربیت کا عمدہ نظام قائم ہے۔ حضرت ممدوح مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تاحیات مذکورہ ادارہ کے سرپرست رہے۔ جزاللہ عنا وعنکم

مدرسہ قمر العلوم موضع حسین پور سرساوہ

مدرسہ قمر العلوم موضع حسین پور نزد سرساوہ ضلع سہارن پور مغربی یوپی میں سرحد ہریانہ پر واقع ہے جو ۱۹۶۰ء میں علاقہ کی مشہور ومعروف شخصیت ولیٔ کامل حضرت مولانا زاہد حسنؒ صاحب کے مبارک ہاتھوں سے عمل میں آیا ہے اور تاحیات سرپرستی ونگرانی فرماتے رہے۔ اس ادارے کو چار چاند لگانے اور فیض کو عام کرنے میں اخلاص وللّٰہیت کے پیکر حضرت الحاج مولانا مطلوب صاحبؒ کی چالیس سے زائد حیاتِ مستعار کی بہاروں کا دخل ہے۔ رب کریم انکو اپنی شایان شان نعم البدل نصیب فرمائے درجات کو بلند فرمائے۔ اس وقت مدرسہ میں کئی سو طلبہ زیر تعلیم ہیں، اور جناب حافظ محمود صاحب سمشپوری اس وقت مدرسہ مذکور کے ناظم ہیں، رب کریم مزید ترقیات سے سرفراز فرمائے۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ رشیدیہ جامع مسجد سرساوہ

یہ وہ تاریخی مدرسہ ہے جہاں سے صاحب السوانح رحمہ اللہ نے اپنے علمی سفر کا آغاز کیا تھا اس مدرسہ کے بھی آپ ایک طویل مدت تک سرپرست رہے اور آپ کی سرپرستی میں ماشاءاللہ خاصی ترقی ہوئی مولانا خورشید صاحبؒ جامع مسجد کے امام تھے اور مولانا محمد اشفاق صاحب مدرس تھے۔ اس وقت یہاں کی تعلیم کا شہرہ دور دور تک ہو گیا تھا۔ سرساوہ کی عیدگاہ بھی آپ کی جدوجہد کا جیتا جاگتا ثمرہ ہے۔ الحمد للہ فی الوقت حضرت مولانا محمد عارف صاحب دامت برکاتہم سرپرستی فرما رہے ہیں۔

مدرسہ ناشر العلوم حسینیہ بڑی ماجری

راقم الحروف کا اوّل مادرِ علمی مدرسہ ناشر العلوم حسینیہ نائی نگلی عرف ماجری (جو جامع مسجد میں واقع ہے) کی بھی آپ نے سرپرستی فرمائی ہے اہلیانِ ماجری کو اکابرین امت سے ہمیشہ خاصہ تعلق رہا ہے اسلئے مدرسہ مکتب کی شکل میں پہلے سے موجود تھا۔ آپ کی سرپرستی میں آنے کے بعد مکتب مدرسہ کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ اور آپ نے مدرسہ کا نام مدرسہ ناشر العلوم حسینیہ تجویز فرمایا۔ آپ کی سرپرستی میں ہی مسجد کے سامنے والی درسگاہیں پختہ تعمیر ہوئی ہیں مؤذن صاحب والا کمرہ راقم الحروف کی دادی صاحبہؒ نے میرے دادا شمس الدین نمبردار صاحبؒ کے ایصال ثواب کیلئے حضرت مولاناؒ کی تشکیل پر تعمیر کرایا تھا آپ کی سرپرستی میں ہی مولانا لیاقت صاحب جلال پوری بطور مدرس یہاں تشریف لائے تھے۔ ان کے بعد جب استاذی حضرت الحاج قاریٔ خوش الحان قاری عبدالواجد صاحبؒ ترمت کھیڑی والے تشریف لائے تو الحمد للہ اس مدرسہ کا فیض بھی خوب پھیلا اور برابر ستائیس سال تک عروج پر رہا۔ سیکڑوں حفاظ کرام کا قافلہ یہاں سے

اٹھا اور تاحال یہ فیض بفضلہ تعالیٰ جاری ہے اگرچہ حضرت قاری عبدالواجد صاحبؒ کے جانے کے بعد سے آج تک حالات کے نشیب و فراز کی وجہ سے لو مدھم ہے۔ رب کریم پھر وہی سبیل پیدا فرمادے تو رحمت حق سے کیا بعید ہے۔

مدرسہ قادریہ ناشر العلوم گڑھی جلال پور

مدرسہ قادریہ ناشر العلوم گڑھی جلال پور پانی پت ہریانہ بھی آپ کا قائم فرمودہ اس علاقہ میں پہلا مدرسہ ہے جسکے قیام کے لئے آپ نے شدید جدوجہد کا سامنا کرنا پڑا ایسا اوقات طویل مسافت پیادہ پا کر کے آپ وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ اور مدرسہ کے استحکام و ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش فرماتے لوگوں کو بلا بلا کر سمجھاتے تھے مدرسہ کے فوائد اور اس کی ضروریات کی جانب توجہ مبذول فرماتے تھے۔ الحمد للہ آج مدرسہ دیدہ زیب عمارت کی شکل میں اپنے مقصد میں بھرپور بامراد ہے اسی کی برکت سے علاقہ میں دیگر مدارس بھی وجود میں آگئے ہیں جن کی برکات سے گھر گھر تعلیم کی روشنی پہنچ رہی ہے۔ حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دامت برکاتہم عماد پوری صدر جمعیۃ العلماء مغربی اتر پردیش کے زیر اہتمام بھی مدرسہ مذکور نے ترقی کے منازل طے کئے ہیں اس وقت یہ مدرسہ موضع جلال پور کے نوجوان عالم دین مولانا محمد عارف صاحب کے زیر انتظام ہے تیس سے زائد مدرسین کا عملہ تعلیم و تدریس میں مشغول ہے جو حفظ و ناظرہ کے ساتھ ساتھ ساتویں درجہ تک عصری تعلیم اور سوم عربی تک عالمیت کا نصاب بھی پڑھا رہے ہیں۔

اللھم زدفزد

مدرسہ مدنیہ سبیل الرشاد سنولی پانی پت ہریانہ

اس مدرسہ کی بنیاد بھی حضرت اسدالہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی تحریک

پر عمل میں آئی ہے جسکی تفصیل مدرسہ مدنیہ سبیل الرشاد کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا ہارون صاحب قاسمی کے مضمون میں تحریر ہے اس وقت ماشاء اللہ مدرسہ ایک بارآور شجر کی شکل اختیار کر چکا ہے اور سینکڑوں طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں علوم نبوت کی کرنوں سے اہل اطراف کو منور کر رہا ہے۔ اللہ کرے یونہی فیض جاری رہے۔ آمین

مدرسہ عزیزیہ نصر العلوم زاہدی عیسی پور کھر گائن

یہ مدرسہ عزیزیہ نصر العلوم زاہدی موضع عیسی پور کھر گائن تحصیل کیرانہ ضلع شاملی بھی حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ۱۹۶۴ء میں قائم ہوا تا حیات آپ اسکی سرپرستی فرماتے رہے اس وقت مدرسہ میں چودہ افراد پر مشتمل عملہ کام کر رہا ہے حفظ وناظرہ، فارسی، ہندی انگلش درجہ پانچ تک اعلی معیار پر تعلیم دیجاتی ہے مدرسہ میں کئی سو طلبہ مقامی زیر تعلیم رہتے ہیں آگے تعلیم حاصل کرنے کیلئے اکثر طلبہ مدرسہ بدر العلوم گڑھی دولت یا مدرسہ سبیل الہدی سنہٹی کا رخ کرتے ہیں۔ فی الوقت مدرسہ مذکور حضرت مولانا محمد عارف صاحب قاسمی زاہدی دامت برکاتہم کی زیرِ سرپرستی اور مولنا محمد ناظم صاحب کھر گانوی کے زیرِ نظامت چل رہا ہے۔ ربِ ہر دو علم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مزید ترقیات سے سرفراز فرمائے۔

مدرسہ احسن العلوم کیرانہ

مدرسہ احسن العلوم نزد کوتوالی قصبہ کیرانہ جو شاملی اڈہ پر واقع ہے حضرت والاؒ کی جہد مسلسل سے قیام عمل میں آیا تھا تا حیات سرپرستی فرماتے رہے اس وقت سے الحمد للہ فیض جاری ہے اس وقت مدرسہ میں سینکڑوں طلبہ زیر تعلیم ہیں جو سب کے سب مقامی ہیں حفظ وناظرہ اردو ہندی کے ساتھ ساتھ عربی دوم تک کی تعلیم جاری ہے۔

اسی مدرسہ کو حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے پورے کھادر علاقہ میں اپنی اصلاحی ودعوتی سرگرمیوں کا مرکز بنائے رکھا اسی مدرسہ میں آپ نے اصلاح معاشرہ کے لئے بڑی بڑی پنچایتیں کی ہیں ایک مرتبہ آپنے بے پردگی کے خلاف بگل بجایا اور پورے علاقہ سے نمائندہ چودھریوں کو بلا کر ان کو پردہ سے متعلق فرمودات رسول اکرم ﷺ سنائے اور پردے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے یہ پابندی لگائی کہ اب کیرانہ بازار میں کوئی عورت نہیں آئے گی۔ گاؤں کے چودھریوں کو مکلف کیا کہ اپنے اپنے یہاں اسکا اعلان کرائیں اور سختی سے روک بھی لگائیں اور ادھر کئی لوگوں کی ذمہ داری لگائی کہ آپ لوگ کیرانہ بازار میں نگرانی کریں اگر کوئی بے پردہ نظر اائے تو اس کو سختی کے ساتھ منع فرمائیں۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا اور پورے علاقہ میں پردے کا شور سا ہو گیا اور کافی حد تک عورتوں نے بازار آنا بند کر دیا تھا اور جو آتی تھی تو برقع پہن کر آتی تھیں۔

مدرسہ اسلامیہ ضیاء القرآن ایم پی والی مسجد کیرانہ

مدرسہ مذکور کے موجودہ مہتمم اور قصبہ کیرانہ کی غیر متنازع شخصیت حضرت مولانا محمد عمر صاحب مدظلہ کے والد محترم جناب حافظ الحاج علی حسن صاحبؒ جو حضرت اسد الہندؒ کی رفاقت میں تقریبا تیس سال رہے ہیں حافظ علی حسن صاحب ایم پی والی مسجد کے صدر تھے اور ایک مکتب اس مسجد میں چلتا تھا حضرت اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ کو اس مکتب کا سرپرست بنا دیا گیا چنانچہ حضرت والا نے اس کی ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش فرمائی اور اس کو مستقل مدرسہ کی شکل دیدی اور مولانا اسحاق صاحب خانپوریؒ کو یہاں صدر مدرس بنا کر بھیجا۔

الحمد للہ آج مدرسہ کی باگ ڈور مولانا محمد عمر صاحب کے مضبوط ہاتھوں میں ہے اور

مدرسہ دن بدن ترقی کی جانب گامزن ہے بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت سال چہارم تک کی تعلیم معیاری ہے

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے اس مدرسہ میں مسلم فنڈ کا عظیم الشان ادارہ قائم فرمایا تھا جسکے ذریعہ سے آپ کی نیت یہ تھی کہ برادری کو سوسائیٹی اور بینک کے قرضوں سے بچایا جائے تین چار سال بہترین نظام چلا پھروہ بعض ناگفتہ بہ حالات کی بنا پر بند ہوگیا

مدرسہ شمس العلوم موضع بلوہ گوجر

مدرسہ شمس العلوم موضع بلوہ گوجر ضلع شاملی بھی ایک معروف ادارہ ہے جو مولانا خورشید صاحب دامت برکاتہم کے زیر اہتمام ترقی پزیر ہے الحمدللہ سینکڑوں طلبہ داخل ہوکر اپنے دامن مراد کو بھر رہے ہیں اطراف واکناف کے طلبہ بھی یہاں مقیم رہتے ہیں۔حصرت مولانا زاہد حسن صاحب اعلی اللہ مراتبہٗ تاحیات اس مدرسہ کی سرپرستی فرماتے رہے۔

مدرسہ بدرالعلوم رائے پور گوجراں

مدرسہ بدرالعلوم رائے پور گوجراں ضلع یمنانگر ہریانہ یہ وہ مدرسہ ہے جسکو آپ نے جمنا پار ہریانہ میں اپنی عظیم اصلاحی کوششوں کا مرکز بنایا تھا اور ۱۹۴۷ کے ہنگامۂ قیامت کے بعد ملی، سماجی، اصلاحی، تبلیغی سرگرمیوں کا محور بنایا تھا زندگی بھر آپ بہر نوع اس کی ترقی کے اسباب مہیا فرماتے رہے آخری دور میں آپ نے حضرت مفتی طیب صاحبؒ کو مدرسہ بدرالعلوم کا مہتمم بنادیا حضرت مفتی طیب صاحب مسلسل کم وبیش سترہ سال مہتمم رہے اور مدرسہ کو شاہ راہِ ترقی پر پہنچادیا۔ الحمدللہ روزِ اول سے ہی مدرسہ کا فیض جاری

وساری رہا حضرت مفتی طیب صاحبؒ کے بعد حافظ محمد عرفان صاحب اپریل ۲۰۱۴ء تک ناظم رہے ان کے بعد سے مولوی ظفر صاحب مظاہری ناظم اور قاری نسیم صاحب گھگرولوی نائب ناظم ہیں سلیقہ اور محنت سے کام کررہے ہیں تعلیم وتربیت میں حضرت مفتی صاحبؒ کی تقلید کی کوشش کرتے ہیں ایک نئی عمارت ابھی حال ہی میں تیار ہوئی ہے حفظ وناظرہ اردو ہندی وعربی اول تک (دارالعلوم کے نصاب کے مطابق) بہترین معیار پر تعلیم جاری ہے۔ اللھم زد فزد

مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ قادریہ ہدایت الاسلام نگلی ہریانہ

اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور ۱۹۴۷ء کے بدترین انسانیت سوز حالات سے پہلے اور بعد میں متحدہ پنجاب کا مشرقی علاقہ موجودہ ہریانہ آپ کی تاریخ ساز خدمات کا میدانِ عمل رہا ہے نیز اس علاقہ سے ملا معزالدین صاحبؒ جو مشہور مجذوب بزرگ سائیں عبداللہ صاحبؒ کے والد محترم تھے اور ملا مہر دین صاحبؒ وغیرہ بھی حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے اس مناسبت سے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے اپنے ان پیر بھائیوں و دیگر حضرات کو ساتھ لیکر حضرت رائے پوریؒ کی توجہات کے ساتھ پورے ہریانہ میں اور خواص طور پر اپنی گوجر برادری میں ملی، سماجی، دینی، رفاہی خدمات انجام دی ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک سنہری کڑی مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ قادریہ ہدایت الاسلام موضع نگلی پوسٹ دیال گڑھ ضلع یمنانگر ہریانہ ہے۔

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے حاجی ملا مہر دین صاحبؒ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا قائم کردہ مکتب جوکہ بند

پڑا ہوا ہے اس کی مستقل مدرسہ کی شکل میں تجدید کی جائے تاکہ علاقہ میں تعلیمی فیض جاری ہوجائے اور نئی نسل کو ایمان ویقین کی سوغاتیں نصیب ہوں چناچہ ملا مہر دین صاحبؒ کب حضرت کی بات کوٹال سکتے تھے انہوں نے بلاکسی تاخیر کے اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسنؒ کو بلاکر انہی کے دست بابرکت سے مدرسہ کی بنیاد رکھوادی۔اس موقع پر ساتھ میں حضرت ملاجی عبد الکریم صاحب بوڑیویؒ اور حافظ عبد الرشید صاحبؒ بھی شریک تھے۔حصرت مولاناؒ نے بنیاد کے بعد حاضرین سے چندہ کی درخواست فرمائی۔اسی وقت لوگوں نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر چندہ دیا۔اس کے بعد بھی حضرت مولانا برابر اس مدرسہ کی ترقی کے تئیں کوشاں رہے اور ملا مہر دین صاحب جو مدرسہ کے مہتمم صاحب تھے ان کو اپنے قیمتی مشوروں سے آگہی فرماتے رہے۔مدرسہ مذکور کے قدیم رجسٹروں میں حصرت مولانا زاہد حسنؒ کی تحریرات ابھی تک محفوظ ہیں۔جب نگلی میں میں جمعہ کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ساتھ لیکر گئے اور پوری بستی کا معائنہ کرا کر جمعہ کا فتوی دلوایا۔جو ابھی بھی حضرت والاؒ کے دستخط کے ساتھ وہاں کے رجسٹروں میں محفوظ ہے

اس وقت مدرسہ الحمد للہ پورے علاقہ میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے اور برابر فیض جاری ہے ہریانہ پنجاب کی اکثر مسجدوں میں اس مدرسہ کے تعلیم یافتہ حضرات امام ہیں۔کئی سو طلبہ زیر تعلیم ہیں اور اس وقت منشی مہدی حسن صاحب دامت برکاتہم انتظامی امور سنبھالے ہوئے ہیں۔اللہ تعالی اس ادارہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے آمین

دسواں باب

کلامِ منظوم اور پسندیدہ اشعار کے بیان میں

نظم حیاتِ زاہد

نتیجۂ فکر۔مولانا محمد ناظم صاحب کھر گانوی

بسمہ تعالیٰ

یاد کرتا ہی رہے گا انہیں صدیوں یہ زمانہ
نام جن کا تھا وہ زاہد زندگی بھی زاہدانہ
قوم وملت کی وہ خاطر زندگی بھر رہے کوشاں
مستقل ان کا کہیں نہ تھا کوئی ٹھکانہ
ڈھونڈنے سے نہ ملے گا ان کا ثانی اس جہاں میں
وہ زمانے میں تھے بیشک قیمتی موتی یگانہ
درد ملت کا سمایا ذات میں تھا ان کی ایسا
فکر امت کی سراپا ہر گھڑی تھی والہانہ
بھول پائے گا نہ کوئی انکی محنت مشقت کو
جو تھے اخلاص کا پیکر ہر عمل میں صادقانہ
ذات جن کی تھی مکمل عشقِ آقا سے مُزین

سنّتِ احمدِ مرسل پے سدا تھے عاشقانہ
زہد وتقویٰ میں وہ بیشک تھے اکابر کی نشانی
علم اور وہ عمل میں تھے یقیناً جداگانہ
پاک تھا جن کا ملن اور پاک تھا جن کا چلن بھی
تھے محبت اور الفت میں سبھی پر مشفقانہ
کب بہاریں گلستانِ علم وایمان میں آئیں گی
اب تلک ان کی جدائی سے چمن ہے یہ ویرانہ
خاندانِ مدنی پر جو فدا تھا دل وجاں سے
شیخِ اسلام کے دل کا وہ تھا ٹکڑا اک سہانہ
گلشنِ زاہدی کا ہر اک شجر ہو پھر ثمر ور
نورِ نبوی سے خدایا پھر ہو روشن یہ گھرانہ
عبدِ خالق کی تڑپ پر دل جگر سے ہو سلامی
جس نے حالاتِ زاہد کو کیا مرقوم مخلصانہ
ہاتھ اٹھا کر تجھ سے یارب التجا کرتا ہے ناظم
دائمی دے رضا ان کو اور دے فردوس ٹھکانہ

☆☆☆☆☆

رباعی

از۔شاعرِ اسلام علامہ انور صابری صاحبؒ دیوبندی

درحقیقت مولوی زاہد حسن کی زندگی
ہے شجاعانہ مردِ وطن کی زندگی
سیکھ لے ان سے کوئی آئین طرز وفا
شاملِ فطرت ہے ارباب کہن کی زندگی

☆☆☆☆☆

حضرت اسدالہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے پسندیدہ اشعار

وہ دنیا تھی جہاں تم بند کرتے تھے زباں میری
یہ محشر ہے یہاں سنی پڑے گی داستاں میری

****

فنا کیسی بقاء کیسی جب اس کے آشنا ٹھیرے
کبھی اس گھر میں آٹھرے کبھی اس گھر آٹھیرے

****

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں یہ بازی گر دھوکہ کھلا

****

ہل چلاتے وقت بھی ہو جن کو ملت کا خیال
آسکتا ہے نہیں ان کی دولت میں کبھی زوال

****

عجب کیا ہے کہ بیڑا غرق ہو کر پھر نکل آئے
کہ ہم نے انقلابِ چرخِ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں

****

مرنا مرنا سب کہیں مرے نہ مارا جا
شیخ بھکوں یوں کہے یہ تو پنجرا بدلا جا

****

لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل
شہیدِ ناز کی تربت کہاں ہے

****

برباد گلستاں کرنے کو ایک ہی اُلّو کافی تھا
ہر شاخ پر اُلّو بیٹھا ہے انجامِ گلستاں کیا ہوگا

****

دکھائے نہ اللہ ایسا زمانہ
کہ آگے قفس کے جلے آشیانہ

****

ہم یوں ہی آہیں بھرا کریں گے ہم یوں ہی نالے کیا کریں گے
جنھیں ہے صرف تجھ ہی سے نسبت وہ تیری جنت کا کیا کریں گے

****

میری فردِ جرم کو دیکھ کر تیری برہمی بجا مگر
تیری رحمتوں کا بھی ذکر میری داستانِ گناہ میں ہے

****

مدینے تے ہوا آئی جو لیکر تھلا
دکھے ہم بھی کھڑے ہیں خط جو مھارے ناؤ کا لکڑے
کھلاؤں ساگ روٹی اور کروں پوری ٹہل انکی
ہر جو باپو بی بی فاطمہ کا انگھے آ لکڑے

****

ہم ہیں غدار پابندِ وفا تم بھی نہیں
اپنی کثرت پر نہ اتراؤ خدا تم بھی نہیں

****

ہمنے سینچا ہے اپنے خون سے چمن* پتے پتے سے آشکارا ہے
مِنتِ باغباں درست نہیں *ورنہ گلشن پہ حق ہمارا ہے

****

عالم تھا با عمل تھا عالی دماغ تھا
انجمنِ دیوبند میں وہ روشن چراغ تھا

****

مثلِ خورشیدِ سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ دقیق معانی میں

****

یا رب کسی سے مانگ کر مجھے خوشی نہ دے
جو دوسروں پر بار ہو وہ زندگی نہ دے

****

بے فکر نہ ہوں باغ کے معصوم پرندوں
ہر شاخ سے آتی ہے مجھے سانپ کی پھنکار

****

چڑھ جائے جو عزت کے لئے دار و رسن پر
زندہ ہے وہی قوم جو مٹ جائے وطن پر
ڈرتے نہیں مرنے سے شہادت کے طلبگار
حق بات کہیں اور کہیں گے دار و رسن پر
سردار بھگت سینگ کا وہ پھانسی پر لٹکنا
لاٹھی کے نشاں لاجپت کے پیارے بدن پر
خون جوش میں آتا ہے جب آتی ہے مجھے یاد
بچپن میں جو کوڑے لگے شیرِ ببر کے بدن پر
ہوں گی سبھی روحیں خوش شہیدانِ وطن کی
سب بھیجو سلام آج شہیدانِ وطن پر

****

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوے اک خواب میں
ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں
پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں
آنکھ ان کی بھی پھر گئی تھی دل اپنا بھی پھر گیا
یہ اور انقلاب ہوا انقلاب میں

****

دردِ ملت ہے تو آواز اٹھانی ہوگی
صورت حال زمانہ کو بتانی ہوگی
تو جو اٹھ جائے ظلم و بے حیائی کے خلاف
تیرے ایمان کی یہ زندہ نشانی ہو گی

****

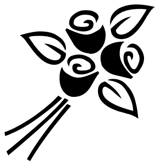

تأثراتِ غم

ازنتیجہ فکر: خادم صدیق احمد غفرلہٗ گڑھی دولتوی

بقلم: حافظ غیور صاحب ماجروی

بس اظہارِ رنج وملال بوفاتِ حضرت ۱۹۸۸ ۱۴۰۸ھ		مولٰنا زاہد حسن صاحب شہید مغفورلہٗ ۲۰۴۵ سمت بکرمی
ایک غمگین صدیق احمد ۱۴۰۸ھ		خادم قلبی جذباتِ حزن ۱۹۸۴ء

ہر ایک شے نظر آتی ہے یاس کی تصویر		یہ کس نے کھیچی ہے سب کے دلوں پرغم کی لکیر
کلی فسردہ گل تر اُداس ہے پیہم		بچھادی کس نے گلستاں میں یہ صفِ ماتم
زباں پہ سب کی ہے جاری حدیثِ رنج الم		جبینِ دہر پہ غم سے پڑی ہوئی ہے شکن
فغان بلب ہے کوئی، اور کوئی سوز بدل		بنا ہوا ہے غم والم سے کوئی بسمل
کسی کے لب پہ مسرت کا آج نام نہیں		سوائے گریہ و زاری آج کام نہیں
ہجومِ یاس میں ڈوبی ہوئی بہار ہے کیوں		کلی کلی چمنِ دل کی سوگوار ہے کیوں
کیا ہے کس نے بایں حالِ زار عزمِ سفر		محیطِ ابرِ غم و درد ہے بمدِ نظر
ہجومِ غم سے کوئی ہوگیا ہے آج نڈھال		سنا رہا ہے کوئی داستانِ حزن وملال
آہ! وہ رہبر ومشفق وہ حضرت زاہدؒ		وہ ایک شیخِ طریقت وہ مخلص و عابد
ہر ایک لفظ میں جس کے تھا زندگی کا مآل		وہ تھا خلوص ومحبت میں آپ اپنی مثال
وہ آج ہوگیا صد حیف ناگہاں ہم سے رخصت		عجیب وقت میں دیکر ہمیں غمِ فرقت

حضرت کی جدائی کے غم سے ایسے مغموم ہیں ہم		کہ حیران پریشاں حال تڑپتے ہیں خاک پر ہم
وہ غم یاد ہے فلک نے کہ تا قیامت بھی		غمِ فراق سے ممکن نہیں سبکدوشی
سنے گا کون بھلا ماجرائے حالِ زبوں		سنائیں گے کسے ہم جا کر اپنا حالِ زبوں
نہ جام ہے نہ وہ ساقی نہ کوئی پیرِ مغاں		بساطِ میکدۂ علم ہوگئی ہے ویراں
یتیم ہوگئے سب طالبانِ علم وہنر		اب ان کا پوچھنے والا کوئی نہیں ہے ادھر
زمانہ لاکھ کرے شام وسحر اب پیدا		نہ ہوگا ان سا کوئی صاحبِ نظر پیدا
پڑھے گا زمانہ ان کی حکایتیں برسوں		ہمیں رلائیں گی ان کی عنایتیں برسوں

ایک دعاء کرتا ہے یہ صدیق صبح وشام
الٰہی عطا کر میرے مولینا کو جنت الفردوس میں باَعلی مقام

وفات حسرت آیات:

۸/شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۷/مارچ ۱۹۸۸ء مطابق ۱۵/چیت ۲۰۴۵ سمت بکرمی

نوٹ: احقر کو یہ مرثیہ مولوی احسن صاحب زاہدی کے توسط سے حاصل ہوا

گیارہواں باب

حضرات اکابرین وفیض یافتگان کے تأثرات کے بیان میں

{یادگارِ اسلاف}

ازقلم: (مولانا حکیم) محمد عبداللہ مغیثی دامت برکاتہم
مہتمم جامعہ گلزارِ حسینیہ اجراڑہ میرٹھ

محبوب العلماء حضرت مولانا زاہد حسن صاحب ضلع سہارنپور کے ایک مشہور گاؤں موضع ابراہیمی میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا محترم تعلیم یافتہ اور بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے، جبکہ موضع ابراہیمی کے بڑے زمیندار بھی تھے۔ بچپن سے ہی ان کے دادا محترم کو اپنے پوتے کی دینی تعلیم کی فکر دامن گیر رہتی تھی اور ایک اچھا عالم بنانے کی تمنا تھی، جس کے لئے مختلف مقامات پر تعلیمی مراحل طے کرائے اور آخر میں ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند سے فراغت کرائی۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بخاری شریف پڑھ کر ان کے ارشد تلامذہ میں شامل ہوئے۔ ہندوستان کی سیاست میں حصہ لے کر باقاعدہ الیکشن لڑکر کامیابی حاصل کی، جس کے ذریعے بہت سی قومی، ملی، سماجی اور دینی خدمات انجام دیں۔ سیاسی سوجھ بوجھ اور ملی افکار وخیالات میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے پیروکار رہے۔ مدرسہ سراج العلوم دجھیڑا آپ کی دینی حمیت اور تحریک قیام

دینی مدارس کا عظیم شاہکار ہے۔ خانقاہ رائے پور دیوبند، سہارنپور سے غایت درجہ عقیدت کے ساتھ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ سے انتہائی مخلصانہ تعلق رکھتے تھے۔ میرے زمانے تعلیم کے دوران دارالعلوم دیوبند میرے پاس برابر تشریف لاتے۔ یہ مخلصانہ تعلق بعد میں سمدھیانہ کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ بحمد اللہ اس عزیز داری میں جانبین سے آج تک انتہائی خوشگوار تعلقات قائم ہیں۔ آپ کی ایک بڑی خصوصیت تحریک قیام دینی مدارس تھی، جس کے تحت کھدرا کے علاقے میں متعدد دینی مدارس کا جال بچھایا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اسفار کئے، کبھی پیدل، کبھی سائکل، کبھی گھوڑی اور کبھی بیل تانگے پر سفر کئے۔ حضرت مولانا کے دل میں ہندوستانی مسلمانوں کو ان کی دینی ملی شناخت کے ساتھ رہنے کی بہت تڑپ تھی، جس کے لئے جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ ان کے دینی ملی اور جملہ اسفار میں ان کی چہیتی گھوڑی کا بڑا دخل تھا، جس پر ان کے اسفار کا اختتام بھی ہوا، جو ان کی شہادت کا سبب بنی۔ حضرت مولانا گھوڑی پر سوار تھے، گھوڑی اپنی مستی اور ذوقِ جنوں میں کچھ اس طرح سے دوڑ رہی تھی کہ مولانا بے قابو ہو کر گھوڑی سے گر گئے اور وہیں پر شوقِ شہادت کا جام پی کر واصل بحق ہو گئے۔ مولانا کی تدفین ان کے آبائی وطن میں مولسری کے پاس ہوئی۔ علاقے کے دردمند اور فکرمند علماء اور صاحبزادۂ محترم مولانا محمد عارف قاسمی نے مولانا مرحوم کی سوانح عمری لکھوانے کا عزم کیا ہے، مجھ سے بھی کچھ لکھنے کے لئے کہا گیا ہے۔ لہٰذا قدیم تعلق جدید عزیز داری اور مولانا کی عظیم الشان خدماتِ جلیلہ پر چند سطور لکھ کر محبین میں اپنا شمار کرا رہا ہوں۔ والسلام

حضرت مولانا زاہد حسن صاحب قاسمیؒ ایک مہان شخصیت

از قلم۔ حضرت اقدس الحاج مولانا عبدالرشید صاحب المظاہری
خلیفہ ومجاز: حضرت اقدس الحاج مولانا سید محمد مکرم حسین صاحب کاظمی سنسارپوری
مہتمم مدرسہ فیضانِ رحیمی مرزاپور پول سہارنپور یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں ہے کہ دنیا کی مثال ایک سرائے جیسی ہے، جہاں ایک جانب انسانوں کا سلسلۂ ورود ونزول ہردم ہرآن جاری رہتا ہے،تو دوسری جانب ہردم سلسلۂ خروج وذہاب بھی اسی طور پر چلتا رہتا ہے،لہٰذا یہ تو تعجب انگیز بات نہیں کہ کسی کا انتقال ہو جائے یہ تو روز کا تماشہ ہے کہ دنیا میں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں،کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں،اس میں شاہ وگدا،امیر وغریب، جاہل وعالم، بڑا چھوٹا، بچہ بوڑھا،مرد عورت،سب برابر ہیں،مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر آنے وجانے والا یکساں نہیں ہوتا،کوئی آتا اور جاتا ہے تو اس کے آنے وجانے سے نہ کسی کو نقصان پہنچتا ہے نہ نفع،ان کا آنا اور نہ آنا دونوں برابر ہوتے ہیں، دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جنکا وجود وظہور قوموں وملکوں یا افراد واشخاص کے حق میں نہایت نقصان دہ ہوتا ہے،اس قسم کے لوگوں کا وجود قوم وملت کے حق میں خطرہ ہوتا ہے اور ایک قسم اس دنیا میں آنے والوں کی وہ ہے جس کا وجود قوموں،ملکوں،شہروں،گاؤں،افراد واشخاص کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ایک مژدۂ جانفزا اور ایک پیغام ہدایت کی حیثیت رکھتا ہے اور اللہ کے بندوں کا وجود وعدم دونوں کا اس کائنات کے ذرّے ذرّے پر اثر ظاہر ہوتا ہے، انکا وجود دنیا کی اور

لوگوں کیلئے ذریعۂ ہدایت،قلوب کیلئے سامان تسلی، روح کیلئے غذائے ایمان ویقین اور اعمال واخلاق کیلئے باعث طاقت وقوت،خدا کی معرفت کا راستہ ونیکیوں کے نشر کا ذریعہ ہوتا ہے اور برائیوں کے قطع کا سبب ہوتا ہے،انکے اقوال،اعمال،الفاظ،اخلاق وکردار اور طرز زندگی وطریق معاشرت سب میں ہدایت کا نور،ایمان ویقین کی خوشبو اور اصلاح وتقوی کی پاکیزگی محسوس ہوتی ہے، وہ نہ رہے تو دنیا میں اندھیرا،قلوب میں بے نوری، اضطراب وبے چینی،انسانوں کے اعمال واخلاق میں گراوٹ اور دنیا کے نظام میں فساد پیدا ہونے لگتا ہے۔

اللہ کے مقدس بندے

ایسے ہی مقدس بندوں میں سے دیوبند کے دور افتادہ قافلہ کا سرخیل،قد کوتاہ نہ دراز، سرتاپا پاکباز، گمشدہ زبانوں کے راست باز،علماء کی ایک جیتی جاگتی تصویر، قرن اول کی سادگی کا نمونہ،طبیعت میں حلم،مزاح میں علم،طبیعت میں انکسار، زبان میں شیرینی، ادب ودین کا مرقع قطب عالم مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ، مولانا شیخ زکریا مہاجر مکیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے حضرات کا خلیفہ،قرآن کا شیدائی،حدیث کا شائق،فقہ کا نباض، بیان میں پیچ نہ قلم میں خم،فقید المثال اساتذہ کا شاگرد اور نامور شاگردوں کا استاذ، چہرہ مہرہ شرافت کی دستاویز،کم سخن،کم امیز، دل خوف غیر اللہ سے خالی، دماغ غور وفکر کا خزینہ،عیب بینی سے بیزار، دوستوں کی چوٹوں سے جی خوش کرنے والا، دشمنوں کے وار کو ہنسی خوشی سہ جانے والا،مرنجان مرنج،آنکھوں میں علم وحیاء کا رنگ ونور، بے شمار فضائل کا مالک، قابل فخر شخصیت کا نام،ایسی قابل فخر اور لائق تقلید شخصیت کا نام نمونۂ اسلاف، ولی کامل،حضرت اقدس

الحاج مولانا زاہدحسن صاحب قاسمی ابراہیمیؒ ہے، جن سے عوام وخواص سب تعلق رکھتے تھے، جن سے لوگ ہدایت پاتے تھے، ایمان واعمال کی چاشنی حاصل کرتے تھے، اخلاق وکردار کا سلیقہ اور تہذیب کی باتیں لیتے تھے، اور راہ حق کے متلاشی راہ حق پر پڑ جاتے تھے، آپ کی زندگی اپنے لئے نہیں بلکہ اللہ، اسکے رسول اور دین کے تحفظ و بقاء کیلئے اسکی نشر واشاعت اور دعوت وتبلیغ کیلئے وقف تھی، آپ گویا کہ اس شعر کا مصداق تھے۔ ع

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں، میں اسی لئے نمازی

عالم کی موت عالم کی موت ہے

ایسے ہی معزز لوگوں کے بارے میں یہ مقولہ معروف ہے (موت العالم موت العالم) عالم کی موت عالم کی موت ہے، حضرت مولانا زاہدحسن صاحبؒ کی زندگی بھی اسی کا ایک واضح مصداق ہے کیونکہ عالم کی بہار علماء کرام کے وجود سے ہے جنکی زندگیاں اللہ کے دین وشریعت کی ترویج واشاعت کے لئے وقف ہوتی ہے اور وہ لوگوں کے لئے ہدایت کا بڑا ذریعہ بنتے ہیں اور جب وہ چلے جاتے ہیں تو لوگوں کی یہ حالت بھی بدل جاتی ہے اور اسی میں غیر صالح انقلاب آجاتا ہے عالم میں زندگی کے آثار مضمحل ہونے لگتے ہیں اسی طرح ایک عالم کی موت عالم کی موت بن جاتی ہے۔

آپ سے ملاقات کب ہوئی

مجھے یہ تو یادنہیں کہ کب سے میں مولانا کی شخصیت سے واقف ہوا البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اپنے زمانۂ طالب علمی اور بچپنے کے دور سے مولانا کا نام نامی اسم گرامی ایک

داعی ومبلغ ہونے کی حیثیت سے سنتا رہتا تھا اور آپ کے خطابات و بیانات کا چرچہ بھی سنتا رہتا تھا اور پھر چند مرتبہ آپکے خطابات و بیانات سننے کا موقع ملا، اسکے بعد متعدد مجالس میں اور تقاریر میں مولانا سے ملاقات کے بھی مواقع پیش آتے رہے، آپکی شخصیت بندہ کے حق میں مسحور کن ثابت ہوتی رہی، دوران حفظ قرآن پاک میرے مشفق اساتذہ فرمایا کرتے تھے کہ عبدالرشید محنت سے پڑھ لے اور مولانا زاہدحسن صاحب جیسا بنجا، میں چپکے چپکے آمین کہتا رہتا تھا۔

آپ کا مشن

آپ دین اسلام کی دعوت وتبلیغ کو اپنا مشن بنائے ہوئے عالم اسلام کی سب سے زیادہ وسیع ومقبول عالمگیر اور انقلاب آفریں تحریک دعوت وتبلیغ (جسنے لاکھوں انسانوں میں دینی شعور اور اصلاحی اثرات پیدا کردئے) سے مکمل طور پر وابستہ ہوگئے اور آپؒ نے اپنی زندگی اسی تحریک دعوت وتبلیغ کے لئے وقف کردی تھی، اور تمام کاموں سے یکسو ہوکر اسی میں لگ گئے تھے، دوران تعلیم سے ہی آپ جمیعۃ علماء ہند کے بہت بڑے فدائی اور جانباز سپاہی کی حیثیت سے انتہائی ذوق وشوق سے جمیعۃ علماء ہند کے کام کو انجام دیتے رہے، حضرت اقدس الحاج مولانا حسین احمد مدنیؒ تاحیات اور اسکے بعد حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی صاحب قدس سرہ کے یہاں بھی بلکہ پورے ملک میں ایک اونچا مقام رکھتے تھے، رات اور دن ایک ایک ساعت وگھڑی امت کی فلاح کی فکر میں گزرتی تھی، آپ کو اسی تحریک سے اس نظریاتی وعملی دونوں طرح سے شغف تھا، اور اسی میں انہماک اور جزب واستغراق کی کیفیت اس حدتک تھی کہ دیکھنے والے حیرت زدہ رہ جاتے، آپ کا اس تحریک سے عشق کی حدتک تعلق تھا اور دینی محنت ودعوت

کے خاطر جینے ومرنے کی خواہش وتمنا آپکا سب سے بڑا سرمایۂ زندگی تھا، بلکہ یوں کہنا غلط نہ ہوگا کہ آپ اسی کی خاطر مرنے کو اپنی زندگی سمجھتے تھے، جیسے شاعر نے کہا ہے،

آتش عشق نے جلا ڈالا　　زندگی ہم نے مرکے پائی ہے،
مرکے ہوتی ہے زندگی حاصل　　ایسے مرنے کی تم دعا کرنا،

آپ کو اللہ تعالیٰ نے جن خوبیوں سے نوازا تھا ان میں ایک یہ کہ آپ کو زبان با تاثیر عطا ہوئی تھی آپ پر اصلاحی، سیاسی وسماجی، تعلیمی وتربیتی تحریک سے شغف رکھتے تھے، مدارس مکاتب، مساجد کا قیام بگڑے ہوئے معاشرہ کا سدھار آپ کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا، ہرکس وناکس آپ سے بے تکلف ملاقات کرلیا کرتا تھا، ہر ملنے والا محسوس کرتا تھا کہ سب سے زیادہ تعلق حضرت کو اسی سے ہے اور آپ کو قدرت علی الکلام کا وہ ملکہ دیا گیا تھا کہ سننے والے کے قلب میں ایک عجیب روحانی وایمانی رنگ پیدا ہوجاتا تھا، آپ کا خطاب صادق المصدوق کے فرمان (اِنّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرَا) کا مصداق لگتا تھا، حضرات صحابہ کی تاریخ، ان کی نقوش حیات انکی دین کے لئے قربانیاں وہ اس انداز سے بیان فرمایا کرتے تھے کہ پتھر دل بھی پانی ہوجاتا اور اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، چنانچہ اللہ کے بے شمار بندوں نے آپ کے وعظ وبیان اور تقریر وخطاب سے استفادہ کیا اور ہزاروں نے ہدایت پائی،

بہت سارے مدارس اسلامیہ کے بانی وسرپرست رہے ہیں، مدارس کے ہمدرد وخیرخواہ رہے ہیں؟

آپ کا مدرسہ فیضان رحیمی سے تعلق

اسی سلسلہ کی ایک کڑی مدرسہ فیضان رحیمی مرزاپور پول ضلع سہارنپور یوپی جس کا قیام حضرت اقدس الحاج مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس سرہٗ کے مبارک

ہاتھوں ۱۹۰۵ء میں عمل میں آیا تھا۔ تاحیات حضرت نے اس ادارے کی سرپرستی فرمائی آپ کے واصل بحق ہوجانے کے بعد آپ کے جانشین حضرت اقدس الحاج مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ نے سرپرستی ونگرانی فرمائی کبھی کبھی ہفتہ عشرہ قیام بھی فرماتے تھے، آپ کے وصال کے بعد آپ کے خلفاء حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائپوریؒ حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب رائپوریؒ ناظم مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا زاہد حسن صاحب ابراہیمیؒ حضرت اقدس مولانا ابوالحسن علی حسن ندویؒ ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور تاحیات سرپرستی فرماتے رہے، اس وقت حضرت اقدس الحاج مولانا سید محمد مکرم حسین صاحب کاظمی سنسارپوری سرپرستی فرمارہے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت کے سایۂ عاطفت کو تادیر قائم رکھے اور آپکا فیض برابر جاری وساری رہے۔ یہ ناکارہ عبدالرشید المظاہری مرزاپوری جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے ۱۹۷۱ء میں فارغ ہوا، فراغت کے فوراً بعد استاذ محترم حضرت مفتی عبدالعزیز صاحب نے مدرسہ فیض القرآن ناہرپور ضلع یمنانگر ہریانہ میں مدرسہ کا ذمہ دار بنا کر بھیج دیا، وہاں دو سال تک مدرسہ کی خدمت کی، دیکھ ریکھ ونگرانی فرمائی اسی دوران کبھی کبھی حضرت اقدس الحاج مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوتی رہتی تھی، تو بار بار حضرت مدرسہ فیضان رحیمی کا ذکر فرماتے تھے کہ عبدالرشید مرزاپور جاؤ اور وہاں جا کر مدرسہ سنبھالو، حضرت موصوف مولانا زاہد حسن صاحبؒ وحافظ عبدالکریم صاحبؒ بوڑیہ ہریانہ والے وحافظ عبدالستار صاحبؒ نانکہ حضرت اقدس الحاج مولانا سید مکرم حسین صاحب خلیفۂ اجل حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ ان سبھی بزرگان دین کا خیال اور بار بار اصرار تھا کہ عبدالرشید آپ مدرسہ فیضان رحیمی جاؤ وہاں

کام کرو، بہرکیف ۱۹۷۳ء کے آخر میں احقر نے ان تمام بزرگان دین کے اصرار اور انکی توجہ اور خصوصاً حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے حکم سے مرزاپور مدرسہ فیضان رحیمی میں کام شروع کر دیا، اکابر دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور کی توجہات و دعائیں اور حضرت اقدس مولانا زاہد حسن صاحبؒ کا حکم اور آپکی دعاؤں سے آج الحمدللہ مدرسہ فیضان رحیمی تعلیمی وتربیتی وتعمیری ہر اعتبار سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے، جسکا ہر شخص بذاتِ چشم مشاہدہ کرسکتا ہے!

آپ کی تواضع

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپکی شخصیت ایمان ویقین، توکل واعتماد علی اللہ، انابت وخشوع، خوف وخشیت، تقویٰ وطہارت اور دین متین کی خاطر مجاہدات وقربانیاں وغیرہ وغیرہ خصوصیات سے ممتاز کی گئی تھی، مگر اسکے باوجود ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ نہایت سادہ طبیعت اور انتہائی متواضع ومنکسر المزاج بھی واقع ہوئے تھے، سبھی کے ساتھ اسی سادگی اور تواضع کے ساتھ پیش آتے تھے، اور ہر ایک کے ساتھ خوشی کا برتاؤ کیا کرتے تھے، لیکن آخرکار وہ گھڑی آہی گئی جس سے کسی نفر کو مفر نہیں موت کے اس قانون سے نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے، نہ ولی، نہ عالم، نہ جاہل، نہ نیک، نہ بد، نہ مومن، نہ کافر، نہ شاہ، نہ گدا اپنے اپنے وقت پر ہی سب کو جانا ہے، لیکن جانے والوں میں سے کچھ ایسے خوش بخت بھی ہوتے ہیں کہ زندگی انکے نقش پا سے راستہ ڈھونڈتی ہے، قومیں انکے نور سے روشنی پاتی ہے، انسانیت ان سے غازہ حسن مستعار لیتی ہے، شرافت ان پر ناز کرتی ہے محبوبیت انہیں دیکھ دیکھ کر اپنے گیسو سنوارتی ہے، ایوان علم ان کے بہار آفریں وجود سے گل ولالہ بن جاتا ہے، مجروح قلب انکے انفاس سے شفا پاتے ہیں،

بے ودرماندہ افراد انکے سایۂ عاطفت میں پناہ لیتے ہیں، وہ سم کے مانند پگھلتے ہیں مگر مخلوق خدا کو ضوفشاں کرتے ہیں خود جلتے ہیں مگر دوسروں کو جلا بخشتے ہیں، خود بے چین و بے قرار رہ کر دوسروں کو راحت وسکون عطا کرتے ہیں، انکے آئینہ روخ زیبا میں یاد خدا کی تصویر جھلکتی نظر آتی ہے، انکی دید آنکھوں کو نور اور دل کو سرور عطا کرتی ہے، انکی محفل سکینت جنت کا نمونہ پیش کرتی ہے، وہ خاموش ہوں تو ہیبت ووقار پر پہرا دیتے ہیں، وہ بات کریں تو موتی رولتے ہیں، مسکرائے تو پھول برساتے ہیں، ناز کریں تو آسمان سے صدائے لبیک آتی ہیں، گڑگڑائے تو عرش الٰہی کانپ جاتا ہے، دنیا سے یہ بھی جاتے ہیں مگر اس شان سے جاتے ہیں کہ ہر سوصف ماتم بچھ جاتی ہیں، آسمان وزمین نوحہ کرتے ہیں، انسانیت کا پرچم سرنگوں ہوجاتا ہے، زمانہ تاریخ کی کروٹ بدل لیتا ہے اور قصر ملت میں زلزلہ آجاتا ہے۔

مدرسہ فیضان رحیمی مرزاپور میں آپکا آخری سفر

چنانچہ ۱۹۸۸ء میں بموقعہ تقریب ختم کلام اللہ شریف آپ کو مدعو کیا گیا اور اہل مدرسہ کی دعوت پر آپ تشریف لائے، اور طلباء وطالبات کے کلام پاک پورے کرائے اور عام اجلاس کو اپنے قیمتی وعظ اور پند ونصائح سے نوازا (یہ آپکا مرزاپور اور اطراف کا آخری سفر تھا) آپؒ کے طرز تکلم اور رقت آمیز کلمات سے ہم سب پر کچھ عجیب کیفیت پیدا ہوئی پروگرام کے بعد رائپور خانقاہ تشریف لے گئے، احقر آپ کے ہمراہ رائپور تک گیا، حضرت راستہ میں بار بار یہ فرماتے رہے عبدالرشید رائپور خانقاہ میں آیا کرو، روحانی بہت بڑا فائدہ ہوگا۔

ہم حضرت کو رائپور خانقاہ چھوڑ کر واپس آگئے چونکہ احقر کی اگلے روز عمرہ کے لئے

روانگی تھی، پانچ روز بعد حرم مکہ میں طواف کرتے ہوئے فدائے ملت حضرت اقدس الحاج مولانا سید محمد اسعد مدنی صاحبؒ صدر جمعیۃ علماء ہند سے ملاقات ہوئی، حضرت موصوف نے فرمایا کہ عبدالرشید کچھ معلوم بھی ہے، میں نے حیرت سے مولانا کے منھ کی طرف دیکھا، تو بولے حضرت مولانا زاہد حسن صاحب ابراہیمی صدر جمعیۃ علماء سہارنپور اس دنیا میں نہیں رہے۔ اس طرح مورخہ۔ ۲۷۔ مارچ۔ یکشنبہ کے دن ۱۹۸۸ء میں حضرت اس دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئے؟

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
آپ ہی چلدئے داستاں کہتے کہتے

آپکا خاندان وآل واولاد

آپنے اپنے پیچھے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ لڑکوں میں (۱) مولانا محمد عارف صاحب قاسمی (۲) مولانا مفتی محمد طیب صاحبؒ (۳) مولانا محمد اشفاق صاحب (۴) مولانا مفتی محمد اسجد صاحب قاسمی و بھائی محمد ساجد صاحب۔ حضرت قدس سرہ کا ایک لڑکا محمد طاہر جو کہ کم عمری میں انتقال کر چکا تھا۔

الحمدللہ سبھی لڑکے قابل، باصلاحیت و بااستعداد ہیں اور دین کی اہم وعظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔

بڑے لڑکے مولانا محمد عارف صاحب ایک بڑے مدرسہ سراج العلوم دجھیڑہ کے ناظم ہیں۔

مولانا مفتی محمد اسجد صاحب جو کہ دارالعلوم دیوبند میں شعبہ دارالقرآن کے ناظم و نگراں ہیں۔

مولانا محمد اشفاق صاحب و دیگر لڑکے بھی دینی کام کیلئے کوشاں رہتے ہیں۔

لڑکیوں میں ایک صاحبزادی جو کہ ماسٹر شمشاد جنگ کاندھلوی کے نکاح میں ہے، دوسری چھوٹی صاحبزادی جو کہ مولانا عبداللہ مغیثی صاحب دامت برکاتہم کے بڑے لڑکے مولانا عبدالقادر مظاہری کے نکاح میں ہے الحمدللہ سبھی اولاد نیک اور وراثت زاہدی کے سچے پاسباں ہیں اور دین وملت کی عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اللھم زدفزد

○❖○

نمونۂ اسلاف اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ ایک ہمہ گیر شخصیت

از:- پیر طریقت حضرت الحاج مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمی
مہتمم جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم چھٹمل پور

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین والعاقبۃ للمتقین۔ امابعد قال النبی ﷺ حسنوا ذکر موتکم۔

اسلاف کی یادگار اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان نیک اور سعادت مندوں میں سے تھے، جن کی حیات مستعار کے لمحات خالص باری تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے دینی، ملی، سیاسی اور سماجی خدمت کے لئے قبول کر لیے تھے، آپ سیاسی قائد بھی تھے، اور تعلیمی میدان کے شہسوار بھی، سماجی بزم میں آپ کا نام اور کام کئی حیثیت سے نمایاں رہے گا بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ آپ کی شخصیت دین وسیاست کا حسین امتزاج تھی تو کوئی مبالغہ نہیں، عام طور پر انسان سیاست سے مربوط ہوتا ہے لیکن وہ علمی اور اسی طرح راہ سلوک میں تہی دامن ہوتا ہے، اور جس کا تعلق تصوف وسلوک سے ہوتا ہے وہ سیاسی میدان میں طفل مکتب ہوتا ہے، مگر یہاں دونوں چیزیں جمع تھیں، علم سیاست اور تصوف آپ کی شخصیت کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ نے ہمیشہ قوم وملت کی مخلصانہ خدمت انجام دیں، خلوص کی اس جامعیت پر کبھی آپ نے شہرت اور ناموری سے اس کو داغدار نہیں ہونے دیا، جو بھی کرتے تھے اللہ کے لئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کرتے تھے، ملت کا نفع، قوم

کی بھلائی اور دین اسلام کی ترویج واشاعت آپ کے پیش نظر رہتی، یہی وہ جذبہ ہے جو کسی قائد اور پیشوا کو اعتبار اور دوام بخشتا ہے اس کے برگ وبار سے ملت ہمیشہ استفادہ کرتی رہتی ہے۔

نمیرد آنکس کہ دلش زندہ شد بہ عشق   ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آپ کی ملی خدمات کے بہت سے عنوانات ہیں، خاص طور سے متحدہ پنجاب میں آپ کی ملی کاوشیں تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ محفوظ رہیں گی، آزادی کے بعد آپ نے بہت سے اکابرین خاص طور سے مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کے ساتھ ہریانہ وپنجاب کے علاقوں میں مساجد ومدارس کی تعمیر ان کی باز آبادکاری کی محنتیں ان کو ہمیشہ خراج عقیدت پیش کرتی رہیں گی، ان کی خدمت کا اور مزید دائرہ ہے مرتدین کو دین سے جوڑا، ان کے لئے مساجد کا خوشگوار ماحول بنایا، ان کے بچوں کو مکاتب کا راستہ دکھایا، ان کے غیر اسلامی ناموں کو درست کیا، گھروں میں اسلام اور ایمان کی روشنی پیدا کی، غیر اسلامی طریقوں کے نکاح کو اسلامی طریقوں پر گامزن کیا، مردوں کے سروں پر ٹوپیاں، عورتوں کو حیا کی چادر عطا کی، ان کے عقائد کو درست کیا، ان کو اسلام کے شعائر اور اہمیت سے آگاہ کیا، یہ انتھک محنتیں اور قربانیاں اس مخلص ذات سے مرتے دم تک وابستہ رہیں، وان لیس للانسان الا ماسعیٰ وان سعیہ سوف یری ٥ جہاں سب کچھ لٹ پٹ گیا تھا، لیکن اس مرد مجاہد نے اور محب سنت نے دوبارہ آباد کیا، ان میں زندہ دلی اور خود اعتمادی پیدا کی، قرآن پاک ناطق ہے۔ فاماتہ اللہ مأۃ عام ثم بعثہ۔

ایک شاعر نے نقشہ کھینچا ہے:

چمن میں تخت پر جس دم شہِ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں اک شور تھا غل تھا

کھلی جب آنکھ نرگس کی نہ تھا جز خار کچھ باقی
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

اوراسی طرح منظرکشی حضرت علامہ ڈاکٹر علامہ اقبالؒ نے قرطبہ وغیرہ کی فرمائی تھی۔

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جاکے دیکھے
مساجد کے محراب و در جاکے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جاکے دیکھے
وہ اجڑا ہوا کروفر جاکے دیکھے
جلال ان کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ نہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

مجھے خوب یاد ہے کہ سرساوہ کی جامع مسجداورعیدگاہ کا جوحال تھا،آج بھی ایسی آنکھیں موجود ہیں،جنہوں نے اس صورت حال کودیکھا ہے،کوئی آگے بڑھنے کوتیار نہیں تھا، یہ مرد قلندر آگے بڑھا، اور اس کی بازیابی میں تن من دھن کی بازی لگادی،یہ شخص اپنی کسی بڑائی اورشہرت کی طلب کے بغیر قوم وملت کی خدمت کو دینی فریضہ سمجھ کرادا کرتا، یہی ان کی محبوبیت کا اصل راز کہ جس طرف بھی یہ نکلتا لوگوں کا ہجوم ساتھ ہوتا۔

اسی طرح سرساوہ کے قریب ایک چھوٹی سی بستی ہے، جہاں مسلمان اقلیت میں تھے،اور دیگر برادران وطن کی تعداد زیادہ تھی، اس بستی کا نام اغوان ہیڑہ ہے، یہ سرزمین بزرگوں کامسکن تھی، میرے استاذ اول حضرت میاں جی غلام نبی صاحبؒ جو حضرت شیخ الحدیث مہاجر مکی ومدنیؒ کے خلیفہ تھے،اسی بستی کے رہنے والے تھے،اس گاؤں میں ایک مسجد کی بڑی شدید ضرورت تھی، یہاں لوگوں نے اتفاق رائے سے

ایک مسجد بنانے کاارادہ کیا،لیکن بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، دوسرے لوگ اس عظیم مشن کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے لگے اوران کی شدت بڑھتی ہی گئی آخرمسجد کی تعمیر عمل میں آئی، جن حضرات نے اس میں کلیدی کردارادا کیا، ان میں پیش پیش ہمارے محسن اور کرم فرمامشفق ومربی اسدالہند حضرت مولانا زاہدحسن صاحب نوراللہ مرقدہ تھے، جو مساجد و مدارس میں مسلمانوں سے مخاطب ہوئے، کچہریوں میں، تھانوں، ایوان حکومت میں اپنی آواز بلند کرتے تھے، ان کی آواز سنی جاتی تھی۔ وہ نڈر تھے، بیباک تھے، جری تھے،خوددار تھے،ان کے جذبہ وزبان کوکوئی طاقت خرید نہیں سکتی تھی۔

اے جذبۂ خودداری جھکنے نہ دیا تو نے   لکھنے کے لئے ورنہ سونے کے قلم آتے

نہ وہ کسی سے خوف کھاتے، نہ کسی سے ملامت کی پرواہ کرتے، نہ کسی کی مدح و ستائش سے ان کا سینہ پھولتا اورنہ ہی کوئی بھی چیزان کی قوت پرواز کو بوجھل کرسکتی تھی۔

لایخافون لومة لائم، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

اس نے اپنے اِس علاقہ کا بھی دورہ کیا، اللہ کے بندوں کواللہ سے جوڑا انہیں انکا نصب العین یاد دلایا، فکرآخرت پیدا کی، ان کی ضرورتوں کو سمجھا، اس کو پورا کیا، تلواروں کے سایہ میں مساجد کوآبادکیا، ان کو بنوایا۔ ہزیمت خوردہ ملت کوحوصلہ، اعتماد اورجذبہ بخشا۔

گماں آباد ہستی میں یقیں مردمسلماں کا   بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

عام طور پراس ہمہ گیرخدمت کے افراداپنے گھر سے بیگانہ ہوجاتے ہیں، بچوں کی تربیت نہیں کرپاتے، اورصاحبزادگان اپنے باپ کے اثرورسوخ کا غلط استعمال کرکے شریعت وسنت سے دستبردار ہو جاتے ہیں، مگر انہوں نے اپنی اولاد میں تواضع،

خاکساری پیدا کی، انہیں علوم نبوت سے آراستہ کیا۔ان کے سعادتمند صاحبزادگان قرآن وسنت سے مربوط رہے اور یہ سلسلہ ان کی تیسری نسل میں بھی بڑی طاقت وقوت کے ساتھ جاری ہے، عالم بن عالم بن عالم کے مرتبہ پر فائز ہیں، اس کا ثواب بدلہ ان کے حصہ میں ہے، صبح وشام فرشتے یہ اجر پیش کرتے ہیں، ان کے درجات بلند سے بلندتر ہوتے ہوں گے۔

ترے حلقہ سخن میں ابھی زیرِ تربیت ہیں
وہ گدا کہ جانتے ہیں رہ و رسم کج کلاہی

ان کے فیض یافتہ مریدین میں، شاگردوں میں جن کو انہوں نے تیار کیا ہے جن پر محنتیں کی ہیں، انہیں مکتب سے مدرسہ اور مدرسہ سے جامعہ کا راستہ دکھایا، انہیں استاد، معلم، مدرس، ربّانی اور اپنے وقت کا شیخ بنایا، جس کی فہرست طویل ہے یہ بھی ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ میں خود اپنے بارے میں عرض کروں اگر حضرت مولانا کی نگاہِ تربیت مجھ پر نہ پڑتی۔تو میں یہاں تک نہ پہونچتا، مجھے پروان چڑھانے میں ان کا نا قابل فراموش کردار ہے، باری تعالیٰ اپنی شایان شان ان کو اچھا بدلہ عطا فرمائے، سرساوہ کے قریب ایک بستی سے میرا تعلق ہے، اب تو بیس سال سے زائد سرساوہ میں دارِ ہاشم کے نام سے ایک غریب خانہ میں قیام پذیر ہوں، میرا بچپنہ تھا، ہم مدرسہ ومکتب کے ماحول سے نابلد تھے، مگر حضرت مولانا دیہاتوں سے بچوں کو چندے میں لاتے تھے اور جامع مسجد میں خود نگرانی فرماتے، تربیت فرماتے، آگے بڑھاتے، میرے دادا صوفی امام الدین مرحوم نے ان کی جھولی میں مجھے ڈال دیا، انہوں نے دوسری قریبی بستیوں کا دورہ کیا، علاقہ بھر کے بچے سائکل پر یا پیدل یہاں حاضر ہوتے، وہ قاری شریف احمد صاحب، حافظ شبراتی، حافظ مشتاق، حافظ یاسین وغیرہ کو بھی لائے اور ہمیں اپنے بچوں

سے زیادہ پیار دیا، ہمارے نخرے برداشت کئے، ہم نے نافرمانیاں کی، انہوں نے برا نہ مانا، ہم سے کوتاہیاں ہوئیں انہیں نظرانداز کیا، ہم نے بے اعتنائی برتی مگر انہوں نے اپنائیت میں کوئی فرق نہ آنے دیا، وہ معلم تھے، مربی تھے، شیخ تھے، داعی تھے، بڑے متواضع تھے۔

میں آگے بڑھا جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم چھٹمل پور میرا داخلہ کرایا، میرا ملنا جلنا کم ہوگیا، میں انہیں بھول گیا، مگر وہ مجھے نہ بھولے، کسی شناسا سے جب بھی ملاقات ہوتی معلوم ہوتا کہ حضرت مجھے یاد کررہے ہیں، واقعتا انکا یہ تعلق صرف اور صرف اللہ کے لئے تھا۔ چہارم کا سال تھا سہارنپور کے ایک پروگرام میں- میں بھی شامل تھا، مجھے ان سے ملنے میں خوف تھا، ڈرتھا اور شرم بھی تھی، میں ملاقات کرنی نہیں چاہتا تھا، مگر انہوں نے مجھے دیکھ لیا، دعا سلام کے بعد پوچھا اب تمہارا کیا ارادہ ہے، کہاں داخلہ لوگے، میں نے سوچا دارالعلوم دیوبند میرا داخلہ کہاں ہوسکتا ہے، جلال آباد کا نام لیا، فرمایا دارالعلوم چلے جاؤ میں نے اپنی کم مائیگی کا اظہار کیا، ان کے ساتھ مولانا شمیم احمد تھے، جو جمعیۃ العلماء کے ذمہ داروں میں سے تھے، مولانا شمیم صاحب سے فرمایا ان کی درخواست دارالعلوم میں دلواؤ اور انکا داخلہ کراؤ، دارالعلوم میں انہوں نے درخواست دلوائی، امتحان کی تاریخ مل گئی، یہ بھی فرمایا کہ امتحان دلوادینا اور فرمایا میں حاضر ہوجاؤنگا، میں حضرت سے پہلے ہی پہونچ گیا، حضرت اقدس مولانا شیخ نصیر احمد خاں صاحبؒ کے پاس میرا امتحان تھا، حضرت نے قطبی وغیرہ سے کچھ سوالات فرمائے اور پوچھا کہاں پڑھکر آئے ہو، میں نے مدرسہ کا تعارف کرایا تو آپ نے فرمایا میں نے وہاں سالانہ امتحان لیا تھا اور مجھے بھی اچھے نمبرات دیئے تھے۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور مجھے کامیاب کردیا۔اس کے بعد حضرت مولانا زاہد حسن صاحب صرف اور صرف میری وجہ سے دارالعلوم تشریف

لائے۔ ملاقات ہوئی پوچھا ہاشم امتحان میں کامیاب ہوگئے۔ میں نے پوری تفصیل بتائی بہت خوش ہوئے مبارک باد دی، اور اطمینان وتسلی کیلئے حضرت مولانا شمیم صاحب سے فرمایا دفتر تعلیمات جاؤ اور ان کی کیفیت معلوم کرکے آؤ۔ انہوں نے تعلیمات میں معلوم کیا، حضرت کو تسلی ہوئی۔ آج اتنی محنت کوئی اپنی اولاد کیلئے بھی نہیں کرتا، یہ ان کی دینی حمیت تھی، وہ قوموں، برادریوں، خاندانوں اور علاقوں سے بہت اونچا ابھر کر سوچتے تھے، کام کرتے تھے، افراد بناتے تھے، ان کے سامنے صرف اور صرف ملت تھی، قوم تھی، انسانیت تھی۔

غبار آلودۂ رنگ ونسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہوجا

حقیقت میں آپ غمگسار ملت تھے، محسن ملت تھے، میں ان کے ان احسان کا کیا بدلا دے سکتا ہوں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ان کا اجر ہے ثواب ہے، مجھ جیسے کتنے لوگوں کو انہوں نے بنایا ہے۔ بہت سے حضرات ہیں ان پر محنت کی اور انہیں جامع مسجد کا واعظ، مدارس کا معلم بنایا، پھر مرشد کے درجات پر فائز کیا، ان کی ذات گرامی سے ان کا علاقہ درعلاقہ فیض یاب ہوا، اسی کو حدیث پاک میں فرمایا حضرت ابو ہریرہ ؓ راوی ہیں "اذا مات ابن آدم علیہ السلام انقطع عنه عمله الا من ثلاث صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له (مسلم)

جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم چھٹمل پور سے میری وابستگی ہوگئی، حضرت گاہ بگاہ یہاں تشریف لاتے، قیمتی مشوروں سے نوازتے، ایک مرتبہ فرمایا مولوی محمد ہاشم صاحب تین باتیں بتاتا ہوں، ان کو گرہ سے باندھ لو کامیاب رہوگے اور وہ باتیں میری نہیں بلکہ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند کی ہیں، آپ ان باتوں

کو خاص طور پر فضلائے مدارس سے فرماتے تھے۔

(۱) ناظم و مہتمم سے نہ ٹکرانا- ذمہ دار چاہے پھونس ہی کا کیوں نہ ہو، اس کی اطاعت وفرماں برداری ضروری ہے اور مولانا شریف صاحبؒ کی مدد کرو۔

(۲) مدرسہ کے مفاد میں رہو، اسکی مخالفت نہ کرو، اپنا خسارہ برداشت کرلو۔

(۳) از خود مدرسہ نہ چھوڑو اور اگر مدرسہ کے تحت اس طرح کے حالات پیدا ہوں تو اللہ تعالیٰ پر توکل وبھروسہ کے ساتھ خاموشی سے الگ ہوجانا، یہ بھی فرمایا کہ حضرت شیخ الادبؒ فرمایا کرتے تھے کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے دارالعلوم دیوبند میں حکیم الاسلام حضرت اقدس قاری طیب صاحبؒ سے تعلقات کو خراب کیا حالانکہ شاگرد تھے۔

الحمدللہ ان قیمتی نصائح پر میں نے عمل کیا، اس وقت سے لیکر آج تک جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم میں بڑے حالات آئے، انتظامات میں تبدیلیاں ہوئیں مگر ہر ذمہ دار مجھ سے خوش رہا، میرے کاموں کی تعریف کی، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم سے وابستہ ہوں۔

یہ ہمارے محسن وکرم فرما حضرت مولاناؒ کی برکات تھیں، جنہیں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ جیسے باکمالات اساتذہ کرام کا تلمذ حاصل ہوا تھا۔ شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی نظر نے جنہیں کندن بنایا تھا اور جنہیں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے ساتھ برکۃ العصر حضرت شیخ زکریاؒ سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی، اس احساس کے ساتھ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

میرے ساتھ ان کے تمام اہل خانہ محبت کا معاملہ کرتے ہیں، مجھے حضرت والا جیسا

پیار دیتے ہیں، اپنی کسی بھی تقریب میں مجھے فراموش نہیں کرتے، سچ بات یہ کہ بندہ آج جو کچھ بھی ہے سب اس گھرانہ کا فضل اور احسان ہے، میں کبھی ان کے احسان کا بدلہ ادا نہیں کرسکتا، جب میں حضرت اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی بے پناہ محبتوں کا تصور کرتا ہوں تو مری آنکھیں ڈبڈبا جاتی ہیں، بس میں اپنی علمی کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مرتبہ اپنے محسن کو اس شعر کے ساتھ خراج عقیدت پیش کرتا ہوں۔

لطف و احسان آپ کا ہے قدر دانی آپ کی
بندہ کس لائق ہے صاحب مہربانی آپ کی

میں حضرت اسد الہندؒ کی سوانح حیات موسوم،، حیاتِ زاہد،، کی جمع و ترتیب پر مبارک باد پیش کرتا ہوں، میری یہ دیرینہ تمنا تھی کہ حضرت والا کے حالات جو بکھرے پڑے ہیں، وہ سامنے آجائیں، اس سے کام کرنے والوں کے سامنے آجائیں، اس سے کام کرنے والوں کو ہمت، جذبہ اور روشنی ملے گی۔ باری تعالی اس کوشش کو قبول فرما کر نافع بنائے۔ (آمین)

والسلام

○❖○

آپ کے بعد اندھیرا رہ گیا ہے محفل میں

از۔ بانی کنز العلوم ٹڈولی حضرت مولانا محمد قیصر صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے بعد اندھیرا رہ گیا ہے محفل میں
بہت چراغ جلاؤگے روشنی کے لئے

راقم الحروف (حضرت مولانا قیصر صاحب) حضرت اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ کا براہِ راست شاگرد تو نہیں ہے البتہ ان کی صحبت سے استفادہ ضرور حاصل کیا ہے۔ حضرت مولانا زاہد حسنؒ جامعہ احمد العلوم خانپور کے سرپرست و نگرانِ اعلی تھے اور جمعرات و پیر کے روز مشکوٰۃ شریف کا درس بھی دیتے تھے۔ جمعرات کے روز بعد عشاء مجلسِ ذکر بھی ہوتی تھی۔ جس میں دور دراز اور علاقہ کے کافی افراد شرکت کرتے تھے۔

اس زمانہ میں راقم بھی احمد العلوم خانپور میں زیر تعلیم تھا۔ مجھے حضرت والا سے بڑا انس تھا۔ چنانچہ میں خدمت کے لئے ان کی قیام گاہ میں جاتا تھا۔ اور پیر وغیرہ دبادیا کرتا تھا۔ اور حضرت والا ہمیں اچھی اچھی نصیحتیں فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ راقم پیر دبا رہا تھا وہ میری جوانی کا آغاز تھا۔ تو مجھے متوجہ کر کے فرمایا کہ بیٹا اپنے آپ کو بدنگاہی سے بچانا۔ پھر تمہیں علم کا نور نصیب ہوگا۔ فرمایا کہ حضرت کی نصیحت کی برکت سے اللہ تعالی نے مجھے اس مرض سے محفوظ رکھا۔

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے گاؤں گاؤں اور گھر گھر جا کر جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ انہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں پیادہ پا پوری قوم کی سوچ کو دین کی طرف تبدیل کر دیا تھا۔

جس جگہ آج کنز العلوم واقع ہے اس میدان میں حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ

نے تقریباً پچپیس سال پہلے یہاں مدرسہ کی بنیاد یہ کہکر رکھی تھی کہ مجھے خدا کی ذات سے امید ہے کہ انشا ٔ اللہ یہاں مدرسہ قائم ہوگا۔اور ظاہری سبب اسکا یہ تھا کہ مہنت جگنا تھ جو ۱۹۴۶ء میں نکوڑ ہندو کونسی ٹونسی سے ایم ،ایل، اے، تھا اور ہندو مسلم اتحاد کا دعوے دار تھا اس کا یہاں گاؤں ٹڈولی میں آنا جانا تھا اس نے لوگوں کو یہ بات کہنی شروع کی کہ اس خالی پڑی زمین میں ایک انٹر اسکول بنجائیگا اور سڑک والی مسجد جو اس زمانہ میں بہت چھوٹی سی تھی کہ اس کی برابر میں میرا یادگار مجسمہ بن جائیگا۔اور اس نے مسجد کی برابر میں خالی پڑی زمین میں درا بچھا کر مجلس لگانی شروع کردی تھی۔ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کو کسی نے اسکی یہ ساری پلاننگ بتلادی تو حضرت مولاناؒ نے بہت دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اسکو یہ کہہ کر منع کروادیا کہ یہاں کچھ نہیں بنے گا یہاں تو ہمارے ڈنگر ڈھور چرتے ہیں اور ٹڈولی کے چودھریوں کو سمجھایا کہا نشاء اللہ یہاں مدرسہ بنے گا اور گاؤں کے چودھریوں کو ساتھ لیکر اس خالی میدان میں مدرسہ کی بنیاد رکھ دی۔ تا کہ مہنت جگنا تھ جی کو معلوم ہوجائے کہ مولانا صاحبؒ نے وہاں بنیاد رکھدی ہے۔ مذکورہ واقعہ کے تقریباً پچپیس یا چھبیس سال کے بعد از سر نو ۱۹۸۲ء میں دوبارہ بنیاد رکھی گئ۔ الحمد للہ۔ موضع ٹڈولی کے باشندے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے بہت زیادہ عقیدت مند تھے مدرسہ قائم ہوجانے کے بعد ہمیشہ سے مدرسہ کے ہر اعتبار سے خیر خواہ رہے ہیں۔ جزاہ اللہ خیراً۔

ہمارے حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ جامعہ کنز العلوم ٹڈولی کی سنگ بنیاد عمل میں آنے کے بعد حضرت والا نے پوری پوری سرپرستی فرمائی اور ہر موڑ پہ سینہ سپر ہوکر ہمارے ساتھ کھڑے رہے۔ان کی للّٰہیت قابل دید تھی۔

ایک مرتبہ سخت دوپہر میں پیادہ پا سفر کرتے ہوئے مدرسہ پہنچے یہ اس دور کی بات

ہے جب مدرسہ کنز العلوم عہد طفولیت کے دور سے گزر رہا تھا۔صرف دو درس گاہیں تعمیر ہوئی تھیں۔ چنانچہ خیر خیریت کے بعد بے تکلف معلوم کیا کہ مولوی صاحب کچھ کھانے کے لئے ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ابھی گاؤں سے منگوا دیتا ہوں۔فرمایا نہیں جو موجود ہو بس وہی کافی ہے۔اس وقت مدرسہ میں مطبخ بھی نہیں تھا۔ہم خدام کا کھانا بھی بستی سے آتا تھا۔ چنانچہ میری چنگیری میں دو روٹی اور چٹنی بچی ہوئی رکھی تھی۔ حضرت والا نے چنگیری خود اٹھا کر فرمایا آہا، ماشاء اللہ! مزہ آ گیا میرے لئے تو یہی کافی ہے۔ اور سوکھی روٹی چٹنی کے ساتھ کھا کر پانی پی کر اللہ تعالی کا شکر ادا کیا۔اور بھری دوپہر میں ہی پیدل اپنی اگلی منزل کے لئے روانہ ہوگئے۔

آج اس واقعہ کو تقریباً ۳۶ سال ہوگئے ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے اندر اللہ تعالی نے قوم کی کیسی تڑپ اور محبت ودیعت فرمائی تھی جس کی وجہ سے وہ نہ سردی کی پروا کرتے نہ گرمی کی شدت دیکھتے تھے نہ بھوک پیاس کا احساس کرتے نہ اپنے راحت و آرام کا خیال کرتے تھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی رہی
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے سہارنپور جامع مسجد میں شرعی پنچایت قائم فرما کر خاندانی تنازعات کو ختم کرانے کی مخلصانہ کوشش فرمائی ہے خاص طور پر شوہر بیوی کے آپسی تنازعات کو حل کرا کر سینکڑوں لڑکیوں کو سسرال پہنچوایا ہے۔ان کی اس جدو جہد سے بے شمار گھر آباد ہوگئے ہیں الحمد للہ علی ذالک

حضرت والا نے رسومات اور بیاہ شادیوں میں فضول خرچیوں کے خلاف بھی پوری پوری جدو جہد فرمائی ہے۔ اس لئے گاؤں گاؤں جا کر پنچایتیں کر کے لوگوں کو سمجھایا

ہے۔اورکمیٹیاں بھی قائم فرمائی ہیں۔اس سے بھی قوم کوایک عظیم فائدہ ہوا ہے۔ان جیسا تو آج کوئی بھی نظر ہی نہیں آتا ہے۔وہ زمانہ کی قائدانہ مجاہدانہ صفات کی حامل عظیم شخصیت تھی۔

ہزاروں رحمتیں ہوں اے میر کارواں تجھ پر
فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری

بے باک اور جری انسان

حضرت مولانا محمد سعیدی صاحب مدظلہ العالی
ناظم ومتولی مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أحمدہ وأصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

اسلام ایک مکمل دین ہے،اس دین کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حسب ضرورت کتابیں نازل کیں، مختلف ملکوں، شہروں،قوموں اورقبیلوں میں انبیاء کرام کومبعوث فرمایا جنہوں نے پیام الٰہی کومخلوق الٰہی تک پورے طور پر پہنچانے میں عظیم کردارادافرمایا۔صالحین کی جماعت بھی بلاشبہ اسی سلسلۃ الذہب کی مبارک ومسعودکڑی ہے جواپنے طور پر دینی احکامات اورنبوی فرمودات سے امت کوواقف وروشناس کراتے ہیں،جس طرح تمام آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ فیض قرآن کریم سے پہنچااسی طرح تمام ہادیوں اور پیمبروں میں سب سے زیادہ فائدہ امت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہوا۔

اولیاء کرام روئے زمین پراللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندگان اورترجمان ہیں جو نبی کے ارشادات بتاتے ہیں، جودین کی صحیح تصویراورصحیح باتیں امت کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

قیامت کازمانہ جوں جوں قریب آتا جارہاہے علماء اورصالحین اٹھتے جارہے ہیں، یہ دورفتنوں کادورہے، آج کاانسان ہرشخص نئی صبح کے ساتھ نئے فتنے سے روبہ روہوتاہے، نئے رہبر، نئے فتنے خودرَوکاہ وگیاہ کے مانند پیداہوتے جارہے ہیں،علم

اٹھتا اور دنیا علماء کے وجود سے محروم ہوتی جا رہی ہے، جس طرح تسبیح کے ٹوٹ جانے پر دانے بکھر جاتے ہیں لگتا ہے کوئی تسبیح ٹوٹ گئی ہے اور دانے بکھرنے لگے ہیں، روز کسی نہ کسی کی رحلت سن کر حرماں نصیبی کا احساس ہوتا ہے، روز کسی کی جدائی پر اشک فرقت اور احساس جدائی پختہ ہوتا جاتا ہے۔ تاہم قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلنے والے الفاظ اور کلمات روز روشن کی طرح اتنے واضح ہیں کہ ان کا نہ تو انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان صداقتوں سے فرار ممکن ہے۔ جو آیا ہے جانے کے لئے ہی آیا ہے بلکہ سچائی تو یہ ہے کہ انسان اپنی پیدائش کے پہلے دن سے ہی مرنا شروع ہو جاتا ہے تا آنکہ وقت اجل آ جاتا ہے اور لوگوں کی زبانوں پر کلمات ترجیع جاری ہو جاتے ہیں۔

ماضی قریب میں فوت ہونے والی دینی اور سیاسی شخصیت حضرت مولانا زاہد حسن کے علوم و اعمال سے میں واقف نہیں ہوں تاہم لوگوں کی زبانوں پر ان کے چرچے اور ان کے متعلقین کے ذریعہ ان کے مختلف دینی، رفاہی، سیاسی اور خلق خدا کی ہر ممکن خدمات کے واقعات کان میں ضرور پڑتے رہے، کسی نے ان کے تصوف کا نقشہ کھینچا تو کسی نے ان کی تدریسی زندگی کے واقعات بتائے، کسی نے مکاتب دینیہ کے سلسلہ میں ان کی قربانیوں کی تصویر کشی کی تو کسی نے معاشرہ کی اصلاح کے سلسلہ میں ان کی جگر سوزی اور جانکاہی بیان کی، بہتوں نے سیاست کے باب میں ان کی پختگی، ان کی عزیمت، ان کی استقامت اور ان کی دور اندیشی کے گن گائے تو کسی نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ان کی شبانہ روز جدوجہد بتائی یہ بھی بتایا گیا کہ وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے حد درجہ تعلق رکھتے تھے تو بہتوں نے یہ بتایا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ بھی

شفقت و مروت کا معاملہ فرماتے تھے، آپ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی مجلسوں میں شریک اور مشہور سیاسی بزرگ حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ کی خلوت و جلوت کے شاہد و مشاہد تھے، وہ تقسیم ملک سے پہلے صوبائی اسمبلی کے رکن اور اس عہد میں کانگریس پارٹی کے معتمد سمجھے جاتے تھے، آپ براہیمی ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، جامع مسجد سرساوہ کے مکتب میں پلے اور دارالعلوم دیوبند کی چہار دیواری میں پڑھے اور بڑھے، سنا ہے کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں بھی حصول فن تفسیر کی غرض سے پہنچے اور حضرت سے اکتساب فیض کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت مولانا زاہد حسنؒ حوصلہ مند، جری، بہادر، بیباک اور جمعیۃ و کانگریس کے وفادار خادم اور جاں نثار تھے ایسے وفادار اور ایسے خدمت گار جس جماعت اور جس جمعیۃ کو ملتے ہیں ترقی ہوتی ہے۔

افسوس کہ ۲۷/مارچ ۱۹۸۸ء میں وہ حوصلہ مند سپاہی اور بہادر و بیباک خادم قوم و ملک رخصت ہو گیا اور ان کے بعد صرف ان کی یادیں رہ گئیں جو پسماندگان کے قلب حزیں پر کچوکے لگاتی رہیں گی۔

ضرورت ہے کہ بعد والے لوگ کام کے افراد تیار کریں، رجال سازی پر توجہ دیں، اپنے بڑوں کے مشن کی تکمیل کے لئے خود ''مشین'' بن جائیں، جانے والوں کے لئے ترقیٔ درجات کی دعا کریں اور چراغ سے چراغ جلانے کی بھرپور محنت و کوشش کرتے رہیں۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس سوانحی مجموعہ سے امت کو فیضیاب ہونے کی توفیق بخشے یہ اہم کام بہت پہلے ہو جانا چاہئے تھا تاہم ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، توفیق

دینے والی ذات اللہ کی ہے ہر چیز اسی کی مرضی کے تابع ہے۔ دیر سے ہی سہی ایک عمدہ کام آپ کے ذریعہ وجود میں آیا ہے جس پر آپ تمام متعلقین کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ والسلام

تمہارے ساتھ یہ موسم فرشتوں جیسا
تمہارے بعد یہ موسم بہت ستائے گا

○❖○

مولانا زاہد حسنؒ-ایک ممتاز شخصیت

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر

استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

اِسے دارالعلوم دیوبند کا فیضان کہئے کہ اس علمی درسگاہ نے امت کو ایسے افراد دیئے جو یقینی طور پر منتخب روزگار تھے۔ جو جس جگہ گیا اور جہاں پہنچا اس نے اپنے نقوشِ عمل سے اُس سلسلۂ زریں کو نئی آب اور تاب سے گزارا اور تاریخ اکابر کو روشن اور تابناک بنانے میں اپنا کردار انتہائی خوبی اور صلاحیتوں کے ساتھ ادا کیا۔ قصباتی سطح پر بھی ایسے ممتاز افراد اور نمایاں لوگ دارالعلوم کی آغوش سے منصۂ حیات پر نمودار ہوئے جن کے ابتدائی احوال ہی اس بات کی جانب مشیر تھے کہ یہ ننھے ستارے ایک وقت آنے والا ہے کہ جب آسمانِ علم وفضل کے ماہتاب بنیں گے اور آفتاب کی صورت میں ڈھلیں گے۔ ان کرداروں کی کہانی یہ ہے کہ یہ علم وعمل کے خوگر، ثبات واستقلال کے پیکر اور عزیمت وارادے کے جوہرِ خاص سے پیدا ہوئے تھے اور ان کے عناصرِ ترکیبی میں خداوندقدوس نے وہ چیزیں فطری طور پر شامل فرمائی تھیں جو آگے چل کر ان کے بڑے بننے کا اعلان اور شناخت بننے والی تھیں۔ دارالعلوم میں دور دراز علاقوں سے پہنچنے والے تشنگانِ علم جب اس درسگاہِ علمی میں پہنچے تو اُنہیں ہر استاذ کے یہاں کچھ نہ کچھ پانے کا موقع ملا اور انہوں نے حسبِ ظرف تمام ہی اساتذہ کے دسترخوانِ علم سے زُلہ ربائی کی، اُن کا نام اُن خوشہ چینیوں میں شامل ہوا جن کی قسمت کا ستارہ آنے والے زمانے میں خوب چمکا اور جس کی روشنی کو لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرساوہ، ضلع سہارنپور کی ایک قریبی بستی کے رہنے والے تھے۔

انہوں نے جلوہ گاہِ عالم میں ۱۹۱۸ء میں آنکھ کھولی اور ۱۹۸۸ء میں سلسلۂ حیات منقطع ہوگیا۔ سنین وسال کے آئینے میں دیکھیں تو انہوں نے صرف ۷۰ رسال کی عمر پائی، ۷۰ رسال میں ۲۰ رسال تو یقینی طور پر تعلیمی مراحل طے کرنے میں گزر گئے۔ عملی زندگی کا آغاز یقینی طور پر ۲۵ رسال کی عمر میں ہوا ہوگا۔ ۴۵ رسال انہوں نے کارگاہِ حیات میں استقلال واستقامت کے نمونے پیش کئے، جدوجہد اور محنت کی تاریخ مرتب کی۔

جس زمانے میں وہ دارالعلوم دیوبند پہنچے وہ زمانہ دارالعلوم دیوبند کے نامی گرامی اساتذہ اور بلند قامت علمی شخصیتوں کا زمانہ تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی شاگردی کا انہیں فخر حاصل ہوا، انہوں نے نہ صرف یہ کہ استاذ سے علمی استفادہ کیا بلکہ ان کی مجاہدانہ اور سعی وعمل سے بھرپور زندگی کے نقوش بھی ان کے دل اور روح کا حصہ بنے۔ انہوں نے ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے خود کو وقف کیا اور اس راستے پر قدم بڑھائے جوان کے شیخ کا راستہ تھا۔ سلوک وتصوف کی راہیں انہوں نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خانقاہ میں طے کیں اور اپنے دور کے اس ولیِ کامل اور دردمند دل رکھنے والے انسان کی پاکیزہ صحبتوں، پُرنور مجلسوں اور نفسِ قدسی سے دل و دماغ کی نظافت اور فکروخیال کی نورانیت پائی۔ دونوں جگہ سے انہیں بہت کچھ ملا اور ان کی شخصیت ایک ایسے سانچے میں ڈھلی جو اُس دور سے لے کر آج تک ایک نمونہ اور آنے والے لوگوں کے لئے ایک مشعلِ فکر اور راہِ عمل ہے۔

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے مختلف النوع صلاحیتوں سے بلند اقبال فرمایا تھا اور ان کی جدوجہد اور کارِ مسلسل کے کئی میدان تھے جہاں ان کے نقوش نمایاں ہیں اور دور سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد درس وتدریس سے وابستگی رہی، ابتدائی کتابیں پڑھانے کے بعد ان کے پاس حدیث کی مشکوٰۃ شریف جیسی اہم ترین

کتاب بھی پہنچی اور انہوں نے اس کتاب کا حق ادا کیا۔ تدریسی صلاحیتیں اور تدریسی کمالات ان کی ذات کا حصہ تھے اس لئے کئی مدرسوں میں ان کے تدریسی کاموں کا ایک اچھا خاصا سلسلہ ہماری معلومات میں آتا ہے۔ انہوں نے جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی قائم کی اور دمِ واپسیں تک وہ جمعیۃ کے فعال اور مستعد افراد میں رہے۔ جمعیۃ سے وابستگی کے بعد دائرۂ کار اور بڑھا اور مختلف امور انہوں نے اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے ساتھ پورے کئے۔ خصوصی طور پر ان کے کاموں میں ''شرعی پنچایت'' کا قیام نمایاں ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے جو بھاگ دوڑ کی اور جس اخلاصِ نیت کے ساتھ خود کو مصروف رکھا اس سے ان کی صالح طبیعت اور فکری مزاج کا پتہ لگتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ایماء پر انہوں نے ایم-ایل-اے کا الیکشن بھی لڑا اور کامیاب ہوئے۔ میں نے حضرت مرحوم کو کئی بار دیوبند میں دیکھا۔ میں دارالعلوم دیوبند کا طالب علم تھا، وہ جمعیۃ کے سرگرم رکن اور دیوبند میں جمعیۃ کی قیادت مولانا شمیم احمد صاحبؒ مدرس دارالعلوم دیوبند کے ہاتھ میں تھی۔ مولانا شمیم صاحبؒ کا مدنی گھرانے سے انتہائی والہانہ تعلق رہا۔ اور ایک زمانے میں وہ صدر جمعیۃ مولانا اسعد مدنیؒ کے انتہائی قریبی اور معتمد لوگوں میں جانے جاتے تھے۔ حضرت مولانا زاہد صاحبؒ مولانا شمیم احمد صاحب کے پاس تشریف لایا کرتے تھے، اُن ہی دو چار مرتبہ کے آنے جانے میں اُن کی زیارت ہوئی۔ زمانہ ہوگیا جب اُنہیں دیکھا تھا، ان کا قد وقامت اور ان کی شکل وصورت کے کچھ نقوش ذہن میں محفوظ ہیں، کچھ دھندلے ہو چکے اور کچھ بالکل ختم ہوگئے۔ چھٹ پٹی سی صورت یاد پڑتی ہے، لمبا قد، جسم متناسب اور موزوں، چال تیز اور بات بڑی دھیمے اور سنجیدہ لہجے میں کرتے نظر آتے۔ مولانا شمیم صاحب کے یہاں اُن کا بہت آنا جانا تھا اور شاید ضلعی سطح پر جمعیۃ کی

سرگرمیوں اور صدر جمعیۃ کے پروگراموں کے سلسلے میں یہ ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ میں نے پہلے بھی کسی مضمون میں لکھا تھا اور اب پھر دوہراتا ہوں کہ ضلع کے جتنے قصبات اور قرب وجوار کے دیہات اور گاؤں تھے ان سب میں صدر جمعیۃ کے پروگرام دینے کی ذمہ داری مولانا شمیم صاحبؒ کی تھی۔ وہی تاریخیں دیتے اور اُسی کے تحت پروگرام منعقد ہوتے۔ اطراف وجوانب میں جمعیۃ کے قدم مضبوط کرنے میں مولانا شمیم صاحبؒ اور مولانا زاہدحسن صاحبؒ جیسے جمعیۃ کے فدائیوں کا بڑا ہاتھ رہا بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ان حضرات نے جمعیۃ کے نام کو ہر مسلمان گھر میں پہنچایا اور آزادی کے بعد خاص طور سے مجموعی طور پر ملتِ اسلامیہ ہندیہ میں یہ تأثر قائم کرنے میں کامیاب رہے کہ جمعیۃ ہی ان کی نجات دہندہ، ان کے سماجی مسائل خصوصاً سیاسی مسائل کے حل کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ یہی سبب ہے کہ جمعیۃ کے ارکان کی یہ کوششیں انتہائی بارآور ثابت ہوئیں۔ کوئی اور جماعت جمعیۃ کے مقابل کھڑی نہ ہوسکی اور نہ مسلمانوں کا وہ اعتبار اسے حاصل ہوا جو جمعیۃ کو حاصل رہا۔ جمعیۃ کے ارکان کی فعالیت، تندہی اور مردانہ وار کوششیں اتنی ہیں کہ آج بھی سو سال ہو چکے ہیں کہ جمعیۃ اپنی خدمات اور کارناموں کی تاریخ ترتیب دے رہی ہے اور اس کا دائرۂ کار بڑھتا جارہا ہے۔

مولانا زاہدحسن صاحبؒ اپنے علاقے کی ایک موثر اور بارسوخ شخصیت تھے، ان کی عزت تھی اور مختلف حلقوں میں انہیں احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ اخلاق انسان کو عظمتیں اور عزتیں عطا کرتا ہے۔ بے نام سے بے نام انسان بھی اگر اخلاق کی دولت سے بہرہ ور ہے تو اس کی عظمتیں ضرور دل پر قائم ہوتی ہیں اور اس کے لئے راستے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ بداخلاق کتنا بھی صاحب کمال ہو لوگ اس کے قریب آنا

پسند نہیں کرتے۔ مولانا میں یہ بھی خوبی تھی اور اخلاق ان کا بلند تھا۔ وہ جہاں پہنچتے اور جن لوگوں سے ملتے اپنے اخلاق کے نقوش مرتسم کرتے۔ ایسے لوگوں کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے اور مختلف حلقوں میں ان کی عزت افزائی ہوتی ہے۔ مولانا زاہدحسن صاحبؒ کی زندگی کا جائزہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ انہوں نے بڑی کارآمد اور کامیاب زندگی گزاری۔ کامیاب زندگی یہ قطعی نہیں ہے کہ انسان اپنے لئے جئے، دولت حاصل کرے، محلات تعمیر کرے، کارخانے اور فیکٹریاں بنائے بلکہ بلند اخلاق اور مقبولِ عام شخصیت وہ ہے جس کی ذات سے دوسروں کو فائدہ ہو۔ مولانا زاہدحسن صاحبؒ کی یہ خوبی تھی کہ وہ دوسروں کے کام آئے، پوری دردمندی اور دلی ہمدردی کے ساتھ انہوں نے خدمت انجام دی۔ اللہ رب العزت اس دولت سے کم لوگوں کو نوازتے ہیں اور جن لوگوں کو منجانب اللہ یہ عطا ہوتی ہے ان کے مراتب بلند ہوتے ہیں۔ کچھ یادیں تھیں جن کو میں نے درج کردیا، کچھ نقوش تھے جو صفحۂ قرطاس پر خودبخود اتر گئے اور کچھ باتیں تھیں جو نوکِ قلم پر آگئیں۔ اللہ رب العزت مولانا مرحوم کے صاحبزادگان اور اہل خانہ کو اپنی رحمتوں سے نوازے اور جو کام وہ کر گئے ہیں ان کاموں کو اولاد و احفاد کے ذریعہ بھی آگے چلائے اور بڑھائے۔

آدمی وہ نہیں حالات بدل دیں جن کو
آدمی وہ ہیں جو حالات بدل دیتے ہیں

{ایک مردِ آہن}

ازقلم: حضرت مولانا ممشاد علی صاحب قاسمی مدظلہم
بانی جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ، بلاسپور، ضلع مظفرنگر، یوپی
خلیفہ ومجاز مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی دامت برکاتہم العالیہ

اجراڑہ ضلع باغپت میں مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا حضرت مولانا زاہد حسن صاحب وہیں تشریف لائے ہوئے تھے میں بھی مدعو تھا ایک عالم دین کے ذریعہ وہیں تعارف اور مختصر ملاقات ہوئی سنہ غالبا ۶۸ یا ۸۷ ع تھا۔ مولانا پختہ عمر کے تجربہ کار، باوقار، جہاندیدہ عالم اور میری عمر ۲۵ یا ۲۶ سال تھی لیکن رتبہ اور عمر کے تفاوت کے باوجود مولانا نے ایسی شفقت اور خصوصیت کا اظہار فرمایا اور میں نے ان کی گفتگو میں ایسی بے تکلفی اور ان کی شخصیت میں ایسی کشش محسوس کی کہ طبیعت میں دوبارہ ملاقات کا داعیہ پیدا ہوا، انہوں نے اپنے بے ساختہ لہجہ سے اپنی بڑی عمر کا احساس ہی نہیں ہونے دیا۔

لہجے کو ذرا دیکھ جواں ہے کہ نہیں ہے
بالوں کی سفیدی کو بڑھاپا نہیں کہتے

مولانا محترم بھی کچھ ایسے مانوس ہوئے کہ مجھ سے اپنے گھر موضع ابراہیمی سرساوہ ضلع سہارنپور آنے کا وعدہ کرالیا چنانچہ میں کچھ دنوں بعد ان کے پاس حاضر ہوا، مولانا اپنی زیر نگرانی چلنے والے بعض مدارس میں لے گئے اس دوران علاقہ میں ان کی علمی و سماجی خدمات اور سرگرمیوں کو دیکھنے کا موقعہ ملا جن سے میں بہت متأثر ہوا، یہ اگرچہ ایک

تفصیلی ملاقات تھی جس میں ہم نے کئی مقامات کا سفر بھی کیا لیکن افسوس کہ اس کے بعد پھر کوئی باقاعدہ ملاقات نہیں ہوسکی۔

مجھے ان کی جس خوبی نے بہت متأثر کیا وہ ان کی نمایاں علمی، دینی، سماجی اور انسانی خدمات کے باوجود ان کی بے تکلف اور سادہ زندگی تھی جس نے ان کی شخصیت کو بہت پرکشش اور نافع بنادیا تھا۔ ان کی بات چیت، رہن سہن ہر چیز میں لگاوٹ اور ہمدردی محسوس ہوتی تھی۔ ان کا میدان عمل خاص طور پر مغربی یوپی اور مشرقی ہریانہ و پنجاب کا جمنا ندی سے ملا ہوا سرحدی علاقہ تھا جہاں ان کی برادری مسلم گوجر بڑی تعداد میں آباد ہیں اور جہاں ان کی بے لوث خدمت، خالص محبت اور شرافت وانسانیت کے نقوش جگہ جگہ موجود ہیں اور یہ نقوش مکاتب و مدارس کی شکل میں ہی نہیں بلکہ لوگوں کے دلوں پر ثبت ہیں، دماغوں میں محفوظ ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے وقت جو انسانی المیہ پیش آیا اور لوگوں کے جان ومال، عزت آبرو اور ان کے ایمان واسلام اور شعائر اسلام پر جو دلوں کو دہلا دینے والے اور تڑپا دینے والے دردناک حالات پیش آئے، مولانا زاہد صاحب اس وقت ایک پرجوش اور دینی وملی جذبہ سے بھرپور/ سرشار نوجوان تھے، میرا خیال ہے کہ ان کی زندگی کا مقبول ترین کام ان حالات میں ان کی اپنی قابل رشک جوانی کا بہترین استعمال ہے، جو ۱۹۴۷ء میں مایوسی، بدحالی اور قتل وغارتگری سے متأثر دہشت زدہ برباد انسانوں کی امداد اور حوصلہ افزائی کرنے کی شکل میں سامنے آیا۔

میں ان کے گھر ابراہیمی بھی گیا، گاؤں کا سادہ مکان تھا جہاں ایک گھوڑی بھی بندھی ہوئی تھی مولانا نے بتایا کہ وہ اب بھی علاقے میں گھومنے کیلئے گھوڑی پر ہی سفر کرتے ہیں یہ شوق انہیں نوجوانی سے ہی تھا۔ متعدد لوگوں سے معلوم ہوا کہ ۱۹۴۷ء کے

بدترین دور میں جب مسلمان بدحواسی کے عالم میں جمنا میں ڈوب رہے تھے، ماں بیٹیاں اپنی عزت بچانے کیلئے کنوؤں میں کود رہی تھیں، بچے ذبح کئے جا رہے تھے، کچھ لوگ پاکستان کی طرف بھاگ رہے تھے، جمنا کے یہ دونوں کنارے مقتل بنے ہوئے تھے، ندی کی ریت پر لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور بے یار و مددگار مظلوم مسلمانوں کا خون جمنا میں بہہ رہا تھا یا اس کی ریت میں جذب ہو رہا تھا، آس پاس اور دور دراز کے راستے اور کھیت گاؤں کی گلیاں اور مکان ہر طرف لاشیں اور موت کا سناٹا تھا، چہار سو مایوسی اور بدحواسی تھی اس وقت کے یہ حالات سب کو معلوم ہیں لیکن یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان حالات میں ایک نوجوان اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر تنہا نکل جاتا، آس پاس کے گاؤں کی گلیوں اور کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر گھومتا پھرتا، کسی شکار کی تلاش میں نہیں بلکہ ایمانی و انسانی جذبہ کے ساتھ کہ کوئی اجڑا ہوا گھر ملے تو اسے بسانے کا انتظام کیا جائے، کوئی خانماں برباد نظر آئے تو اسے پناہ، تسلی اور حوصلہ دے کر گھر بھیجا جائے، کسی مظلوم کا پتہ چلے تو اس کی مدد کی جائے۔

یہ کام انہوں نے اپنے خداداد جذبے اور ہمت سے کام لے کر پوری ذمہ داری مستعدی اور توانائی کے ساتھ انجام دیا جس سے وہ پورے علاقے کے مظلوم مسلمانوں کے مسیحا اور بزرگوں کے مرکز نگاہ بن گئے۔ ان حالات میں یہ کوئی معمولی کام نہ تھا مگر جسے اللہ قبول فرمالے اور توفیق و حوصلہ سے نواز دے۔

ہمت والے پل میں بدل دیتے ہیں دنیا کو
سوچنے والا دل تو بیٹھا سوچا کرتا ہے

مولانا محترم کا شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ اور قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے طویل مدت تک

اصلاحی تعلق رہا، حضرت رائے پوریؒ سے ان کو اجازت و خلافت کا شرف و سعادت بھی حاصل ہوئی۔ ان دونوں بزرگوں کے فیضان اور صحبت و تربیت نے ان کے جذبۂ خدمت کو اُبھار کر نکھار کر قبلہ رخ بنا دیا تھا اور ایسی اخلاقی جرأت و روحانی طاقت اور قوت عمل پیدا کر دی تھی جس کے سامنے حالات اور مجبوری حیلے بہانے معلوم ہوتے ہیں۔

وہ حیلہ گر ہیں جو مجبوریاں شمار کریں
چراغ ہم نے جلائے ہوا کے ہوتے ہوئے

انہوں نے اس خطہ میں جگہ جگہ دینی مکاتب و مدارس کے قیام اور ان کی نگرانی و سرپرستی فرما کر نئی نسل کی دینی بقاء و ارتقاء کیلئے ایک بنیادی فریضہ انجام دیا، وہ تاحیات اس مبارک مشن میں لگے رہے۔

ان کا ایک بڑا نمایاں کام جامع مسجد سہارنپور میں شرعی پنچایت قائم کر کے اس میں مسلمانوں کے خاندانی مسائل کو باہمی گفتگو و رضامندی کے ساتھ شریعت کے مطابق فیصل کرانے اور مسلمانوں کو اس کیلئے آمادہ کرنا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ کام کسی متفق علیہ اور اثر و رسوخ رکھنے والی شخصیت کے ذریعہ ہی انجام دیا جا سکتا ہے جس کا اخلاص و ہمدردی اور غیر جانبداری مسلم ہو اس کے بغیر اس طرح کے غیر سرکاری ادارے مفید و مقبول نہیں ہو سکتے۔

مولانا نے اپنی عمر کے آخری تیس سالوں میں ایک مصلح کی حیثیت سے قیام مدارس اصلاح رسوم و بدعات اور اصلاح ذات البین کا فریضہ بڑی خوبی اور کامیابی کے ساتھ انجام دیا، زندگی میں بہت سے لوگوں کی دعائیں لیں اور اپنے لئے صدقۂ جاریہ کے ساتھ نئی نسل کیلئے ایک عمدہ نظیر چھوڑ گئے۔

ذرا دریا کی تہہ تک تو پہنچ جانے کی ہمت کر
تو پھر اے ڈوبنے والے کنارا ہی کنارا ہے

کوہ غم ٹوٹ پڑے دیدۂ دل پر کتنے
قافلے درد کے آئے ہیں برابر کتنے
ہم ہیں منصور لب دار نے چوما ہم کو
ہم ہیں سقراط ملے زہر کے ساغر کتنے
(مفتی کفیل الرحمن نشاط)

رخصت بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں

ازطرف: (مولانا) محمد ایوب قاسمی
خادم تدریس مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور

نمونۂ اسلاف مجاہد آزادی خلیفہ ومجاز بیعت قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اورشاگرد خاص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نوراللہ مرقدہ کی زیارت بندہ کو اولاً مدرسہ احمد العلوم خانپور متصل گنگوہ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۶۰ء میں ہوئی اور پھر ۱۹۶۳ء تک ہوتی رہی۔ بندہ اس زمانہ میں مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں زیرِ تعلیم تھا۔اس دور میں احمد العلوم کا سالانہ اجلاس بڑی شان وشوکت سے ہوتا تھا۔اکابر ملت و مشائخ عظام تشریف لاتے اور اپنے مواعظ حسنہ سے حاضرین جلسہ کو مستفیض فرماتے۔آخری دعا عموماً حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی ہی ہوتی۔حضرت مولانا احمد العلوم کے ناظم و سرپرستِ اعلیٰ بھی رہے ہیں۔۱۹۶۶ء میں جب بندہ دارالعلوم دیوبند میں تکمیلِ تعلیم کے لئے داخل ہوا تو اس زمانے میں حضرت مولانا کے صاحبزادۂ گرامی قدر جناب مولانا محمد عارف صاحب مدظلہ اور حضرت کے شاگرد رشید حضرت مولانا مطلوب احمد صاحبؒ بھی دارالعلوم میں زیرِ تعلیم تھے۔حضرت مولاناؒ جب دیوبند تشریف لاتے تو ہم خدام حاضر خدمت ہوکر حضرت کے پند ونصائح سے محظوظ ہوتے۔۱۹۶۹ء میں جب بندہ دارالعلوم کے دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوا، تو حضرت مولاناؒ نے ہی احقر کو مدرسہ طیبہ قاسم العلوم موضع بھورہ، متصل کیرانہ ضلع شاملی کی خدمت کے لئے مامور فرمایا تھا، کیوں کہ حضرت مولاناؒ مدرسہ ہذا کے سرپرست تھے، بلکہ مظفرنگر، سہارنپور، شاملی وغیرہ

اضلاع میں متعدد مدارس کے سرپرست تھے۔ ۱۹۸۶ء میں جب مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور کے سابق مہتمم حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز نوراللہ مرقدہ نے مدرسہ ہذا کی مجلس شورا بنائی تو حضرت مولاناؒ کو مجلس کا نائب صدر تجویز فرمایا تھا، اس تعلق سے ایک دوبار مجلس میں شرکت بھی فرمائی۔ ۱۹۸۸ء میں جب شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری قدس سرہ پاکستان سے تشریف لاکر خانقاہ رائے پور رحیمی میں تشریف لائے اور کئی ماہ قیام فرمایا، تو حضرت مولاناؒ بھی اس زمانے میں زیادہ تر خانقاہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے پاکستان تشریف لے جانے کے بعد اسی سال شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ میں مدرسہ فیضان رحیمی مرزاپور ضلع سہارن پور میں قرآن کریم کے ختم کی تقریب سعید میں تشریف لائے اور اس تعلق سے وعظ فرمایا دورانِ تقریر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں فرمایا تھا۔ پروگرام سے فارغ ہونے پر شب میں ہی خانقاہ رحیمی تشریف لائے، صبح بندہ حاضر خدمت ہوا تو وہی حضرت شاہ صاحب کا ذکر خیر زبان پر تھا۔ خانقاہ سے واپس ہوکر کچھ مدارس کے پروگراموں سے فارغ ہوتے ہوئے اپنے وطن موضع ابراہیمی متصل سرساوہ تشریف لے جاتے ہوئے گھوڑی سے گر کر جام شہادت نوش فرمایا اور بہ زبان حافظ یہ فرماتے ہوئے واصل بحق ہوگئے

”ایں جان عاریت کہ بحافظ سپرد دوست
روز روشن بینم و تسلیم بے کنم“
نیز بہ زبان اقبال یہ کہتے ہوئے
”آہ اس آباد ویرانے میں گھبراتا ہوں میں
رخصت بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں

چھوڑ کر مانند بو تیرا چمن جاتا ہوں میں
رخصت بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں“
جان عزیز جان آفریں کے حوالے کر دی۔
رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً تامۃً۔

اے نوجوان!
پھر سے روشن کر شمع اسلاف کے کردار کی
عصر حاضر کو دکھا تا بندگی کردار کی

حضرت مولانا زاہد صاحبؒ ایک عدیم المثال شخصیت

از: حضرت مفتی فیض الوحید صاحب قاسمی
استاذ مرکز المعارف مدینہ ہلز بٹھنڈی جموں کشمیر

خالقِ کائنات کی شانِ بے نیازی وشانِ عطاء، انسانی سوچ وفکر سے بہت بلند بلکہ وراء الوراء ہے۔ وہ مالک الملک مردوں سے زندہ اور زندوں سے مردہ پیدا کرنے کے ایسے ایسے نظارے دکھاتا ہے کہ انسان حیران وششدر اور انگشت بدنداں ہی رہ جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے تو علماء وصلحاء کے گھرانوں میں نااہلی وناقدری کی بناء پر علم ومعرفت سے محروم بلکہ کئی دفعہ تو ہدایت سے بھی محروم افراد پیدا کردیتا ہے۔ اس کی شانِ کریمی و عطاء کئی دفعہ پہلوانوں کے اکھاڑوں اور ڈاکوؤں کے گروہوں میں سے کسی کو اس طرح اٹھاتی ہے کہ وہی اپنے زمانے کے سب سے بڑے مرجع ومنبع بن جاتے ہیں۔ ہماری گوجر برادری بالعموم تو اپنی علمی پسماندگی میں مشہور ہے، مگر کون نہیں جانتا کہ اس کی تاریخ کو بھی خلاقِ ازل نے ایسی ایسی نابغہ روزگار علمی، فکری اور عملی شخصیات سے مالا مال کیا ہے کہ جو لاکھوں انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے ہیں۔ ۱۹۱۸ء میں پیدا ہونے والے ایشیاء کی عظیم دینی دانش گاہ دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر سپوت حضرت مولانا زاہد حسن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً بھی اسی برادری کی کھٹانہ شاخ کے ایک صاحب دل عدیم المثال عالم تھے۔ حضرت مولانا مرحوم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے انتہائی لاڈلے ذہین وفطین ایسے شاگرد تھے کہ جن پر بجا طور پر استاذ محترم کو بھی ناز تھا۔

۱۹۴۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوتے ہی وہ اپنے اساتذہ کے مشورہ سے

اس دور کے نت نئے فتنوں کی آندھیوں کا رخ پھیرنے میں جٹ گئے۔ خصوصاً شدھی کی تحریک، جس کا مقصد ایمان لانے والے ہندی قبائل کو مرتد کرکے ایمان ویقین کے نور سے محروم کرنا اور اندھیروں میں دھکیلنا تھا اور وسطی ہند میں گوجر برادری بطور خاص ان کا نشانہ پر تھی۔ مولانا مرحوم نے مدارس ومکاتب کا جال بچھا کر اس سیلاب کے آگے ایسا بندھ باندھا، جو برہمنیت کے لئے سیسہ پلائی دیوار ثابت ہوا اور وہ ہزار کوششوں کے باوجود اس میں کوئی شگاف ڈالنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ مغربی اتر پردیش خصوصاً اضلاع سہارنپور، مظفرنگر، بجنور اور میرٹھ وغیرہ میں سیکڑوں مدارس ومکاتب حضرت کی لگائی ہوئی وہ پود ہے، جو آج شجرِ تناور بن کر انشاء اللہ حضرت کے لئے ذخیرۂ آخرت بن رہی ہے۔ حضرت مرحوم گوناگوں شخصیت کے مالک تھے، جہاں وہ ایک بے مثال منتظم ومدرس تھے، وہاں وہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خانقاہ کے تربیت یافتہ سالک اور حضرت رائے پوری کے اجلّ خلفاء میں سے بھی تھے۔ سیاست میں بھی اتنی دسترس رکھتے تھے کہ یوپی کے حلقہ گنگوہ سے وہ ۱۹۴۶ء میں رکن اسمبلی بھی منتخب ہوئے، جو تقسیم کے بعد تک بھی اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس تمام کے باوجود یہ دکھ کی بات ہے کہ مولانا مرحوم کے دنیائے فانی سے جانے کے بعد ان کی کاوشیں، ان کے تجربات اور نصائح، جو ایک انسانیت کے لئے مشعلِ راہ بن سکتے تھے، لیکن مرتب کرنے، ان کی سوانح حیات لکھنے کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ ہوسکا۔ اس طرح کے قبائل کے اکابرین کے ساتھ اکثر ایسے ہی ہوتا ہے۔ اس کی زندہ مثال حضرت مولانا فیض الحسینؒ دارالعلوم دیوبند ہیں۔ اب عزیزم مفتی عبدالخالق قاسمی صاحب نے اس کارِ خیر کے لئے بتوفیق خدا قلم اٹھایا ہے، اللہ کرے یہ ''دیر آید درست آید'' کا مصداق بن جائے۔

والسلام

باسمہ تعالیٰ

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ازقلم۔مولانا محمد ہارون صاحب پتھرگڑھی
صدر جمعیۃ العلماء متحدہ پنجاب

وفات پا چکے سب رہروانِ جادۂ عشق
ملال یہ ہے کہ دہلیزِ عاشقاں بھی گئے

اصحابِ معرفت کے نزدیک تمام کمالاتِ انسانی کی بنیاد دو عظیم قدروں پر ہے لیکن ان کے معانی اور حقائق قلیل الوجود و۔ عام طور سے تواضع تکلف اور نفاق کے معنی میں اور صبر مجبوری وخودداری کے مفہوم میں مستعمل ہیں۔

تواضع خود شناسی اور خداشناسی کی بنیاد ہے، تواضع اپنی سچی یافت سے عبارت ہے، ایک سچے انسان پر یہ عیاں ہے کہ نہ اسکی ذات اسکی ہے اور نہ اسکے اوصاف وکمالات ومتعلقات اسکے ہیں، اسکے پاس ہر چیز اسکے مالک کی عطا فرمودہ ہے، ہر چیز کا وجود وبقاء اسی کے فضل پر منحصر ہے، ایسا انسان ہر انسان کو اپنے پروردگار کا بندہ سمجھتا ہے اور اسی رشتے سے اسکے ساتھ معاملہ کرتا ہے اور اسکی خدمت کرتا ہے، نہ خود کو کسی سے بہتر سمجھتا ہے اور نہ کسی کو خود سے کمتر، صبر شجاعت دلیری اور بلند ہمتی جیسی عظیم صفات کی اصل ہے حالات کے سامنے شکستگی سے بچنا اور مصائب ومشکلات کی شکایت کے بجائے مولائے حقیقی پر توکل اور اسکی طرف انابت جواں مردوں کا شیوہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ تواضع اور صبر سے جملہ محاسنِ اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں ان دونوں کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، علماء ربانیین اور صوفیاء

عارفین ان دونوں صفات کے حصول پر سب سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں

انہی صوفیاء اور علماء ربانیین میں سے ایک حضرت مولانا زاھد حسن صاحب نوراللہ مرقدہ تھے جن سے شناسائی ۱۹۷۰ء میں مدرسہ قادریہ ناشر العلوم گڈھی جلال پور پانی پت ہریانہ کے زمانۂ طالب علمی سے ہوئی وہ زمانہ حضرت والا کا انتہائی مجاہدوں اور قربانیوں کا تھا اس زمانہ میں حضرت والا کی شب وروز کی سرگرمیاں زیادہ سے زیادہ مکاتب ومدارس کا قیام تھا۔ یہ مدرسہ بھی حضرت والا کی انتھک کوششوں کا نتیجہ اور مرہونِ منت ہے اُن دنوں مدرسہ قادریہ کی نظامت کے فرائض حضرت حافظ محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ تھے اور مدرسہ کی صدارت کی ذمہ داری حضرت والد محترم حکیم عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ انجام دے رہے تھے، تاحیات حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے اس مدرسہ کی سرپرستی نبھائی، تقریباً مہینہ دو مہینہ میں ضرور دور دراز کا سفر طے فرما کر معلمین ومتعلمین کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ پورے علاقے کے ذمہ داروں کو یعنی موضع جلال پور، گڑھی بیسک، رانا مزرعہ، گڑھی بھرل، پتھرگڑھ، منڈی گڑھی کے لوگوں کو مدرسہ کی دیکھ بھال، خدمت وامداد اور مدرسہ میں بچوں کے بھیجنے پر آمادہ کرنا ان باتوں کے لئے اپنا قیمتی وقت خرچ کرنا حضرت والا کا شیوہ تھا، اور سالانہ جلسے میں چار پانچ حافظ یا اس سے زیادہ جو تیار ہوتے تھے ان کی دستار بندی کے موقعہ پر بہت ہی خوش خرم نظر آتے تھے کہ انکے مجاہدوں اور قربانیوں کی محنت وصول ہوگئی ہے، ہم لوگوں نے دیکھا کہ بعض دفعہ حضرت کے لئے کوئی سواری کیرانہ یا کھرگائن بھیجی جاتی اور موصوف کو آنے میں دیر ہوجاتی تو سواری والے حضرات مایوس ہوکر واپس آجاتے اور حضرت دیر سے آنے کی وجہ سے پھر پیدل ہی چل کر دریائے جمنا بھی پار کرکے رات گئے مدرسہ میں پہنچ جاتے، صبح کو علاقہ بھر کے لوگ جب مدرسہ پہنچتے تو

بہت ہی پشیمان اور شرمندہ ہوتے اور حضرت سے معافی کے خواستگار ہوتے حضرت فرماتے اسمیں معافی کی کیا بات ہے آنے میں دیر تو مجھ سے ہوئی آپ حضرات کی تو کوئی غلطی نہیں، جو طلبہ حافظ ہوجاتے ان کا دھیان اور خیال فرمایا کرتے کہ کہیں کوئی کھیت میں پھنس کر اپنا قرآن ضائع نہ کردے اس کے لئے کسی نہ کسی مسجد یا مدرسہ میں جگہ کی جستجو اور فکر فرماتے اور کچھ گنے چُنے جو عالمیت کے لئے بڑے مدرسوں کا رخ کرتے تھے تو انکے داخلے کا خیال اور ان سے ملاقات کرتے، مستقل مزاجی اور محنت وشوق سے پڑھنے کی ترغیب میں بھی اموال واوقات صرف فرماتے۔ گویا کہ

پھوک کر اپنے آشیانے کو
بخش دی روشنی زمانے کو

ان کمالات کے ساتھ ساتھ حضرت کا طرّہ امتیاز یہ تھا کہ کبھی کوئی بات مایوسی اور ناامیدی کی نہ فرماتے بلکہ ہمیشہ ناامیدی کے حالات میں بھی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، بندہ کو ایک واقعہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے وقت کا یاد آرہا ہے کہ جب بندہ ۱۹۷۷ء میں دارالعلوم میں داخلے کے لئے پہنچا تو داخلہ امتحان استاذ محترم حضرت مولانا محمد حسین بہاریؒ عرف ملّا بہاری کے پاس چلا گیا، ان کے یہاں امتحان کا جانا گویا یقینی طور پر فیل ہونا ہوتا تھا، چنانچہ بندہ مایوسی کے عالم میں بہت پریشان اور مایوس تھا میں اسی کشمکش میں تھا کہ امتحان دوں یا بغیر امتحان واپس سابقہ مدرسہ میں لوٹ جاؤں تو کسی جاننے والے نے بتایا کہ پاس ہونے کی ترکیب میں بتاتا ہوں کہ حضرت ملّا بہاریؒ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے خاص درسی ساتھیوں میں ہیں اگر ان سے سفارش کراسکتے ہو تو کام بن جائے گا، امتحان اگلے روز ہونا تھا اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ میں حضرت کے دولت کدہ پر حاضر ہو کر اپنا مدّعا پیش کرسکتا، انھی خیالوں میں بندہ مدنی

گیٹ سے باہر نکلا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ مدنی مہمان خانہ کی طرف حضرت فدائے ملتؒ سے ملاقات کو جاتے ہوئے نظر پڑے میں دوڑا ہوا حاضرِ خدمت ہوا، سلام کیا اور اپنی پریشانی کا اظہار کرکے سفارش کی درخواست کی، فرمانے لگے ارے ہارون مولانا کے یہاں سفارش نہیں چلتی وہاں سفارش کے معنی ہیں کہ امتحان کے بغیر ہی فیل ہوجانا اسلئے ہمّت کرکے امتحان دو اور میں دعا کروں گا اللہ تمہیں امتحان میں کامیاب فرمائے، چار وناچار شکستہ دل واپس لوٹ گیا۔ حضرت تھوڑا آگے بڑھے پھر لوٹے اور مجھے آواز دی، ارے ہارون سنو مجھے ایک ترکیب سمجھ میں آتی ہے امید ہے کہ اس ترکیب سے تم ضرور کامیاب ہوجاؤ گے، اور وہ یہ ہے کہ جب امتحان کے لئے آواز لگے گی تو تم مولانا کے پاس پہنچ جانا تو مولانا پوچھیں گے کہ کہاں پڑھ کے آئے ہو تو تم یہ کہہ دینا کہ حضرت جہاں آپ نے حضور پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا بس پھر سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا، میں کہنے لگا، حضرت! اگر انہوں نے پوچھ لیا کہ کہاں حضور کو میں نے خواب میں دیکھا تھا، فرمایا کچھ نہیں پوچھیں گے، مگر تیری معلومات کے لئے بتاتا ہوں کہ میں مولانا کو مدرسہ قادریہ ناشر العلوم جلالپور میں طلبہ کے امتحان کے لئے لے گیا تھا تو حضرت مولاناؒ مدرسہ کے صحن میں مغربی جانب جو آم کا درخت ہے اسکے نیچے سو رہے تھے وہاں پر انہیں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی تھی چنانچہ یہی ترکیب کام آگئی اور حضرت کے سوال فرمانے پر میں نے جب یہ کہا تو حضرت کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور فرمایا کہ سب کتابوں میں سے تھوڑی تھوڑی عبارت پڑھو، ترجمہ کرو اور حاشیہ میں دیکھ کر مطلب بیان کرو مجھ سے جیسا کچھ بتایا جاسکا وہ بتایا یقینی طور پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس ترکیب سے ہی کامیاب ہوسکا ورنہ ناکامی یقینی تھی۔ خیر صد سالہ اجلاس ۱۴۰۰ھ والے سال میں بندہ کی فراغت ہوگئی میرا قطعاً کوئی ارادہ خدمتِ درس وتدریس کا نہ تھا اسی لئے بندہ کھیت کا کام

کاج والد صاحبؒ کے ساتھ دیکھنے لگا اور کچھ مطب میں انکا ہاتھ بٹا دیتا۔ مگر قربان جایئے اس مردِ مجاہد کے کہ جب بھی مدرسہ جلالپور تشریف لاتے ہمارا کھیت راستہ پر پڑتا تھا گذرتے ہوئے اس حقیر کو ضرور یاد فرماتے اور ہمیشہ میری خفیہ صلاحیتوں کو جگانے کی کوشش فرماتے اور خدمتِ دین پر ابھارتے اور بھرپور کوشش فرماتے کہ میں کسی بھی دینی خدمت کے لئے تیار ہو جاؤں

آخر کار حضرتِ والا کی محنت رنگ لائی اور دعائیں کام آئیں کہ ہمارے یہاں موضع ادھمی میں اناج منڈی قائم ہونے پر بعض ہمدردانِ قوم وملت نے وہاں ایک مسجد کی تعمیر کی تجویز رکھی اور جون ۱۹۸۵ء میں اسکا سنگِ بنیاد رکھوایا گیا، تعمیر کا کام بھی شروع ہوگیا اور انہی ابتدائی ایام میں حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ نے اصرار فرماتے ہوئے والد صاحب کو زبردست تاکید فرمائی کہ حکیم جی آپ غور تو کرو اس مسجد کے آباد رہنے کے لئے ضروری ہے کہ اس سے ملحق ایک مدرسہ ضرور قائم کیا جائے جیسے بھی ہو آپ یہ کام ضرور کیجئے۔ آخر کار انکی مسلسل ایک سال کی محنت اور فکرمندی سے ایک چھپّر ڈلوا کر اسی میں مدرسہ شروع کر دیا گیا کچھ طلبہ گاؤں چھائنہ اور ادھمی کے بلا لئے گئے اور حضرت نے ہی انکی بسم اللہ کرائی الحمد للہ آج انکی روحانی توجہات سے وہ مدرسہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ بہت سارے حفاظ اور علماء یہاں سے پڑھ کر قوم وملت کی خدمت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

غرض یہ کہ بندہ کو دینی خدمات کی طرف مائل کرنے کا پورا پورا سہرا حضرتؒ کے ہی سر ہے ورنہ یہ حقیر نہ معلوم اپنے خیالات کے مطابق تو بس اندھیری نگری میں ہوتا۔ پھر بتوفیقِ الٰہی اس حقیر کی نسبت سے وسطی ہریانہ میں بہت سے مکاتب ومساجد کا قیام عمل میں آیا اور بعض مدارس کی آبیاری بھی ہوئی جنکی کل تعداد ایک سو کے قریب ہے وہ سب

حضرت والا ہی کی مرہونِ منت ہیں اور انہی کی محنتوں اور دعاؤں کا ثمر ہیں۔

حضرت والا کی ایک مبارک خواہش اس ناکارہ کے بارے میں یہ بھی تھی کہ میں مشائخ حقہ میں سے کسی بزرگ سے بیعت ہو جاؤں اور ذکر اللہ کی مجلس وغیرہ کا ذریعہ بنوں مگر میرا اس طرف بالکل قلب متوجہ نہیں ہوتا تھا اور حضرت کا ہمیشہ ہر ملاقات پر یہی اصرار ہوتا تھا، چنانچہ حضرت کی دیرینہ خواہش پر انہی کے پیر بھائی حضرت مولانا افتخار الحسن نور اللہ مرقدہ کاندھلوی سے بیعت ہو گیا اور ۱۹۹۶ء میں حضرت کاندھلوی نے اجازت وخلافت سے نوازا کر مجلس ذکر کی تاکید فرمائی تعمیلِ حکم اور اللہ کی توفیق سے گر پڑھ کر اس کام میں لگ گئے حقیقت یہ ہیکہ یہ سب بھی حضرت مولانا زاہد حسنؒ کا طفیل ہے۔

البتہ ذکر کی مجلس کے قائم کرنے میں زیادہ دخل اور توجہ اور شدید اصرار اور دعائیں حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالغنی ازہری شاشی کشمیری دامت برکاتہم کی رہی ہیں اللہ انکی عمر میں برکت فرمائے اور سایہ تادیر ہم سب کے سروں پر قائم رکھے۔

بہر حال حضرت والا کو قوم وملت کی خدمت اور بیداری کی جو دھن اور تڑپ تھی وہ سہارنپور کے موضع مرزاپور، عماد پور، رائپور، ٹڈولی، خانپور، گنگوہ اور مظفر نگر کے گوگوان، گڈھی دولت، کھیڑی سنہٹی، وغیرہ اور پانی پت کے گاؤں رانا مزرعہ، گڑھی بیسک، جلالپور، اور کرنال کے بلھیڑہ، بھرل، منڈی گڑھی، اور یمنا نگر انبالہ کے پاؤنٹی، رائپور، دولت پور، ٹوڈرپور، وغیرہ مواضعات میں اسکے انوارات اور برکات بطور خاص ظاہر ہوئے ہیں۔

اور یہاں کے مشہور ادارے حضرت کی قربانیوں اور دیوانگی کی جیتی جاگتی تصویر ہیں اور گویا حضرت والا شاعر کی زبان میں خدامِ مدارس کو یہ نصیحت فرما رہے ہیں۔

یوں دن گذار صحنِ چمن میں کہ مدّتوں
ہر برگِ گل پہ نقش تیری داستاں رہے

حضرت والا کی ایک عجیب صفت حلم، عفو اور درگذر تھی بہت مرتبہ دیکھنے اور سننے میں آتی رہتی تھی ظاہر ہے جگہ جگہ مدارس و مکاتب حضرت والا نے قائم فرمائے اور قوم تو جہالت کا مجموعہ تھی تو مدارس کے جن لوگوں کو ذمہ دار طے فرماتے ان میں اختلاف ہونا بھی فطری بات تھی، ایک دفعہ یہاں مدرسہ قادریہ گڑھی جلالپور میں بھی اس وقت کے صدرِ مدرسہ اور مہتمم مدرسہ میں اختلاف ہوگیا اور وہ بھی بہت شدید اختلاف حضرت مولانا تشریف لائے اور اس اختلاف کو سمجھا بجھا کر ختم فرما دیا، والد صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ مولانا انصاف نہیں فرماتے لیپا پوتی کر دیتے ہیں یہ ٹھیک نہیں، اس کے کچھ دنوں بعد والد صاحب کا پاکستان کا سفر ہوا بندہ بھی ساتھ تھا جب پانی پت ٹرین سے اترے تو کسی صاحب نے بتایا کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب کا انتقال گھوڑی سے گر کر ہوگیا تو والد صاحب نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی اور فرمایا کہ ایک تھا جو لیپا پوتی کر کے مطمئن کر دیتا تھا، اب تو قوم میں کوئی ایسا بھی نہ رہا۔ اللہ غریقِ رحمت فرمائے، اور ایک دم سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور کافی دیر تک روتے رہے، بس حضرت والا تو ہمیں نصیحت فرما کر رخصت ہوگئے۔

ایسے رہا کرو کہ کریں لوگ آرزو
ایسی چال چلو کہ زمانہ مثال دے

حضرت والا نے درس و تدریس، قیامِ مکاتب و مدارس اور سیاسی سماجی ہر طرح کی خدمات بخوبی انجام دی ہیں اور ساتھ ساتھ جو قیمتی دولت حضرت شیخ الاسلام، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری اور حضرت فدائے ملت سے پائی تھی اس سے قوم و ملت کو

خوب خوب سرفراز فرمایا اور تصوف و تزکیۂ نفس کا جو وافر حصہ اپنے اسلاف سے پایا تھا اور طویل عقیدت و محبت اور صحبت کا جو شرف حاصل ہوا اس حقیقی عقیدت اور محبت نے مرحوم کی روحانی ترقی اور بخت بیداری میں جو خاص کردار ادا کیا اور جلا بخشی وہ۔

چراغ زندہ می خواہی زشب زندہ داران
کہ بیداری بخت از بخت بیدارن شود پیدا

کی مثال ہے۔

آج جبکہ تصوف محض احوال و رسوم کا نام رہ گیا ہے زہد و تقوی، تواضع، صبر، قناعت وغیرہ مقامات کا فقدان ہی نہیں بلکہ انکے حصول کی جدوجہد بھی باقی نہیں رہی اور مدرسوں و خانقاہوں سے عبودیت کے مقامِ عالی انسانی صفات اور مکارمِ اخلاق ناپید ہو رہے ہیں تو ایسے وقت میں اس سچے مسلمان اور درویش صفت انسان کی یاد ستاتی رہے گی۔

جان کر منجملہ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

مختصر یہ کہ حضرت والا اپنے وقت کے بہت بڑے مصلح اور مجمع الکمالات تھے اور اللہ پاک نے حضرت کو جہاں بہت ساری صفات سے نوازا تھا وہیں ہر میدان میں قوم و ملت کی ایسی عظیم خدمات انجام دیں کہ جنکو ملتِ اسلامیہ کے غیرت مند سپوت عرصۂ دراز تک بلکہ نسل در نسل یاد رکھیں گے۔

حضرت والا نے اپنے شیخِ اول حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے منشاء کو خوب سمجھا اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے بہت عمدہ اور کارہائے نمایاں انجام دئے حضرت کے منشاء کے مطابق ایم ایل اے کا الیکشن بھی لڑا اور کامیاب ہوئے اور اخیر عمر میں حضرت فدائے ملت کے فرمان پر ایم پی کا الیکشن بھی سہارنپور سے لڑا جسمیں مشیّتِ

ایزدی کے سبب کامیاب نہ ہوسکے بہرحال کرنے کے بہت کام کئے اور اس دنیا سے جب رخصت ہوئے تو شاداں وفرحاں ایسے گئے کہ ہم جیسے تہی دستان کو یہ لگا جیسے یہ شعر گنگناتے ہوئے گئے ہوں۔

حاصل عمر زاہد رہ یارے کردم
شادم از زندگئ خویش کہ کارے کردم

اے نوجوانو!
آسائشوں نے جرأتِ گفتار چھین لی
محمل نے تیرے پاؤں کی رفتار چھین لی

✤

مردِ حق آگاہ

از قلم۔حضرت مولانا اختر صاحب عفا اللہ عنہ
خادم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ

اس بے ثبات دنیا میں اللہ کے بہت بندے پیدا ہوئے اور اپنے رب سے جا ملے ان کا نہ کوئی نام نشاں رہا نہ کوئی کارنامہ جو بعد والوں کے لئے مشعل راہ ہو۔اسی کے ساتھ کچھ ایسے بافیض انسان بھی اس زمین پر اللہ بھیج دیتے ہیں جس سے دنیا سیراب و مستفیض ہوتی ہے،اوران کے بعد والے انکے اچھے کارناموں کو اپنے عمل کا حصہ بنا لیتے ہیں۔حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ ایسے ہی خدا رسیدہ،اکابر کے تربیت یافتہ اور جہد مسلسل کے حامل شخص تھے،جنکی زندگی ہمہ جہت اوصاف سے معمور تھی۔

مولانا مرحومؒ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں دنیا تشریف لائے اور ابتدا ہی سے دینی ماحول میسر ہونے کی وجہ سے دینی تعلیم اور علماء سے شغف وتعلق رہا،ذاتی طور پر طبیعت میں اللہ نے متانت اور سنجیدگی عطا فرمائی تھی،اس کے طفیل دینی تعلیم کی ابتدا تا انتہاء رغبت وشوق کے ساتھ تکمیل کی،حضرت مرحوم کے لئے تعلیم گاہ جامع مسجد سرساوہ، آبھہ،دارالعلوم دیوبند مقدر ہوئے،اسی دوران کچھ عرصہ کے لئے جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور میں بھی اپنی ابتدائی تعلیم کے لئے قیام فرمایا،ہر جگہ اپنے اساتذہ کے منظور نظر رہے،اور اساتذہ کی نگرانی میں منزل مقصود تک پہنچ کر کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم فرمایا۔اور شیخ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر سلوک

کے منازل طے فرمائے، اس کے ساتھ قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بھی خرقہ خلافت حاصل فرمایا، اور بیعت وارشاد کا طویل سلسلہ جاری ہوا۔

تنظیم مکاتب جوامت کی ایک اہم ضرورت تھی ایسے ماحول میں جب عیسائی مشنریاں پورے ہندوستان کو عیسائیت کے رنگ میں رنگنا چاہتی تھی اور انہیں وقت کی جابر حکومت کا بھی پورا سہارا تھا۔

حضرت مرحوم نے پامردی کے ساتھ گاؤں گاؤں مکاتب کا جال پھیلا کر امت کے نونہالوں کی حفاظت کا سامان مہیا فرمایا اور نسلِ نو کے ایمان کی حفاظت فرمائی۔

۱۹۴۷ء کے خونی ہنگامہ کے بعد دورِ شباب کی ساری توانائیاں اس ریلے کو روکنے میں صرف فرمادیں، جو ریلہ تقسیم ہند کے نتیجہ میں پنجاب سے یوپی کی اور آرہا تھا، جمنا کے پل کے آس پاس اپنی جان جوکھم میں ڈال کر پوری پوری رات جمنا سے متصل مواضعات کی نگرانی کا فریضہ انجام دیا جو ہرایک کے بس کی بات نہ تھی، ایک موقع پر خود حضرتؒ سے زبانی سنا کہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے موقع پر جو افتاد امت مسلمہ پر پڑی اس کے نتیجہ میں بہت سی مسلمان دوشیزائیں غیروں کے قبضہ سے کلانور اسٹیشن سے واگذار کرائیں اور ان کے اہل خانہ کو سپرد کیا۔

حضرتؒ کو اللہ نے کشادہ دل عنایت فرمایا تھا، اسی لئے وہ سب کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرماتے اپنے چھوٹوں پر شفقت اور انہیں آگے بڑھانے کا ہر وقت خیال فرماتے سیاسی، سماجی، دینی ہر میدان میں ان کے نمایاں کردار نے ان کے ہم عصروں میں انہیں ممتاز مقام عطا فرمایا تھا، ان کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔

دینی لائن سے مکاتب و مدارس کے قائم، اصلاح معاشرہ کے ذیل میں رسومات

قبیحہ کے انسداد، سیاسی وسماجی اعتبار سے ملک کے باشندوں میں اخوت و بھائی چارہ کے رواج میں وہ مسلسل کوشاں رہے۔

ضلع جمعیۃ علماء کی صدارت عہدہ کے لئے نہیں خدمت کے جذبہ سے طویل عرصہ تک قبول فرمائی اور اسکا حق ادا فرمایا، ملکی سطح پر ایم، ایل، اے کی حیثیت سے کامیابی کے ساتھ عوام کی خدمت فرمائی، ایسے مردان باصفا کا وجود اس دور میں بے حد ضروری تھا، اب وہ نہیں رہے، تاہم انکے تابندہ نقوش ضروران کی پیروی کے لئے باقی ہیں۔

خدا رحمت کند ایں
عاشقان پاک طینت را

اسلامیان ہند کا ایک درخشندہ ستارہ: حضرت مولانا زاہد حسن صاحب ابراہمیؒ

مولانا محمد سالم جامعی
مدیر ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی

۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں مغل سلطنت کے سقوط اور علمائے کرام کے ذریعے برپا کی گئی تحریک آزادی کی ناکامی کے ساتھ ہی ملک کے دروبست پر جو قابض ہوئی اس مطمح نظر اور منزل مقصود جہاں ملک گیر سطح پر برٹش امپائر کی حدود میں توسیع تھی وہیں عیسائیت کی اشاعت بھی اس کا ایک بڑا مقصد تھی۔ چنانچہ ہندوستان پر مکمل قبضہ واقتدار کے بعد اس نے اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے بڑی تعداد میں عیسائی مشنریوں کو ہندوستان آنے کی دعوت دی جنھوں نے اقتدار کی سرپرستی میں اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ عیسائی مشنریوں نے کھلم کھلا قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی کا بازار گرم کر دیا۔ ہندوؤں میں آریہ سماجی تحریک کو جنم دے کر ہندوؤں کی اصلاح کے نام پر اسلام پر حملوں کی ابتدا کی۔ دینی مدارس اور مذہبی تعلیم کے خلاف محاذ قائم کر کے مسلمانوں کا رشتہ دین وایمان سے ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور یہ سب کچھ صرف اس لیے کیا گیا تا کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے دین ومذہب سے بیگانہ ہوکر احساس کمتری کا شکار ہو جائیں اور پھر عیسائی مشنریاں ان میں تشکیک کا ماحول پیدا کر کے انہیں عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کر دیں۔ اس طرح انیسویں صدی کا آخری نصف اور بیسویں صدی کا پہلا نصف جس میں ملت اسلامیہ ہند مجموعی طور پر زوال پذیر ہوئی اور ہندوستان کے مسلمانوں کو خاص طور پر کرب و بے چینی سے دوچار ہونا پڑا۔ ہندوستان کی تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جس کا ہر ورق خون کے آنسو رلانے کے لئے

کافی ہے۔ اس سو سال کے عرصہ میں انگریزی سامراج نے اپنے صلیبی جذبۂ انتقام کے ذریعہ ہزاروں ہزار علماء کرام کو پھانسی کے پھندوں پر لٹکا دیا تھا اور یہ صرف اس بات کی سزا تھی کہ ۱۸۵۷ء میں اس تحریک آزادی کی قیادت ٹوپی کرتا اور داڑھی والے ان علمائے کرام نے کی تھی۔ اس ہیبت ناک سناٹے میں صرف یہ علمائے حق کی ہی جماعت تھی جو گولی پھانسی اور قید و بند کا خطرہ مول لے کر متحرک اور اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر دین وایمان اور ملت کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہی تھی۔ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب قدس سرہ بھی انہیں پاکبازان امت کے تربیت یافتہ اور اسی مخلص جماعت کے ایک نڈر سپاہی تھے جنھوں نے جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ اور مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمن صاحبؒ کی قیادت میں اپنی جوانی اور اپنے خدا کی طرف سے عطا کردہ صلاحیتون سے کام لے کر انگریزی سامراج کا ہر محاذ پر مقابلہ کیا۔

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ ۱۹۱۸ء میں قصبہ سرساوہ کی تحصیل کے قریہ موضع براہیمی میں جناب محمد اسماعیل صاحب کے یہاں ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جو معمولی تعلیم کے باوجود بزرگان دین کا عقیدت مند تھا۔ اس خاندان کا پیشہ زراعت تھا۔ تمول اور دینداری اس خاندان کو گزشتہ نسلوں سے ورثہ میں ملی تھی۔ مولانا مرحوم کے دادا قلندر بخش علم اور علماء کے قدردان تھے۔ انھوں نے قرآن وحدیث کی معلومات حاصل کرنے کے لئے عالم دین کو اپنے پاس رکھ چھوڑا تھا جن کا کام قرآن کریم کے اردو تراجم انہیں سمجھانا اور سنانا تھا۔ قلندر بخش کے صاحبزادے محمد اسماعیل کو بھی یہ ذوق ورثہ میں ملا اور اخر کار انھوں نے اپنے لخت جگر مولانا زاہد حسن کو سرساوہ جامع مسجد کے خطیب وامام مولانا شیر محمد شاہ ہزاروی کے سپرد کر دیا۔ مولانا ہزاروی سے مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے

قرآن پاک ناظرہ اردو فارسی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اسی دوران مولانا شیر محمد شاہ صاحب سرساوہ سے ترک تعلق کر کے قصبہ نانوتہ سے متصل موضع آبھہ منتقل ہو گئے۔ مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے والد محترم نے انہیں بھی مولانا کے ساتھ آبھہ بھیج دیا انہوں نے اپنے اس مشفق استاد سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور غالباً ۱۹۳۶ء مطابق ۱۳۵۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا جہاں آپ کا امتحان داخلہ فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابوں میں شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نور اللہ مرقدہ نے لے کر آپ کا داخلہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذکاوت وفطانت سے خوب نوازا تھا۔ تقریباً چھ سال دارالعلوم دیوبند میں اساتذہ کبار سے فیض علم وعرفان حاصل کیا۔ یہ وہ دور تھا جب دارالعلوم میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کا فیضان علم وعمل اپنی تابانیوں کے ساتھ طالبان علوم نبوت کے قلوب کو منور کر رہا تھا۔ اس دور میں علوم دینیہ عقلیہ ونقلیہ میں دارالعلوم دیوبند ایک امتیازی شان کا حامل تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کے تلامذہ کا دارالعلوم میں بطور اساتذہ اچھا خاصہ اجتماع تھا جن میں ہر فن اور علم کے ماہر حضرات موجود تھے خاص طور پر شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ، حضرت مولانا عبد السمیع صاحب دیوبندیؒ حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ وغیرہ وہ حضرات اکابر ہیں جو اپنی ذات میں ایک انجمن اور اپنے علم وفن اور تقویٰ وطہارت میں یگانہ روزگار کی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا مرحوم نے انہیں علم و عمل کی آفتاب ومہتاب کہی جانے والی شخصیتوں کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے اور آخر کار ۱۹۴۱ء مطابق ۱۳۶۰ھ میں شیخ الاسلامؒ کے درس ترمذی سے فیضیاب ہو کر سند فراغت حاصل کی۔

مولانا مرحوم میرے والد محترم حضرت مولانا اصغر صاحب مدظلہ کے ساتھ بھی دار العلوم دیوبند میں بعض کتابوں میں شریک درس رہے۔ حضرت والد محترم مولانا مرحوم کا جب بھی تذکرہ فرماتے ہیں ماشاء اللہ بڑے وقیع انداز میں فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ دوران گفتگو مولانا مرحوم کا تذکرہ آ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ:۔

”ماشاءاللہ مولانا زاہد حسن صاحب بڑے آدمی تھے۔ ان کی جرأت وحوصلہ قابل تعریف ہے وہ اپنی برادری میں خاص طور پر اور علاقہ کے تمام مسلمانوں میں عام طور پر بڑا اصلاحی کام کر رہے ہیں۔ دینی تعلیم کی اشاعت، اس کے لئے مدارس ومکاتب کا قیام ان کا خاص مشغلہ ہے۔ دارالعلوم میں دوران تعلیم ہمیشہ استادوں کے قریب رہے خاص طور پر شیخ الاسلامؒ کے ساتھ بڑا اقرب رکھتے تھے۔“

۱۹۸۸ء میں جب مولانا مرحوم کے حادثہ جانکاہ کی اطلاع ملی تو انتہائی افسردگی کی حالت میں فرمایا کہ:

”مولانا زاہد حسن صاحب اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، بڑے ہی محنتی، جفاکش اور سمجھدار شخص تھے۔ اصلاحی کاموں سے خاص تعلق تھا۔ بہت سے مدارس و مکاتب قائم کیے اور ان کی سرپرستی کی۔ ہمارے مدرسہ کا جس کے وہ کچھ عرصے طالب علم بھی رہے بڑے اچھے انداز میں تذکرہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں خاص مقام عطا فرمائے آمین۔!“

مولانا مرحوم نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد تعلیم واصلاح کو اپنی جدو جہد کا مرکز بنایا۔ دراصل آپ کا تعلق ایک ایسی برادری جسے عرف عام میں گوجر کہا جاتا ہے، سے تھا جو مجموعی طور پر من حیث القوم اگرچہ مسلمان تھی مگر یہ قوم اپنی ہمسایہ اقوام کی طرح مسلمان ہونے کے باوجود ایک عجیب وغریب صورت حال سے دوچار تھی۔ اس

برادری میں رسومات مسرفانہ سے بڑھ کر رسومات مشرکانہ کا چلن عام ہو چکا تھا۔ تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔ آپسی قتل و غارت گری اور مقدمات نے ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ جو کسی بھی حساس شخص کے لئے تکلیف دہ اور ناقابل برداشت تھی۔ حضرت مولانا زاہد حسن مرحوم نے انہیں برائیوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ آپ نے اس سلسلہ میں دوطرفہ محاذ پر کام شروع کیا۔ برادری کی بے دینی اور ناخواندگی دور کرنے کے لئے جہاں ایک طرف دینی مدارس و مکاتب کے قیام پر توجہ دلائی گئی وہیں دوسری طرف برادری کے لوگوں کو بزرگان دین بالخصوص اکابر دیوبند و اکابر رائیپور کے ساتھ وابستگی پر آمادہ کیا۔ اس دوطرفہ حکمت عملی نے اپنا اثر دکھایا۔ برادری نے مولانا مرحوم کے اس خاص اسلامی و اصلاحی منصوبے کو نہ صرف پسندیدگی کے ساتھ دیکھا بلکہ اس پر عمل کرتے ہوئے حضرتؒ کی سرپرستی میں مکاتب و مدارس کے قیام کا ایک سلسلہ شروع کیا جس کے نتیجہ میں آج اس برادری کا شاید ہی کوئی قریہ ہوگا جہاں حضرت مرحوم کی قیام مکاتب کی تحریک کے نقوش مکتب یا مدرسہ کی شکل میں موجود نہیں ہیں۔ سینکڑوں مکاتب و مدارس ایسے ہیں جن کی حضرتؒ اپنی زندگی کے آخری سانس تک سرپرستی و نگرانی فرماتے رہے۔ قیام مکاتب و مدارس کی تحریک کے ساتھ آپ نے برادری میں درآئی مسرفانہ اور باہمی افتراق و انتشار پر بھی توجہ فرمائی اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ برائیوں کے خلاف اپنی جدو جہد میں حضرتؒ بڑی حد تک کامیاب رہے۔ آج بحمد اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی جدوجہد کے ثمرات برادری اور علاقہ میں ہر سطح پر صاف نظر آرہے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد پہلے آپ نے حضرت مولانا محمد علی لاہوریؒ کے درس قرآن میں شرکت کی اور وہاں سے واپسی کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ آپ نے مدرسہ سراج العلوم دجھیڑہ سے شروع کیا۔ اس مدرسہ کی آبیاری میں آپ نے پوری

زندگی صرف کر دی۔ یہاں آپ معلم بھی تھے اور مہتمم بھی تھے اور مدرسہ کے اخراجات کے لئے فراہمی سرمایہ بھی آپ ہی کے ذمہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توکل و قناعت کی دولت بھی خوب عطا فرمائی تھی۔ آپ نے تاحیات اس ادارہ کی بلا معاوضہ خدمت انجام دی۔ آپ کی قومی و ملی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔ دینی مدارس کا قیام، برادری اور علاقہ میں دینی تعلیم کا فروغ و اشاعت، تذکیر و تبلیغ اور وعظ و خطابت کے ذریعے اصلاح معاشرہ کی جدوجہد آپ کی خدمات کے وہ نقوش ہیں جو آج بھی صاف دیکھے جا سکتے ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند سے آپ کا تعلق دارالعلوم دیوبند میں دوران تعلیم ہی قائم ہو گیا تھا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کا شاگرد ہونے کی حیثیت سے یہ ناممکن تھا کہ آپ کا جمعیۃ علماء ہند سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔ فراغت کے فوراً بعد مولانا مرحوم نے سرگرمی کے ساتھ جماعتی پروگراموں میں حصہ لینا شروع کیا۔ طویل عرصہ تک نائب صدر اور آزادی کے بعد تادم واپسیں ضلع جمعیۃ کے صدر رہے۔ جمعیۃ علماء کی ہدایت پر پہلے ضلع سہارنپور میں شرعی پنچایت قائم کی اور پھر جب اسے امارت شرعیہ ہند کے قیام کے بعد محکمہ شرعیہ کا نام دیا گیا تو آپ نے بھی محکمہ شرعیہ کے نام سے ہی اس کی تجدید کی۔ اس ادارہ کے آپ تاحیات صدر کے عہدہ پر فائز رہے اور سینکڑوں ایسے معاملات اس ادارہ کے تحت حل فرمائے جو لاینحل سمجھے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فراست ایمانی سے خوب نوازا تھا۔ معاملہ کی تہہ تک بہت جلد پہنچ جاتے تھے اور دینی قوت لسانی کے ذریعہ فریقین کو معاملہ سلجھانے پر آمادہ کر دیتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے تنظیمی معاملات کا بھی خوب خوب ادراک تھا۔ مردم سازی و مردم شناسی کی صفت بھی من جانب اللہ حاصل تھی۔ جس شخص کو دیکھتے کہ وہ قوم و ملت کے کسی کام آسکتا ہے اسے فوراً اپنا لیتے اور پھر اس کی ایسے ڈھنگ سے

تربیت فرماتے کہ وہ قومی اور ملی کاموں میں خود بخود دلچسپی لینے لگتا۔ ضلع سہارنپور میں ایسے نوجوانوں کی تعداد سینکڑوں میں ہوگی جو آپ کی تربیت کے طفیل قوم وملت کا عظیم سرمایہ ثابت ہوئے اور جن کی ایک بڑی تعداد آج بھی اضلاع سہارنپور، مظفرنگر اور ہری دوار کے بہت سے دینی مدارس ومکاتب میں درس وتدریس اور مساجدوں میں امام و خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ یہی حضرات ہیں جو آج جب حضرتؒ ہمارے درمیان نہیں ہیں جمعیۃ علماء ہند اور آپ کے لگائے ہوئے دینی وعلمی پودوں کی آبیاری میں مصروف ہیں۔

آپ سیاسی مسلک میں بھی اپنے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے پیروکار رہے اور جس طرح حضرت شیخ الاسلام نے باقاعدہ کانگریس میں شمولیت کے ساتھ ملک بھر میں مسلمانوں کو کانگریس میں شمولیت کی دعوت دی آپ نے خود بھی کانگریس میں شمولیت اختیار کی اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتے رہے۔ کانگریس کے ٹکٹ پر آپ نے ۱۹۴۶ء میں یوپی اسمبلی کا الیکشن لڑا اور کامیاب ہوکر ۱۹۵۲ء تک یوپی اسمبلی کے رکن رہے۔ ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۰ء کا پارلیمانی الیکشن بھی آپ نے کانگریس کے ٹکٹ پر لڑا مگر حالات خراب ہونے اور خود کانگریس کی بعض غلطیوں کی وجہ سے آپ کامیاب نہ ہوسکے۔

آپ کا اصلاحی تعلق بھی حضرت شیخ الاسلام سے تھا۔ ۱۹۵۷ء میں آپ کی وفات کے بعد آپ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے دامن فیض سے وابستہ ہوگئے جہاں سے آپ خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ اس کے بعد آپ کو حضرت شیخ الاسلامؒ کی طرف سے جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسعد مدنی قدس سرہ نے بھی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کی طرف سے اجازت دئے جانے کا

قصہ خود حضرت فدائے ملتؒ نے مولانا مرحوم کے سلسلہ میں منعقدہ تعزیتی اجلاس بمقام جامع مسجد سہارنپور میں ارشاد فرمایا تھا کہ تین بار حضرت شیخ الاسلامؒ ان کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ۔

’’مولوی زاہد حسن کا مجھ پر ایک حق باقی ہے۔ میں انہیں بیعت کی اجازت نہیں دے سکا۔ آپ میری طرف سے انہیں اجازت دے کر یہ حق ادا کردیں۔‘‘

اس ہدایت کے بعد حضرت فدائے ملتؒ نے آپ کو شیخ الاسلام کی طرف سے خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کا بیعت کا سلسلہ بھی تادم واپسیں جاری رہا اور ہزاروں بندگان خدا نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر اپنی اصلاح کی۔ بقول صاحبزادہ محترم مولانا محمد عارف صاحب آپ کی کسر نفسی کا عالم یہ تھا کہ آپ جسے بھی بیعت فرماتے اسے حضرت فدائے ملتؒ کے لئے ہی بیعت فرماتے، اور جب وہ اجازت کے لائق ہوجاتا تو حضرت فدائے ملت کے ذریعہ ہی خلعت اجازت وخلافت سے نوازا جاتا۔ اس طرح حضرت فدائے ملتؒ کے مجازین میں کچھ ایسے مجازین بھی شامل ہیں جو مولانا مرحوم کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور اجازت حضرت فدائے ملت نے عطا فرمائی۔

اللہ نے مولانا مرحوم کو اوصاف جمیلہ سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ آپ حسن اخلاق، انکساری، تواضع، سادگی کا پیکر تھے۔ راقم الحروف نے متعدد بار بچشم خود مشاہدہ کیا کہ آپ کا مخالف آپ پر خفا ہورہا ہے یہاں تک کہ طعن وتشنیع پر بھی اتر آتا ہے مگر واہ رے آپ کا حسن اخلاق کہ آپ انتہائی خندہ پیشانی سے اس سے پیش آتے۔ انکساری اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ اپنے چھوٹوں کو بھی کبھی آپ نے اپنی بڑائی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ بے انتہا سادگی پسند تھے۔ ہمیشہ موٹا کپڑا استعمال فرماتے تھے۔ سادہ لباس، سادہ

وضع قطع کو پسند فرماتے تھے۔لباس اکثر کھدر کا ہوتا۔اللہ نے وجاہت عطا فرمائی تھی اس لئے سادہ لباس میں بھی بارعب معلوم ہوتے تھے۔آپ کی چال ڈھال سنت کے مطابق ہوتی۔بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت آپ کے مزاج کا حصہ بن چکے تھے۔راقم الحروف کے ساتھ حضرتؒ کا معاملہ بالکل اپنی اولاد جیسا ہوتا تھا۔شرعی پنچایت کے معاملات میں حضرتؒ کی نرم خوئی پر کبھی کبھی حضرت والا کے مقام کو بھول کر حضرتؒ کی اس نرمی کے بارے میں راقم الحروف کی زبان پر تنقیدی کلمات بھی آجاتے تو آپ انہیں نظر انداز کرتے ہوئے فرمادیتے بیٹے تم ابھی بچے ہو،مسلمانوں کے عائلی معاملات کو نرم خوئی سے حل کیا جانا چاہئے۔توکل وقناعت کے آپ روشن مینار تھے۔آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ روزی بقدر کفایت کافی ہے حالانکہ آپ کو وراثت میں ایک بڑی جائداد حاصل ہوئی تھی۔آپ چاہتے تو دوسرے لوگوں کی طرح کاشتکاری جیسا منفعت بخش پیشہ اختیار کرکے فارغ البالی کی زندگی گزار سکتے تھے مگر آپ نے دنیا پر دین کو ترجیح دیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ خود پیشہ زراعت کی جگہ دینی خدمت اختیار کی بلکہ اولاد کو بھی کاشتکاری میں لگانے کے بجائے دینی کاموں میں لگایا۔چنانچہ آپ کے تمام صاحبزادگان معمولی معمولی تنخواہوں پر دینی مدارس میں دینی تعلیمی خدمات انجام دہی میں مصروف ہیں۔

آپ بھی دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد قریب ہی برادری کے ایک بڑے قریہ دمجھیڑہ میں تادم واپسیں مدرسہ سراج العلوم نامی ایک چھوٹے سے مدرسہ سے وابستہ رہے اور آج آپ کے فرزند مولانا محمد عارف صاحب اس ادارہ کی تعلیمی و انتظامی خدمت انجام دے رہے ہیں۔دوسرے صاحبزادے مولانا مفتی محمد طیب صاحب اپنی علالت طبع کے باوجود اپنے گاؤں براہیمی میں ہی ایک مدرسہ چلا رہے ہیں جبکہ باقی تینوں صاحبزادگان الگ الگ مقامات پر دینی تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔مولانا

مرحوم اپنے دور کے بڑے علماء میں سے تھے۔خانوادۂ مدنی سے وابستگی کی وجہ سے سیاسی لوگوں میں بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔آپ یوپی اسمبلی کے رکن بھی رہے اور دو مرتبہ پارلیمانی انتخاب میں حصہ بھی لیا۔اسی صورت میں آپ چاہتے تو امکانات تلاش کرسکتے تھے لیکن اللہ نے توکل وقناعت کا وصف جمیل عطا فرمایا تھا اس لئے آپ نے تادم واپسیں فقیرانہ زندگی کو ترجیح دی۔یہ حضرتؒ کا ایسا امتیاز ہے جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

امانت و دیانت میں بھی آپ ضرب المثل تھے۔آپ بیک وقت بہت سے اداروں کے ذمہ دار ہوتے تھے مگر مجال جو ایک دوسرے ادارے کی رقم خلط ملط ہو جائے۔اپنے زیرانتظام مدارس ومکاتب اور مساجد کے حسابات کی درستگی پر پوری توجہ فرماتے اور اگر کسی سے کہیں کوئی فروگذاشت ہوجاتی تو اسے اپنی جیب سے پورا کرکے حساب درست کراتے۔چونکہ احساس ذمہ داری بدرجہ اتم پایا جاتا تھا اس لیے اس کا خاص اہتمام فرماتے۔ایک مرتبہ آپ کے زیراہتمام ایک دینی ادارے کے حسابات کے تعلق سے بعض لوگوں کی طرف سے کچھ شکوک وشبہات کا اظہار سامنے آیا تو حضرتؒ نے باصرار راقم الحروف کو وہاں حسابات کی جانچ کے لئے بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ بلاکسی رورعایت کے حقیقت سے پردہ اٹھنا چاہئے۔راقم الحروف نے مسلسل کئی دنوں تک ادارہ میں قیام کرکے حسابات کی گہرائی سے جانچ کی اور حالانکہ شکایت کنندگان کی شکایت بے بنیاد نکلی تاہم معمولی فروگذاشت کو بھی آپ نے اپنی نگرانی کی خامی تصور کرتے ہوئے ادارہ کی ذمہ داریوں سے سبکدوشی کرلی اور پھر ہزار اصرار کے باوجود بھی اسے قبول نہیں کیا۔

اپنے دور کے تمام اکابر سے آپ کا نیازمندانہ اور عقیدت مندانہ تعلق تھا۔حضرت

شیخ الاسلامؒ تو آپ کے استاذ بھی تھے اور پیر و مرشد بھی۔ اس لئے ان سے آپ کا تعلق تو ایک فطری بات تھی لیکن دیگر اکابر خصوصاً حضرت اقدس مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ، حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور دیگر اکابر دیوبند سہارنپور، دہلی ورائے پور کے ساتھ بھی آپ کا تعلق انتہائی نیاز مندانہ تھا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کے وصال کے بعد آپ نے بیعت و ارشاد کا تعلق حضرت رائے پوریؒ سے قائم کیا جہاں سے مجاز بیعت و ارشاد بھی بنائے گئے۔ ان حضرات کے یہاں بھی مولانا مرحوم کی خوب خوب پذیرائی ہوئی تھی۔ قومی، ملکی اور سیاسی احوال پر ان حضرات کی مجلسوں میں مولانا مرحوم کی رائے کو کافی وقیع اور اہم سمجھا جاتا تھا۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ کی رائے پور اور سہارنپور کی مجلسوں میں جب مولانا مرحوم شامل ہو جاتے تو قومی و ملی معاملات کا خوب تذکرہ ہوتا اور جب مولانا مرحوم کچھ بولتے تو حضرت رائے پوریؒ نہ صرف ہمہ تن گوش ہو کر آپ کی بات سماعت فرماتے بلکہ اس کی تصویب و تائید بھی فرماتے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ بھی آپ سے بیحد محبت فرماتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ فرمایا کرتے تھے، بھائی مولوی زاہد حسن میرے آقا شیخ الاسلام حضرت مدنی کے تربیت یافتہ ہیں۔ وہ بھی اپنے استاد کی طرح ہر فن کے شہسوار ہیں۔ آپ کا حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ کے سلسلے کے تمام بزرگوں سے تعلق تھا اور ہر ایک آپ کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

مولانا مرحوم نے ۱۹۱۸ء میں اس دنیائے آفرینش میں قدم رکھا اور ۲۷ مارچ ۱۹۸۸ء کو اپنے مولائے حقیقی کے روبرو حاضری کی سعادت حاصل کی۔ اس طرح آپ نے اس دار فانی میں ستر برس گزارے۔ اپنی اس ستر برس کی عمر میں نہ جانے آپ کتنی

مرتبہ بیمار ہوئے اور کتنی مرتبہ شفا پائی مگر جس دن آپ بارگاہ الٰہی کے لئے عازم سفر ہوئے اس دن ماشاء اللہ پوری طرح صحت مند تھے۔ وفات سے ایک دن پہلے ۲۶ مارچ کو مولانا مرحوم نے پورا دن سفر میں گزارا سفر سے واپسی پر چونکہ رات ہو گئی تھی اور اگلے دن صبح ہی مولانا مرحوم کو برادری کے کسی اصلاحی پروگرام میں جانا تھا اس لیے آپ رات کو سرساوہ میں ہی ٹھہر گئے۔ آپ صبح ہی اپنے سفر پر نکلنا چاہتے تھے مگر مشیت الٰہی اپنا کام کر چکی تھی۔ آپ کے گاؤں سے سواری کے لئے آپ کی گھوڑی آ گئی۔ وہی گھوڑی جو ایک طویل عرصہ سے آپ کی ہمسفر تھی۔ آپ نے اس پر سوار ہونے کے لئے بایاں پیر رکاب پر رکھا ہی تھا کہ اچانک گھوڑی بدک گئی اور اسی حال میں وہ دوڑنے لگی۔ مولانا مرحوم سڑک پر گر گئے جس سے آپ کے سر پر شدید چوٹ آئی۔ آپ بے ہوش ہو گئے۔ اسی حال میں سہارنپور سول ہسپتال میں لائے گئے جہاں آپ نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور اس طرح جس گھوڑی کو ایک عرصہ سے آپ کے ہم سفر ہونے کا شرف حاصل تھا وہی گھوڑی آپ کے لئے پیغام اجل ثابت ہوئی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج تم کل ہماری باری ہے

جب کسی کا انتقال ہوتا اور آپ کو اس کی اطلاع دی جاتی تو **انا للہ و انا الیہ راجعون** کے بعد آپ یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے۔ آج آپ کے سانحۂ ارتحال کے ٹھیک بائیس سال بعد راقم الحروف جب آپ کے تعلق سے یہ چند سطریں ضبط تحریر میں لا رہا ہے تو راقم کو رہ رہ کر مولانا مرحوم کی زبان سے ادا ہونے والا یہ شعر بھی یاد آ رہا ہے۔ شاعر نے صحیح ہی کہا ہے:

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج تم کل ہماری باری ہے

اس طرح ایک مخلص اور وفا شعار بندے نے اپنی پوری زندگی اپنے محبوب حقیقی کے برحق دین کی تعلیم وتبلیغ میں گزار کر ۲۷ مارچ ۱۹۸۸ء کو زبان حال سے یہ کہتے ہوئے خود کو فرشتہ اجل کے حوالہ کردیا:

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تم پر
صرف یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

جس کے بعد ستر سال کے تھکے ماندے امت کے غم میں بے چین و بے قرار مسافر نے اپنے اصلی ٹھکانے پر پہنچ کر آخر کار قرار پا ہی لیا:

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ اور مدرسہ حسینیہ سبیل الہدی

دبھیڑی خورد و سنہیٹی

از طرف۔ مولانا محمد عرفان صاحب
مہتمم مدرسہ سبیل الہدی سنہٹی تحصیل کیرانہ

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر جو گونا گوں احسانات فرمائے ان میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے نبوت ورسالت کا سلسلہ جاری فرمایا، انسانی دنیا کے آغاز سے سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ سلسلہ جاری رہا، اور نبیوں کے بعد ان کے وارث علماء کو انسانیت کی فلاح وبہبودی کی ذمہ داری سونپی گئی، اور ان کو دین کی حفاظت واشاعت کا خاص داعیہ اور جذبۂ صادقہ عطا ہوا، انہیں بندگانِ خدا میں سے اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب قاسمی ابراہیمی شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب خلیفہ ومجاز حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہم اللہ ہیں، جو قصبہ سرساوہ کے موضع ابراہیمی میں ایک سادہ لوح کاشت کار چودھری محمد اسماعیل صاحب کے یہاں مسلم گوجر گھرانے میں ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے آپ کی شخصیت ہمہ گیر اور بے پناہ خصوصیات کی حامل تھی، تحقیق وتدریس، معرفت وسلوک سیاست وتدبیر ہر میدان میں آپ پیش پیش رہے، ان سب خصوصیات کے ساتھ جو چیز آپ کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز ومنفرد بنا دیتی ہے، وہ امت کا درد وغم اور قومی وملی احساس ہے، جب آپ اپنی قوم وبرادری میں جہالت وضلالت بدعات ورسومات اور عقائد کی کمزوری دیکھتے تو بے چین ہوجاتے، اور آنکھوں سے آنسوں جاری ہوجاتے، چنانچہ آپ نے ان سب خرافات کو جڑ سے ختم کرنے اور قوم کو زیور تعلیم

سے آراستہ کرنے کا عزم اور تہیہ کرلیا، اور تنِ تنہا قریہ قریہ بستی بستی مدارس ومکاتب کے قیام کو اپنا مشن بنالیا، اس تحریکی میدان میں آپ کو اجڈ دیہات کے ضدی لوگوں کا سامنا کرنا پڑا، بے تکی اور تلخ باتیں سننی پڑی، کڑوی کسیلی باتوں کے باوجود آپ صبر وہمت کے کوہِ گراں بنے رہے۔

جن جگہوں پر آپ نے قیام مدرسہ کی اشد ضرورت محسوس کی، ان میں یمنا ندی سے متصل علاقہ بھی شامل ہے جہاں گاؤں بسیڑہ ومنڈاور سے لیکر جانبِ شمال کھادر میں تقریباً بیس کلومیٹر تک اکثر مسلم بستیاں ہونے کے باوجود ایک بھی مکتب یا مدرسہ موجود نہیں تھا جو لوگوں کی صحیح دینی وفکری رہنمائی کرسکے، قزاقی وڈکیتی کا دھندا بھی عروج پر تھا، دن دھاڑے لوٹ مار عام تھی، اسی علاقہ کی بستی گاؤں دبھیڑی خورد کے ایک صاحب ملا مقصود سے جو اہل اللہ سے انتہائی عقیدت ومحبت رکھتے تھے آپ کی کچھ شناسائی تھی، بس تعلق کا اتنا سرا ہاتھ آنا کافی تھا، جس کی بنا پر متعدد بار یہاں آمد ورفت کی اور لوگوں کو دینی تعلیم کی اہمیت بتلانے کے ساتھ قیام مدرسہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہے، تاہم اہل قریہ کی جہالت وناخواندگی اور عدم دلچسپی برسوں تک مدرسہ کے قیام میں مانع بنی رہی، بالآخر متواتر تشکیل وذہن سازی بلکہ اصرار کے بعد عارضی طور پر گاؤں کی چوپال میں تعلیم شروع کرنے پر رضامند ہوئے، بطور استاذ مسجد کے امام کو رکھا گیا، اس میں تقریباً دوسال تک تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رہا، ماحول تھوڑا سازگار ہوا تو آپ نے گاؤں کی مسجد میں ایک پروگرام رکھا، جس میں آپ نے استحکام، پائیداری اور ہمیشگی مدنظر رکھتے ہوئے مستقل مدرسہ کے قیام پر زور دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو اس جانب بھی متوجہ کیا اور اسی وقت جگہ کے انتخاب کے لئے گاؤں سے باہر مغرب کی جانب نکل پڑے جہاں وسیع وعریض پنچایتی اراضی خالی پڑی ہوئی تھی۔

حضرت اپنے ہاتھ میں نشان زد کرنے کے لئے ایک اینٹ اٹھائے ہوئے تھے، گاؤں والوں کی خواہش تھی کہ مدرسہ گاؤں کے زیادہ سے زیادہ قریب ہو اس لئے آپ سے ”اس اینٹ کو یہاں رکھ دو“ اور ”یہ جگہ ٹھیک رہے گی“ اس طرح کے جملے بار بار کہتے لیکن آپ خاموشی کے ساتھ برابر آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ جگہ کی تعیین وانتخاب کے لئے اینٹ کو اس زمین کے ایک ہموار اور سرسبز وشاداب قطعہ پر رکھ دیا جس کو چرواہے حضرات کھانے پینے اور آرام وغیرہ کے لئے استعمال کیا کرتے تھے، اس پر کچھ لوگوں نے طرح طرح کی باتیں بھی بنائی کہ یہاں پر کون پڑھنے آئے گا، یہ تو لٹیروں کا اڈہ بنے گا وغیرہ وغیرہ، دراصل یہ جگہ اگرچہ دبھیڑی گاؤں سے قدرے دوری پر تھی، لیکن تین چار گاؤں کے درمیان واقع تھی، آپ اپنی ایمانی فراست اور نورِ بصیرت سے اس کی اہمیت وافادیت کا ادراک کررہے تھے، اگر لوگوں کی پسند کردہ گاؤں سے متصل جگہ کو خاص کردیا جاتا تو شاید مدرسہ ایک ہی گاؤں کا مخصوص نیز اس کا فیض محدود ہوکر رہ جاتا، بہرحال جگہ کے انتخاب کے بعد حضرت نے بذاتِ خود فدائے ملّت مولانا اسعد مدنیؒ کو سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے مدعو کیا، دونوں حضرات کے مابین گہرے روابط ومراسم تھے اور ایک دوسرے کو انتہائی قدر واحترام کی نگاہ سے بھی دیکھتے تھے، چنانچہ دونوں ایک ساتھ تشریف لائے، اور ایک بڑے مجمع کے موجودگی میں ۳؍شعبان ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۶؍ جون ۱۹۸۰ء بروز پیر میں منتخب جگہ میں مدرسہ کی سنگِ بنیاد رکھی، اس موقع پر مدرسہ کا نام تعلیم القرآن تجویز کیا گیا، جس کو بعد میں تبدیل کرکے مدرسہ حسینیہ سبیل الہدیٰ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

اب تعمیر مدرسہ لوگوں کے لئے ایک بڑا مسئلہ تھا، معاشی حالت زیادہ اچھی نہیں تھی مشکل سے گذر بسر ہوتا لیکن حضرت کی تشکیل وترغیب کے سبب لوگوں نے

ہمت اور حوصلہ دکھایا، ہر ایک نے اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق تعاون کرنا اپنے لئے لازم سمجھا، اور اس طرح تقریباً چھ ماہ بعد ایک کمرہ وجود میں آ گیا، اس کمرہ کا وجود میں آنا تھا کہ گاؤں بسیڑہ وسنہیٹی کے باشندوں کا بھی ادھر میلان والتفات ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں مدرسہ کی خدمت کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا کیا، چنانچہ انہوں نے بھی محنت کر کے ایک ایک کمرہ تعمیر کرا کر مدرسہ میں اپنا حصہ لیا۔

مدرسہ میں تعلیمی کام شروع کرانے کے لئے حضرتؒ نے ماسٹر ریاست خانپوری اور مولانا رکن الدین بھوروی کو یکے بعد دیگرے مقرر فرمایا، اس دوران تنخواہ ودیگر اخراجات کی حضرت خود دیکھ ریکھ کرتے رہے۔

ابھی مدرسہ کی عمر پانچ سال ہوئی تھی اور اس کا تعلیمی وتعمیری کام اپنے ابتدائی مراحل میں تھا، محدود درسگاہیں اور تین چار پڑھانے والے مدرس تھے، مالی حالت بھی دگرگوں تھی، تین گاؤں سے باہر کوئی تعارف بھی نہیں تھا، یہ ۱۹۸۵ء کی بات ہے، جب حضرت نے اپنے معتمد خاص مخلص ومستعد حضرت مولانا بشیر احمد صاحب گوگوائیؒ (متوفی ۵/رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۳/مارچ ۲۰۱۸ء بروز جمعہ) کو باضابطہ طور پر مہتمم بنا دیا، جو مولانا سلیم اللہ خانصاحب اور مولانا مسیح اللہ خانصاحب رحمہما اللہ کے شاگرد رشید وتربیت یافتہ اور حکیم مولانا عبداللہ مغیثی اجراڑوی مدظلہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، باکمال مدرس تجربہ کار منتظم اور نہایت سادہ مزاج انسان تھے، ان کی منکسر المزاجی وبے نفسی مدرسہ کے مدرسین وطلبہ تک محدود نہ تھی

بلکہ وہ عام آدمی کے ساتھ بھی بہت سادگی سے پیش آتے ان کے طور وطریق طرز وانداز اور رہنے سہنے سے کوئی نیا آدمی تصور نہ کرسکتا تھا کہ یہ ایک بڑے اور

معیاری ادارے کے ذمہ دار ومہتمم ہیں، ان کے آنے کے بعد راہیں کھلنا شروع ہوئیں، مخالفت کے باوجود انہوں نے حضرت کی مشفقانہ سرپرستی ورہبری میں شب وروز کی محنت وجانفشانی سے مدرسہ کی تعلیمی تربیتی وتعمیری نظام کو مستحکم اور وسیع کیا، ایک ایک تنکا جمع کر کے اس آشیانہ علم وعمل کو سنوارا اور پروان چڑھایا، وہ اپنے ہر اقدام اور حکمت عملی کو حضرت مولاناؒ کے ملاحظہ سے گذارتے اور ان سے رائے ومشورہ طلب کرتے یہی وجہ ہے کہ بے سروسامانی کے عالم میں بنجر زمین میں قائم ہونے والا یہ ادارہ عوام وخواص کے درمیان قدر ومنزلت سے دیکھا جانے لگا، بتدریج قرب وجوار کے گاؤں بھی مدرسہ سے منسلک ہوتے چلے گئے، قبولیت وشہرت بڑھی اور نیک امیدوں کا مرکز ومحور بھی بنا، حضرت اسعد الہند ابراہیمی صاحبؒ بارہا یہاں تشریف لاتے اور تعلیمی وتعمیری ہر اعتبار سے ترقی کرتے ہوئے دیکھتے تو یہ دعائیہ جملہ ان کی زبان سے جاری ہوجاتا، اللہ اس کو نظر بد سے محفوظ رکھے، آپ مدرسہ سے والہانہ اور قلبی لگاؤ رکھتے تھے، اکثر جب بھی علاقہ میں آتے تو یہاں ضرور تشریف لاتے، عموماً شب میں قیام کے لئے اسی کا انتخاب فرماتے، ایک بار کا واقعہ ہے حضرت گاؤں بھورا میں کسی پروگرام سے بعد العصر فارغ ہوئے، واپسی ممکن نہیں تھی، ہر چند کہ گاؤں والوں نے اصرار کیا کہ آج یہیں قیام فرمالیں، لیکن آپ وہاں نہیں ٹھہرے بلکہ سنہیٹی مدرسہ کے لئے نکل پڑے اور آکر فرمایا مجھے یہاں رہ کر عجیب قلبی سکون اور راحت حاصل ہوتی ہے، سفر کی مشقت وتھکاوٹ کا احساس تک بھی باقی نہیں رہتا پھر مہتمم صاحب اور مدرسین کو دیر تک دعاؤں سے نوازتے رہے۔

یقیناً انہی دونوں بزرگوں کی مساعی، جملہ اور اللہ تعالیٰ سے گریہ وزاری کا نتیجہ

ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اب یہ مدرسہ ایک بڑے ادارے کی شکل اختیار کر چکا ہے، موقع بموقع علماء وصلحاء کی آمد ورفت مدرسہ کی روحانیت کو جلا بخشتی رہتی ہے، یہاں پر ہندی، انگلش کے ساتھ عربی پنجم تک نہایت مضبوط ومعیاری تعلیم وتربیت کا نظم ہے، چالیس افراد پر مشتمل عملہ کے ساتھ تقریباً ایک ہزار مقامی وبیرونی طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، ایک پرشکوہ عمارت اور درمیان میں چمن بندی اس کے حسن ورونق میں مزید اضافہ کردیتی ہے، وسیع وعریض دومنزلہ مسجد کی تکمیل بھی ہوا چاہتی ہے، یہاں کے فضلاء وفارغین کی بھی ایک کثیر تعداد ہے، جو ملک کے مختلف گوشوں وصوبوں میں دینی وملّی خدمات میں مصروف ہیں، حضرت مولانا مفتی عبدالغنی شاشی ازہری دامت برکاتہم اور مولانا عارف صاحب صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا ابراہیمیؒ موجودہ وقت میں اس کی سرپرستی فرمارہے ہیں، اللہ رب العزت اکابر کے اس علمی چمن کو ہمیشہ شاداب رکھے ہر قسم کے شرور وفتن سے حفاظت فرمائے۔ آمین

(مولانا) محمد عرفان قاسمی (صاحب)

قوم وملت کا سچا محافظ:

مفکر ملت حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نوراللہ مرقدہ

ازقلم: جاوید خلیل قاسمی بالوی

استاذ حدیث ومفتی جامعہ بدرالعلوم گڑھی دولت

حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نوراللہ مرقدہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، مجھے آپ کی زیارت وملاقات کا شرف تو حاصل نہ ہوسکا؛ کیوں کہ حضرت کے انتقال کے وقت میری عمر صرف سات سال تھی۔ اور یہ بھی یاد نہیں کہ سب سے پہلے آپ کا اسم گرامی کب سنا، البتہ اتنا یاد ہے کہ جب سے ہوش سنبھالا اور علم وکتاب سے کچھ مناسبت ہوئی، حضرت کا اسم گرامی، علمی کارنامے اور قومی وملی خدمات کے بارے میں برابر سنتا رہا۔ آپ کو اللہ تعالی نے اعلی اخلاق، بلند کردار، تقوی وطہارت، صدق وامانت، اخلاص وللّٰہیت، تواضع وانابت اور علمی وعملی قابلیت جیسی بہت سی خوبیوں اور اعلی صفات سے نوازا تھا۔ آپ مادرزاد ولی، بے لوث سیاسی قائد، قوم وملت کے سچے محافظ اور بے مثال عالم دین تھے، ایسے لوگ مدتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

نام ونسب:

حضرت مولانا زاہد حسن صاحب، بن چودھری محمد اسماعیل، بن قلندر بخش، بن محمد علی، بن کریم الدین۔

پیدائش:

جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے اس وقت کسی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ آگے چل کر کتنی

بڑی شخصیت کا مالک ہوگا اور علم وفضل کے کس مقامِ بلند پر پہنچے گا، اس لیے جن گھروں میں پڑھنے لکھنے کا ماحول نہیں ہوتا، اُن میں عموماً بچوں کی تاریخ پیدائش محفوظ رکھنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا، یہی وجہ ہے کہ اکثر بڑے لوگوں کی صحیح اور مکمل تاریخ پیدائش پردۂ خفا میں ہے، حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی اس میں ایک حد تک دین داری اور عبادت کا شوق تو تھا؛ لیکن وہ کوئی تعلیم یافتہ اور علمی گھرانہ نہیں تھا؛ اس لیے آپ کی تاریخ پیدائش کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ آپ ۱۹۱۸ء کے کسی مہینے میں پیدا ہوئے۔

وطن:

موضع ابراہیمی ضلع سہارن پور (یو۔پی) آپ کا آبائی وطن ہے، جو قصبہ سرساوہ سے شمال کی جانب تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

خاندان:

آپ کے والد ماجد چودھری محمد اسماعیل ایک دین دار، صوم وصلاۃ کے پابند، شریف الطبع انسان تھے، آپ اگرچہ علم ظاہری سے بے بہرہ تھے؛ مگر سینہ میں قلب سلیم رکھتے تھے۔

آپ کے دادا چودھری قلندر بخش بڑے سخی، مہمان نواز، غریب پرور، نہایت دین دار اور عبادت گذار شخص تھے، پیشہ سے کاشتکار تھے، آپ کا شمار علاقہ کے بڑے کاشتکاروں میں ہوتا تھا۔

آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی اللہ دی تھا، موضع ''دابکی'' ضلع سہارنپور کی رہنے والی تھی، بڑی نیک صالحہ، ذاکرہ شاکرہ عورت تھی، مہمانوں کی خدمت بڑے شوق سے

کرتی تھی، جس وقت بھی دیر سویر مہمان آجاتے کھانا بنانے میں کبھی سستی نہ کرتی، آٹا خود اپنے ہاتھ سے پیسا کرتی تھی اور چکی چلاتے ہوئے کوئی نہ کوئی ذکر ورد زبان رہتا تھا۔

ابتدائی تعلیم:

آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ تعلیم القرآن رسیدیہ جامع مسجد سرساوہ میں ہوئی، جہاں مولانا سید محمد شیر شاہ ہزراوی امامت وخطابت کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ یہاں آپ نے مولانا ہزاروی سے ناظرہ قرآن کریم پڑھا۔

مولانا سید شیر شاہ صاحبؒ موضع ہری پور ضلع ہزارہ پاکستان کے رہنے والے تھے، بڑے علم پرور، مخلص، جفاکش، ماہر علوم وفنون، ذاکر وشاغل بزرگ تھے، کئی سال جامع مسجد سرساوہ میں امامت وخطابت اور تعلیم وتربیت کے فرائض انجام دینے کے بعد مدرسہ اشرف العلوم موضع آہبہ نزد قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور منتقل ہوگئے تھے۔

بغرضِ تعلیم موضع آہبہ میں:

جب آپ کے استاذ محترم مولانا سید شیر شاہ صاحب موضع آہبہ نزد قصبہ نانوتہ منتقل ہوگئے تو آپ بھی استاذ محترم کے ساتھ بغرضِ تعلیم موضع آہبہ منتقل ہوگئے۔

مدرسہ اشرف العلوم موضع آہبہ میں آپ نے فارسی اور عربی اول کی تعلیم حاصل کی، آپ اپنے ساتھیوں میں ہمیشہ اول رہتے تھے، گاؤں والے بھی آپ کی ذہانت اور علمی استعداد سے متأثر تھے، امتحان کے موقع پر بعض حضرات خاص طور پر آپ کے امتحان کے وقت ممتحن کے پاس آبیٹھتے اور آپ کے چستی پھرتی کے ساتھ جواب دینے کا منظر دیکھ کر محظوظ ہوتے۔

اللہ تعالی نے آپ کو محنت کا جذبہ اور عمدہ ذہن عطا فرمایا تھا، استاذ محترم نے جوہر

قابل دیکھ کر بھر پور توجہ فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو فارسی زبان پر مثالی دسترس حاصل ہوگئی۔

تکمیل تعلیم:

۱۹۳۴ء میں آپ نے ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں عربی دوم کے لیے امتحان دیا، اور اعلی نمبرات سے کامیابی حاصل کر کے عربی دوم میں داخل ہوئے۔ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے داخلہ امتحان لیا۔

اس طرح آپ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی علمی، روحانی اور پرنور فضاء میں سات سال رہ کر، اپنے وقت کے کبار علماء اور اربابِ فضل وکمال سے پوری توجہ، انہماک اور کمالِ خلوص کے ساتھ استفادہ کرتے ہوئے، ۱۹۴۱ء مطابق ۱۳۶۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

تکمیل تفسیر کے لیے مولانا احمد علی لاہوری کی خدمت میں:

دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد، آپ معروف مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری (جن کی تفسیر کا اس وقت چہار دانگ عالم میں ڈنکا بج رہا تھا) کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، اور وہاں دورۂ تفسیر کر کے مفسر لاہوری کے ظاہری وباطنی فیوض سے فیض یاب ہوئے۔

طلب علم میں محنت:

آپ کو اللہ تعالی نے اعلی درجہ کی ذہانت وذکاوت سے نوازا تھا؛ عموماً اس طرح کے طلبہ اپنی ذہانت پر اعتماد کرتے ہوئے محنت کم کرتے ہیں؛ لیکن آپ تحصیل علم میں

151

بڑی محنت کرتے تھے، رات میں بھی بہت کم سوتے تھے، آپ خود فرمایا کرتے تھے:

”مجھے یاد نہیں کہ زمانۂ تعلیم میں کبھی باقاعدہ بستر بچھا کر سویا ہوں، ہوتا یہ تھا کہ مطالعہ کرتے کرتے نیند کا غلبہ ہو جاتا، تو کبھی کتاب اوپر میں نیچے، اور کبھی کتاب نیچے اور میں اوپر ہوتا تھا۔“

یہی وجہ تھی کہ آپ کو نہ صرف درسی کتابیں اچھی طرح یاد تھیں؛ بلکہ بہت سی درسی کتب کے حواشی تک یاد ہو گئے تھے، اور امتحان میں ہمیشہ امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے تھے، دورۂ حدیث شریف کی بعض کتابوں میں آپ کے نمبرات ۵۱، ۵۲، ۵۳ تک ہیں۔

آپ کے اساتذہ:

جن علماء، فقہاء، محدثین، مفسرین، اساطین علم وفن اور باخدا بزرگوں سے آپ نے زمانہ طالب علمی میں استفادہ کیا، ان میں مولانا سید محمد شیر شاہ ہزراوی، صاحب ”فتح الملہم“، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب دیوبندی، امام المعقولات والمنقولات حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی، مولانا عبد السمیع صاحب دیوبندی، مفتی ریاض الدین صاحب بجنوری، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی، شیخ التفسیر حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا ظہور حسن صاحب دیوبندی (جو حضرت مفتی شفیع صاحب کے حقیقی چچا تھے)، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ کے رفقاء درس:

مولانا عظیم الدین صاحب انبہٹویؒ اور مولانا سید خالد سیف اللہ صاحب گنگوہی آپ کے نمایاں رفقاء درس ہیں۔

تدریس:

تحصیل علم سے فراغت کے بعد، آپ نے مدرسہ سراج العلوم موضع دُمجھیڑہ نزد قصبہ چلکانہ ضلع سہارن پور سے اپنے طویل تدریسی سفر کا آغاز کیا، یہ مدرسہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہ کا قائم کردہ ہے۔ آپ پوری زندگی اسی مدرسہ میں درس وتدریس اور طلبہ کی تعلیم وتربیت کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ہفتہ میں دو دن (جمعرات وجمعہ کو) جامعہ احمد العلوم خان پور نزد قصبہ گنگوہ میں بھی مشکوٰۃ شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

بیعت وخلافت:

آپ اپنے محبوب استاذ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے بیعت ہوئے، اور از اول تا آخر سلوک کے تمام مراحل حضرت شیخ الاسلام کے زیر نگرانی طے کئے؛ لیکن ابھی اجازت وخلافت کی نوبت نہیں آئی تھی کہ حضرت مدنی کا وصال ہوگیا۔ حضرت شیخ الاسلام اپنی حیات میں کئی بار آپ کو خانقاہ رائپور کی طرف متوجہ فرما چکے تھے، اس لیے حضرت مدنی کے وصال کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، چوں کہ تصوف وسلوک کی تمام منازل طے فرما چکے تھے اس لیے کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت رائپوری نے آپ کو

خلعت خلافت عنایت فرمادی۔ اس کے علاوہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ سے بھی آپ کو اجازتِ بیعت حاصل تھی۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی موضع ماجری نزد قصبہ رام پور منیہاران آئے ہوئے تھے، وہاں مولانا مدنی نے یہ اعلان فرمایا کہ:

''والد محترم حضرت شیخ الاسلام میرے خواب میں تشریف لائے، اور فرمایا کہ مولانا زاہد حسن صاحب کی ہمارے ذمہ ایک امانت ہے، وہ امانت ہماری جانب سے تم ادا کردو، اس لیے میں حضرت والد صاحب کے حکم سے اور انہی کی طرف سے مولانا زاہد حسن صاحب کو اجازتِ بیعت دیتا ہوں۔''

آپ ہر سال گاؤں کی مسجد میں (از ۲۱ شعبان تا آخر رمضان) چالیس دن کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، اس دوران مدرسہ سراج العلوم موضع دُمجھیڑہ کے ایک طالب علم کے علاوہ کسی سے بھی بات چیت نہیں کرتے تھے۔ ۱۹۷۷ء تک پابندی سے محلہ ہی کی مسجد میں ۴۰ دن کا اعتکاف فرماتے رہے، ۱۹۷۷ء سے مولانا اسعد صاحب مدنی کے ساتھ دیوبند میں رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف شروع کیا، جو آپ کی وفات (۱۹۸۸ء) تک جاری رہا۔

۲۴ گھنٹے میں ایک قرآن شریف پڑھنے کے علاوہ، روزانہ سوا لاکھ پاس انفاس، صبح کو جواہر خمسہ اور دلائل الخیرات، اور شام کو نماز کے بعد حزب البحر سفر حضر میں پڑھنے کا معمول تھا۔ آپ حافظ نہیں تھے؛ لیکن یہ آپ کی کرامت تھی کہ تراویح میں حافظ صاحب کی غلطی پکڑ لیا کرتے تھے۔

مولانا خورشید احمد صاحب سابق امام جامع مسجد سرساوہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرے پاس ایک شخص آیا، اس نے کہا کہ میں بہت دنوں سے ذکر اللہ میں لگا ہوا ہوں؛

لیکن میرا قلب جاری نہیں ہوتا۔اسی اثناء میں حضرت مولانا زاہد حسن صاحب تشریف لے آئے، میں نے کہا کہ حضرت! یہ شخص پریشان ہے، بہت دنوں سے اللہ کا ذکر کررہا ہے؛لیکن اس کا قلب جاری نہیں ہوتا،اس کے لیے دعا کردیجئے۔مولانا نے اس شخص کی کمر پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا،تو فوراًاس شخص کا قلب جاری ہوگیا،اور وہ خوشی خوشی مولانا کو دعا دیتا ہوا چلا گیا۔

مولانا کے رفیقِ سفر وحضرمنشی عبدالوحید خاں ساکن پٹھیڑ نزد چلکانہ بیان کرتے ہیں کہ کمرہ میں ایک الماری تھی جس پر تالا لگا ہوا تھا، چابی تھی نہیں،اس الماری میں کچھ ضروری سامان رکھا ہوا تھا، میں نے تالا توڑنے کا ارادہ کیا،تو مولانا نے فرمایا کہ منشی جی اسے توڑ کر کیا کروگے، یہ تو خود ہی کھل جائے گا،اس کے بعد مولانا نے اس تالے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا،اور تالا کھل کر نیچے گر گیا؛ حالاں کہ تالے کو نہ میرا ہاتھ لگا نہ مولانا کا۔

آپ کے خلفاء:

جن حضرات نے آپ کے دامن فیض سے وابستہ ہوکر سلوک کی منازل طے کیں، اورحضرت کی طرف سے اجازت وخلافت سے نوازے گئے وہ یہ ہیں:

(۱) صاحب زادۂ محترم حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب قاسمی۔

(۲) حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوری۔

(۳) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب میواتی شیر پنجاب۔

(۴) ماسٹر رشیدالدین صاحب (شاہ پور پاکستان)

(۵) حافظ پھول محمد صاحب (موضع دبھیڑہ کلاں)

(۶) حافظ منظور احمد صاحب (موضع ٹوڈرپور)

اوصاف وکمالات:

تقوی وطہارت اور اخلاق واعمال کی اصلاح وپاکیزگی کے بغیر دین کا علم کما حقہ حاصل نہیں ہوتا،اور اگر حاصل ہوجائے تو اس سے پورا نفع نہیں ہوتا۔تقوی و پرہیزگاری اور اصلاحِ اعمال واخلاق کا وصف آپ کے اندر زمانۂ طالب علمی ہی میں پیدا ہوگیا تھا، یہ اسی کا اثر تھا کہ مشکوک لقمہ کھانے کے بجائے فاقہ کرنا گوارا کرلیا کرتے تھے۔

اللہ تعالی نے آپ کو بے مثال استقامت،صبر وشکراور طلب علم کی راہ میں مصائب ومشکلات برداشت کرنے کا وصف بھی خوب عطا فرمایا تھا۔جودوسخا اور ایثار وہمدردی کا وصف تو بچپن ہی سے آپ کو ورثہ میں ملا ہوا تھا،آپ کا گھرانہ اس عظیم وصف میں دور دور تک مشہور تھا۔عفو ودرگزر،مہمان نوازی،عاجزی وانکساری، تواضع وبےنفسی،سادگی،خلوص وللّٰہیت آپ کی پہچان تھی۔

حکومتِ وقت کی جانب سے آپ کو ریل پاس ملا ہوا تھا،لیکن آپ نے کبھی اسے استعمال نہیں کیا، ہمیشہ ٹکٹ خرید کر سفر فرمایا کرتے تھے،ایک بار جلدی میں ٹکٹ لیے بغیر انبالہ سے ٹرین میں سوار ہوگئے،منشی عبدالوحید صاحب ساتھ تھے،ٹی ٹی نے ٹکٹ مانگا،تو منشی جی نے کہا کہ ہم جلدی کی وجہ سے ٹکٹ نہیں لے سکے،آپ انبالہ سے سرساوہ تک کے ٹکٹ کے پیسے لے لیں، ٹی ٹی نے کہا گاڑی لاہور سے آرہی ہے،اس لیے آپ کو لاہور سے سرساوہ تک کے ٹکٹ کے پیسے دینے پڑیں گے،جب ٹی ٹی انبالہ سے سرساوہ تک کے ٹکٹ کے پیسے لینے کے لیے تیار نہیں ہوا،تو مولانا نے اپنا پاس دکھایا، پاس دیکھ کر ٹی ٹی معافی مانگنے لگا اور کہا کہ میں آپ سے پیسے نہیں لوں گا؛لیکن آپ حد درجہ متقی

پرہیز گار تھے، آپ نے کہا کہ ریل گاڑی ہماری ہے نہ تمہاری، اس لیے ہم ٹکٹ کے پیسے دیئے بغیر سفر نہیں کر سکتے، اور آپ کو ٹکٹ کا پیسہ معاف کرنے کا حق نہیں، چناں چہ ٹی ٹی کے انکار کے باوجود آپ نے اصرار کر کے پیسے دے کر انبالہ سے سرساوہ تک کے دو ٹکٹ بنوائے۔

سیاست اور جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی:

حضرت کی ذات میں خدمت خلق کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، ہر وقت آپ کے ذہن و دماغ پر یہی فکر سوار رہتی تھی کہ کس طرح مسلم قوم کو آگے بڑھایا جائے، خدمت خلق ہی کے جذبہ کے تحت ۱۹۴۶ء میں آپ نے کانگریس کے ٹکٹ پر M.L.A. کا الیکشن لڑا، اور کامیاب ہوئے۔ ۱۹۵۲ء تک آپ ایم۔ ایل۔ اے رہے، ان پانچ سالوں میں مسلم قوم کی ہر ممکن خدمت کی۔ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں آپ کا ریکارڈ ہے کہ اپنی پوری سیاسی زندگی میں آپ نے کبھی حکومت کا پیسہ اپنے ذاتی مفاد میں استعمال نہیں کیا۔ اس کے بعد حج کے لیے تشریف لے گئے، سفر حج سے واپسی کے بعد عملی طور پر سیاست سے علیحدگی اختیار کر لی، پھر ۱۹۷۷ء میں بعض اکابرین کے شدید اصرار پر سیاست میں واپس آئے، اور کانگریس کے ٹکٹ پر دو مرتبہ ممبر پارلیمنٹ کا الیکشن لڑا، مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

تقریباً تیس سال جمعیۃ علماء ضلع سہارنپور کے صدر رہے۔ اور جب سہارن پور میں شرعی پنچایت قائم ہوئی، تو آپ اس سے وابستہ ہو کر تاحیات قوم وملت کی خدمت کرتے رہے، بہت سے عائلی مسائل کے فیصلے کرائے، عورتوں کے بہت سے الجھے ہوئے

مسائل باہمی صلح کرا کے یا آخری درجہ میں فسخ کی صورت میں حل کرائے۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ: ''ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی شرعی و پنچایتی مسائل کی وجہ سے مغفرت فرمادے۔''

قومی وملی خدمات:

جب آپ تحصیل علم سے فارغ ہو کر وطن لوٹے، اُس وقت ضلع سہارنپور اور ضلع مظفرنگر میں علمی، عملی اور معاشرتی اعتبار سے گوجر برادری کی صورت حال بڑی خراب تھی، چاروں طرف جہالت کا دور دورہ تھا، دور دور تک برادری میں کوئی عالم، حافظ؛ بلکہ بعض دیہاتی علاقوں میں تو کوئی ناظرہ خواں بھی ڈھونڈنے ہی سے ملتا تھا، کسی کا انتقال ہو جاتا تو نماز جنازہ پڑھانے والا بھی مشکل ہی سے دستیاب ہوتا تھا، مدارس اور مکاتب بھی نہ ہونے کے برابر تھے، چوری، ڈاکہ زنی اور لڑائی جھگڑا ایک عام سی چیز تھی، دینی تعلیم کی طرف توجہ تھی نہ رغبت، اسلام کی بنیادی تعلیمات اور ضروری عقائد سے بھی لوگ بے بہرہ تھے۔ ہندوانہ ماحول میں رہنے کی وجہ سے بہت سی غیر شرعی واسلام مخالف رسمیں شادی بیاہ کا لازمی حصہ بن چکی تھیں۔

مولانا نے جب اپنی برادری کی یہ تعلیمی، دینی اور معاشرتی پس ماندگی دیکھی، تو علاقے میں مدارس ومکاتب کے قیام اور معاشرے میں پھیلی ہوئی جاہلانہ رسوم ورواج کی اصلاح کو اپنا مشن بنالیا، پیدل، بگیوں میں اور اپنی گھوڑی پر پورے علاقے میں گھومے، شادی بیاہ میں پائی جانے والی غیر اسلامی رسوم کو ختم کیا، لوگوں کو دینی تعلیم کی اہمیت سمجھائی، مدارس ومکاتب کے قیام کے لیے ذہن سازی کر کے جگہ جگہ مدارس و

مکاتب قائم کیے، جو اِکّے دُکّے مکتب پہلے سے قائم تھے ان کو فعال کیا، آپ کی کدوکاوش اور جہد مسلسل سے جو مدارس و مکاتب قائم ہوئے، یا پہلے سے قائم تھے اور آپ کی سرپرستی میں فعال اور ترقی کی راہ پر گام زن ہوئے، ان میں جامعہ احمد العلوم خان پور، جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت، مدرسہ ناشر العلوم گڑھی جلال پور، مدرسہ کنز العلوم ٹڈولی، مدرسہ سراج العلوم دمجھیڑہ، مدرسہ سبیل الہدی سنہٹی اور مدرسہ احسن العلوم قصبہ کیرانہ بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ یہ آپ کی مخلصانہ محنت، قوم میں دینی و تعلیمی شعور پیدا کرنے کے تئیں شب و روز کی تگ و دو، رات دن کی دوڑ دھوپ اور دعائے نیم شبی ہی کا ثمرہ ہے کہ آج آپ کی قوم و برادری میں جہاں ایک طرف بافیض دینی مدارس و مکاتب کی کوئی کمی نہیں، وہیں دوسری طرف علماء، مفتیان کرام، حفاظ، قراء، خطباء، مبلغین، مصنفین، محدثین، مدرسین اور صاحب نسبت بزرگوں کی ایک پوری کھیپ قوم و ملت کی خدمت میں مصروف ہے۔

آپ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ تمام مسلمان خواہ کسی بھی علاقے، برادری اور رنگ و روپ سے تعلق رکھتے ہوں آپس میں دینی بھائی ہیں، حسب و نسب کی بنیاد پر کسی کو کسی پر کوئی فوقیت و برتری حاصل نہیں، فضلیت اور عنداللہ مقبولیت کا دار مدار اتباعِ سنت و شریعت اور تقوی و طہارت پر ہے، ذات و برادری کی تفریق کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں، چناں چہ یہی وجہ ہے کہ آپ کی خدمات کا دائرہ صرف اپنی برادری کی حد تک محدود نہیں تھا؛ بلکہ ایک عالم اور سیاسی لیڈر ہونے کی حیثیت سے ذات پات سے اوپر اٹھ کر

آپ قوم مسلم کی جتنی خدمت کر سکتے تھے اس میں آپ نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد جب پورے ملک میں فسادات پھوٹ پڑے، آپ کے قریب ہریانہ میں ارتداد کا فتنہ تیزی سے پھیل رہا تھا، ہندو اور سکھ مسلمانوں کو پریشان کر رہے تھے، جوان لڑکیوں کی عزت لوٹی جارہی تھی، نوجوان مردوں کو قتل کیا جارہا تھا، ایسے پریشان کن، نازک اور خوف ناک حالات میں آپ اپنی بندوق لے کر صبح گھر سے نکل جاتے، اور پورے دن گھوم پھر کر مسلمانوں کے جان و ایمان کی حفاظت کرتے۔ حالات اتنے پر خطر تھے کہ آپ خود فرماتے ہیں کہ ”اس زمانے میں صبح گھر سے نکلنے کے بعد شام کو زندہ و سلامت واپس لوٹنے کی امید نہیں ہوتی تھی۔“

ایک مرتبہ آپ موضع ڈھکہ تشریف لے گئے، یہ قصبہ سرساوہ کے پاس راج پوتوں کا گاؤں ہے، وہاں آپ نے دیکھا کہ ایک ہندو نے بہت سارے مسلمانوں کو جمع کر رکھا ہے اور ان سے کچھ بات کر رہا ہے، آپ وہاں پہنچے تو وہ ہندو آپ کو دیکھ کر سلام کر کے چلا گیا، آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس نے تم سب کو کس لیے جمع کیا ہوا تھا اور وہ تم سے کیا بات کر رہا تھا، ان لوگوں نے بتایا کہ اس کمبخت نے ہمیں مرتد کرنے کے لیے جمع کیا تھا، اور وہ اسی حوالے سے ہم سے بات کر رہا تھا؛ لیکن اللہ تعالی نے ہمارے ایمان کی حفاظت کے لیے بروقت آپ کو بھیج دیا، آپ نے دیکھا کہ اس ہندو نے مسلمانوں کو ہندو بنا کر ان کی پیشانی پر تلک لگانے کے لیے کچھ رنگ بھی گھول رکھا تھا، جو اس نے آپ کو آتا ہوا دیکھ کر چارپائی کے نیچے چھپا دیا تھا، یہ صورت حال دیکھ کر آپ کو بہت رنج ہوا، آپ نے مسلمانوں کو سمجھایا، ان کے اندر ایمان و اسلام پر جمے رہنے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات، پریشانیوں اور تکالیف کو برداشت کا جذبہ بیدار کیا، اس طرح آپ کی بروقت کوشش سے پورا گاؤں مرتد ہونے سے بچ گیا۔

آپ کی پوری زندگی قوم وملت کی خدمت میں گذری۔کسی کو پیسے کی ضرورت ہوتی اس کا مالی تعاون فرماتے، بسا اوقات دوسروں کی ضرورت پوری کرنے کے لیےخود مقروض ہوجاتے،کسی کو ملازمت یا کسی مقدمے میں آپ کی سفارش یامدد کی ضرورت ہوتی،تواس کے لیےعملی دوڑ دھوپ میں اپنے مرتبے وحیثیت کالحاظ کرتے نہ اپنی صحت کا،اس کے لیے اپنی جیب سے خرچ کرنا پڑتا تو اس سے بھی دریغ نہ فرماتے۔

حضرت مولانا زاہد حسن صاحب اور جامعہ بدرالعلوم:

جامعہ بدرالعلوم گڑھی دولت ایک مکتب کی شکل میں پہلے سے قائم تھا،اس وقت حضرت مولانا محمد کامل صاحب نوراللہ مرقدہ ٹپرانہ میں امام تھے،آپ ہی کی توجہ، کوشش اور خواہش پر حضرت مولانا محمد کامل صاحب بدر العلوم میں بحیثیت مہتمم تشریف لائے،اور آپ کے زیر سرپرستی کام شروع کیا،آپ ہر سال امتحانات میں تشریف لاتے،تعلیمی صورت حال کا جائزہ لیتے،تعلیم وتربیت کی عمدگی کے لیے قیمتی مشورے دیتے، اور پوری زندگی نہایت اخلاص و باریک بینی سے مدرسے کی سرپرستی ونگرانی فرماتے رہے، اس طرح آپ کی کامیاب نگرانی وسرپرستی میں مدرسہ بڑی تیزی سے اپنے تعلیمی وتعمیری سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا مکتب سے جامعہ کی شکل اختیار کرگیا۔

آج جامعہ میں حفظ وناظرہ قرآن پاک، تجوید وقراءت، ہندی، انگلش اور فارسی کے علاوہ،عربی اول سے دورۂ حدیث شریف اور تکمیل افتاء تک نہایت ٹھوس اور معیاری تعلیم کا نظم ہے۔ایک ہزار سے زائد بیرونی طلبہ دار الاقامہ میں رہتے

ہیں، مقامی طلبہ وطالبات اور بیرونی طلبہ کی کل تعداد دو ہزار سے متجاوز ہے جن کی تعلیم وتربیت اور نگرانی کے لیے اسّی (۸۰) سے زیادہ اساتذہ وملازمین خدمتِ دین میں مصروف ہیں۔دورۂ حدیث شریف شوال ۱۴۳۱ھ میں شروع کیا گیا تھا، جو بحمد اللہ پوری کامیابی کے ساتھ علوم حدیث کی نشر واشاعت کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ گذشتہ عشرے میں دوسو سے زائد طلبہ دورۂ حدیث سے فراغت پاکر، ملک کے مختلف صوبوں میں علوم اسلامیہ کی خدمت واشاعت میں مصروف ہیں، تکمیل افتاء کا شعبہ سال گزشتہ (شوال ۱۴۴۰ھ میں) قائم کیا گیا۔یہ مفکر ملت حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی سرپرستی اور حضرت اقدس الحاج مولانا محمد کامل صاحب قدس سرہ کی جدوجہد ہی کا نتیجہ ہے کہ الحمد للہ جامعہ کا نظام تعلیم وتربیت اپنی ہم عصر درس گاہوں میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے، اور جامعہ شب وروز تعلیمی، تعمیری اور تربیتی ہر طرح کی ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے ایک تناور درخت کی شکل میں عوام وخواص کو فیض یاب کررہا ہے، جامعہ کی ہمہ گیر علمی ودینی خدمات اور عمدہ معیار تعلیم وتربیت کا اثر ہے کہ جامعہ کی شہرت بیرونِ ملک تک پہنچ چکی ہے۔

سفر آخرت:

پانچ روزہ تعلیمی و اصلاحی دورے سے واپسی پر، سرساوہ سے ابراہیمی جاتے ہوئے آپ گھوڑی سے گرکر زخمی ہوئے، دماغ کی رگ پھٹ گئی، علاج کے لیے سہارن پور سول ہسپتال لے جایا گیا؛ مگر جان بر نہ ہوسکے اور علم وفضل کا یہ آفتاب ۲۷ مارچ ۱۹۸۸ء مطابق ۸ شعبان ۱۴۰۸ھ بروز اتوار صبح ۸ بجے، سہارن پور سول ہسپتال میں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا، جنازہ موضع ابراہیمی لایا گیا، حضرت مولانا شمیم احمد صاحب

دیوبندی سابق استاذ دار العلوم دیوبند اور حضرت مولانا قاری محمد الیاس صاحب جمنانگری سابق استاذ دار العلوم دیوبند وغیرہ نے غسل دیا، نمازِ عصر کے بعد آپ کے صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد جنازہ آبائی قبرستان (باغ میں) لایا گیا، اور آپ کے والد محترم اور دادا جان کے جوار میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔

جنھیں اب گردشِ افلاک پیدا کرنہیں سکتی
کچھ ایسی ہستیاں بھی دفن ہیں گورِ غریباں میں

○❖○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

{مظلوم قافلے کا عظیم سپہ سالار}

ازقلم: بلال احمد منصور پوری استاذ ومفتی
مدرسہ اسلامیہ عربیہ کنز العلوم ٹڈولی

روز مرہ کی زندگی کا یہ مشاہدہ ہے کہ انسان عالم ارواح سے عالم دنیا میں آکر اپنے وجود کو رونق بخشتا ہے، اور ایک مقرر و متعین وقت تک اس دنیا میں اپنی زندگی کے لیل ونہار سے لطف اندوز ہوتا ہے، اس جہاں کی اشیاء سے فائدہ اٹھاتا ہے، بچے سے جوان، جوان سے بوڑھا ہوتا ہے، پھر اس زندگی اور بڑھاپے کو الوداع کہکر قبر کی آغوش میں جا سوتا ہے، وقت گذرتا ہے زندگی کے لمحات آگے بڑھتے ہیں اور ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ کسی فرد بشر کو یہ بھی یادنہیں رہتا کہ ہمارا باپ بھائی یا عزیز اس مختلف الالوان جہاں میں ہمارے ساتھ رہا کرتا تھا، سب اس کو بھلا بیٹھتے ہیں اور اپنی عیش وعشرت کی زندگی میں مست ومگن ہوجاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ کچھ اشخاص وافراد ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس جہاں کی روشنی سے الگ اپنے کردار، اعمال، عادات، واطوار سے ایک حقیقی روشنی کو وجود بخشتے ہیں، پھر وہ اس جہان کی روشنی سے پردہ فرمانے کے بعد بھی اپنے کارہائے نمایا، خدمات جلیلہ، اور اخلاق حسنہ کی بدولت لوگوں کے دلوں میں مدتوں زندہ رہتے ہیں۔

اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نوراللہ مرقدہٗ بھی ایسے ہی روشن کردار رجال سے تعلق رکھتے ہیں، حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نوّراللہ مرقدہٗ کی وفات ۱۹۸۸ء کی ہے، میری تو اس وقت پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی، اس اعتبار سے حضرت کے

سوانح وحالات زندگی پر لکھنا اور لکھنے کے ساتھ ساتھ حضرت کی حیات وخدمات کی صحیح تصویر کشی کرنا ایک مشکل امر ہے، مگر کچھ لکھنے کی ہمت یہاں سے بندھ جاتی ہے کہ اپنے دادا حاجی منظور احمد مرحوم سے حضرت کا تذکرۂ خیر خوب سننے کو ملا۔ دادا جی اگرچہ کوئی پڑھے لکھے انسان نہیں تھے لیکن علماء اور بزرگانِ دین خاص طور سے حضرت رائے پوریؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے خاص تعلق رکھتے تھے۔

مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے تو بے حد لگاؤ تھا، حضرت کی امت مسلمہ کیلئے جد جہد اور اس کے مسائل کے حل کیلئے انتھک کوششوں کی داستان سناتے سناتے بہت سی مرتبہ آبدیدہ ہوجاتے، بارہا فرماتے تھے کہ اس شخص نے امت مسلمہ بالخصوص اپنی برادری کیلئے ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں کہ چاہ کر بھی ان کو نہیں بھلایا جاسکتا۔

حضرتؒ کی ذات گرامی کے اندر اللہ تعالیٰ نے قائدانہ صلاحتیں، ایمانی فراست، سیاسی بصیرت، بے پناہ قومی وملی شعور ودیعت فرمایا تھا۔ عزائم کی پختگی، حالات سے باخبری، قوم وملت کی صحیح رہنمائی، اصابت رائے، بلند ہمتی، اور دور بینی جیسی صفات نے آپ کی ذات گرامی کو لوگوں کے لئے مرجع ومرکز بنانے کے ساتھ ساتھ قابل اعتماد وبھروسہ بنادیا تھا۔

حضرتؒ نے صحیح وقت پر درست فیصلہ کی بنیاد پر اپنا ہدف اور راستہ خود متعین کیا، اور پوری جرأت وہمت کے ساتھ کڑے سے کڑے سفر کے مراحل طے کرتے رہے، متعدد مرتبہ راہ میں رکاوٹیں آئیں، کلفتوں اور صعوبتوں کا سامنا بھی ہوا، راستے مسدود بھی ہوئے مگر قوم وملت کے درد کی خاطر ان کا سفر جاری وساری رہا، وحشتناک اور پرخطر گھاٹیوں وسنگین حالات میں بھی ان کے قدم نے لغزش نہیں کی۔

وہ وسیع النظر، قوم وملت کے درد کو سمجھنے والے انسان تھے، انہوں نے ہر میدان سے قوم وملت کی بھر پور نمائندگی کی پھر چاہے وہ امت مسلمہ کے حقوق کیلئے ہو، یا مظلوم وبے سہارا لوگوں کی دادرسی کے لئے، یا مدارس اسلامیہ کے تحفظ وبقا کے لئے، یا قومی اتحاد واتفاق اور اصلاح معاشرہ کیلئے ہو۔

غرضیکہ مسلمانوں کی صلاح وفلاح سے مربوط ہر مسئلہ کے لئے ہر میدان سے اپنی صدا بلند کرتے رہے اور لڑتے رہے، کوئی پلیٹ فارم اور میدان نہیں چھوڑا جہاں انہوں نے طبع آزمائی نہ کی ہو۔

وہ محض ایک سیاسی قائد ورہبر ہی کے طور پر نہیں جانے جاتے تھے بلکہ وہ ہر فرد بشر کے لئے خیر خواہ وہمدرد بھی تھے ان کے سینہ میں انسانیت بالخصوص اپنی برادری کی بہبودی، ترقی اور بہتری کے لئے ایک دھڑکتا ہوا دل تھا، ان کا دل مصائب وحالات سے دوچار ولاچار دردمند مظلوموں کے لئے تڑپ اٹھتا تھا، قوم وملت کے حادثات کی خبر ملتے ہی وہ بے چین ہوجاتے، وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے حالات کا جائزہ لیتے اور مسائل کو حل کرنے کے لئے جو سبیل نکل سکتی تھی اسی کو اختیار کرکے مسئلہ کا حل فرماتے تھے۔

آپ کے پاس لوگ جہاں دینی مسائل لیکر حاضر خدمت ہوتے وہیں دنیاوی مسائل کے حل کے لئے بھی آیا کرتے تھے، آپ لوگوں کے مسائل کو خوب توجہ اور اہتمام کے ساتھ سنتے اوران کو سلجھانے میں بھاگ دوڑ کرتے، آپ کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی بھی شخص آپ کے پاس سے ناامید ہوکر نہ جائے پھر چاہے اس مسئلہ کے حل کے لئے حکومت کا سہارا لینا پڑے، یا پرشاسن کا، یا اور کسی محکمہ کا جب تک اس مسئلہ کا حل نہ نکل جاتا آپ سکون اوراطمینان سے نہ بیٹھتے۔

ایک مرتبہ دادا جی مرحوم حضرت کے پاس ہمارے چچا کو لیکر حاضر خدمت ہوے اور عرض کیا کہ حضرت اس لڑکے کو چینی فیکٹری میں ملازمت پر لگوانا ہے کیونکہ دادا جی کا آپ سے خاص تعلق اور لگاؤ تھا آپ نے فرمایا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم آپ کا کام نہیں کریں گے تو اور کس کا کریں گے، چنانچہ چند ہی ایام گذرے تھے کہ چچا کی ملازت چینی فیکٹری میں متعین کروادی مگر چچا کسی عارض کی وجہ سے وہ نوکری نہ کرسکے۔

حضرتؒ نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ایک لمبے زمانہ تک امت مسلمہ کی قابل رشک قیادت فرمائی، وہ فدائے ملتؒ کے دست راست اور ان کے قوت بازو کی حیثیت رکھتے تھے، ان کے مشورے جمعیۃ علماء ہند کے امور میں بے حد مفید و کارگر ثابت ہوتے، اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب و غریب ذہانت سے نوازا تھا، پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل وہ اپنی خداداد صلاحیت سے چٹکیوں میں حل کرنے کا ملکہ رکھتے تھے۔

انہوں نے اپنے دور قیادت میں امت مسلمہ کو محرومی، کمتری، اور لایعنی احساسات کی زندگی سے نکالکر ایک نئی راہ دکھائی، ان کے یہاں بے موقع مصلحت پسندی کے نعرے کی کوئی جگہ نہیں تھی، انہوں نے امت مسلمہ کو یہ جرأت و ہمت دی کہ وہ اپنے مسائل کو پوری طاقت وہ قوت کے ساتھ اٹھائیں، اور اسمیں ذرا بھی لچک اور نرم روی سے کام نہ لیں اسلئے کہ ؎

مسئلے زندہ قوموں کی پہچان ہیں
مردہ قوموں کے کوئی مسائل نہیں

کسی شاعر نے ایسے ہی رجال کار کے بارے میں کہا ہے کہ ؎

تو سامنے نہیں ہے میرے رہبر حیات
لیکن تیری بتائی راہ گذر تو ہے
آتی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

{تقسیم ہند اور حضرت کی قربانیاں}

تقسیم ہند کے بعد ایسے حالات پیدا ہوگئے تھے کہ جن کی وجہ سے لاکھوں مسلمانوں کی شہادت ہوئی، انگریزوں کی سنگ دلی اور حالات کو دانستہ طور پر بگاڑنے کا ایک ایسا جرم عظیم تھا جسے کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا، پنجاب کے فسادات میں لاکھوں لوگوں کی ہلاکت ہوئی، کروڑوں لوگ بے گھر ہوے، اور کتنی ہی معصوم لڑکیاں اغوا اور عصمت دری کا نشانہ بنیں، پنجاب میں ہر طرف بربریت کا راج تھا، ریل گاڑیوں کے ڈبے انسانی لاشوں سے اٹے ہوتے تھے، ریل کی پٹری کے دونوں طرف لاشیں بکھری ہوئی نظر آتی تھی، بلوائی ریل گاڑیوں پر منظم انداز میں حملہ کرتے تھے، ہندوستان بالخصوص پنجاب کے مسلمان مصائب وآلام کے پہاڑ تلے دبے جارہے تھے، اور مسلمانوں کے ہندوستان میں پاؤں اکھڑ چکے تھے۔

ان حالات میں اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن نور اللہ مرقدہٗ مظلوم قافلے کے عظیم سپہ سالار بنکر کھڑے ہوتے، اور جان ہتھیلی پر رکھکر موقع پر پہنچتے، مظلوموں کو دلاسہ دیتے۔ یقیناً ایسے حالات سنکر لوگوں کے پسینہ چھوٹ جاتے ہیں مگر اس مرد مجاہد اور ملت کے عظیم سپوت نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر ایسے پرُ خطر مواقع پر اپنی خدمات انجام دینے سے کبھی گریز نہیں کیا۔

کبھی مرعوب میں ہوتا نہیں شور سلاسل سے
کبھی ڈرتا نہیں میں قوت بازوئے قاتل سے
کبھی میں دار پر چڑھکر وفا کے گیت گاتا ہوں
کبھی شیر خدا بنکر میں باطل کو مٹاتا ہوں

جومسلمان فسادات کے زمانہ میں پنجاب وہریانہ سے یوپی میں آکر رہنے لگے تھے، پنجاب کے حالات سازگار ہونے کے بعد حضرتؒ نے ان مسلمانوں کو ان کے مقبوضہ مکان دلوانے کے سلسلہ میں بھرپور جدوجہد کی اوراس میں الحمد اللہ خوب خوب کامیابیاں سمیٹی۔

اسی زمانہ کا ایک واقعہ دادا جیؒ نے کئی مرتبہ سنایا کہ ایک اینکر عورت حضرت کے پاس آئی، اورسوال کیا کہ جومسلمان فسادات کے زمانہ میں ہریانہ پنجاب سے آکر یوپی میں رہنے لگے ہیں ان کے بارے میں حکومت کو کیا کرنا چاہئے، حضرتؒ نے فرمایا کہ حکومت کو چاہئے کہ ان مسلمانوں کو واپس ان کے گھروں میں بسانے کا انتظام کرے، اس نے کہا کہ جن لوگوں نے ان کے مکانات پر قبضہ کرلیا وہ کیسے چھوڑ سکتے ہیں، حضرتؒ نے اس وقت جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، فرمایا اس کی شکل یہ ہے کہ دونوں کو آدھا آدھا بانٹ کر دیدیا جائے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جواصل مالک ہے اس کے ذہن میں یہ رہے گا کہ ہمیں آدھا تو مل گیا باقی آدھا بھی مل جائے گا، اور جو قابض ہیں ان کے ذہن میں یہ بات رہے گی کہ کم سے کم ہمیں آدھا مکان تو مل گیا ہے باقی مزید بھی انتظام ہوجائے گا بالآخر جیسا حضرت نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا، چنانچہ کئی خاندان جو فسادات کے زمانہ میں اپنا گھر بار چھوڑ کر یوپی میں آگئے تھے، حضرتؒ ان کو لیکر واپس پنجاب پہنچے اوران کو

قابض پنجابی لوگوں سے ان کے آدھے گھر دلوائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غاصب لوگ باقی آدھا بھی کچھ روز کے بعد مالک مکان کوفروخت کر کے دوسری جگہ منتقل ہوگئے۔

غرض یہ کہ اس قیامت صغریٰ کے موقع پر جن حضرات نے امت مسلمہ کی پشت پناہی کی، مشکل ترین حالات میں امت کی دستگیری فرمائی، اور آڑے وقت میں مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی ان حضرات میں اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نوراللہ مرقدہٗ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ کی خدمات جمعیۃ علماء ہنداور ملک ہندوستان کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں، اگرمؤرخ فن تاریخ کے لوازمات اوراس کے منصب عظیم کو سامنے رکھکر تاریخ کو اوراق میں محفوظ کرنے کی کوشش کرے لیکن اس سیاست اور مداھنت کے زمانہ میں اس چیز کی امید کرنا ایک بے معنیٰ بات ہے، آج کے اس پر تعصب دور میں محض تعصب کی بنیاد پر کسی کی بھی قربانیوں کو پس پشت ڈالدینا، اورتاریخ میں رقم کرنے سے قبل ہی اس کو ذہن کی تختی سے بھی نسیاً منسیاً کرنے کی کوشش کرنا اپنی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ مزعوم کیا جاتا ہے، اسی عبارت کی ترجمانی کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے کہ ؎

رائگاں رندوں کے اوصاف حمیدہ ہوگئے
بوالہوس ان کی نظر میں برگزیدہ ہوگئے
میرے افسانوں سے دنیا نے لیا درس جنوں
میرے افسانے بھی اب تو ناشنیدہ ہوگئے

{درس وتدریس}

حضرتؒ نے ام المدارس دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی یہ فراغت محض رسمی نہیں تھی بلکہ آپ نے اپنے اساتذہ ومشائخ کے علوم وفنون کو اپنے سینہ میں محفوظ کرکے درس وتدریس کی دنیا میں قدم رکھا، آپ ایک متبحر عالم دین تھے، تمام علوم وفنون میں آپ کو یدطولیٰ حاصل تھا، دقیق سے دقیق مسائل کی گتھی سلجھانے میں آپ بے نظیر وبے مثال سمجھے جاتے تھے، فارسی وعربی کے اندر کامل مہارت رکھتے تھے، فارسی زبان تو آپ کی بالکل مادری زبان معلوم ہوتی تھی جس کا خاصہ اثر آپ کے فرزند اکبر حضرت مولانا محمد عارف صاحب دامت فیوضھم کے اندر نمایا طور پر نظر آتا ہے۔

حضرت نے اپنی تدریس کا آغاز مدرسہ سراج العلوم دجھیڑہ سے کیا اسی طرح جامعہ احمد العلوم خانپور میں بھی تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔

علوم عقلیہ ونقلیہ میں اتنی گہرائی وگیرائی کے باوجود آپ کا درس وتدریس سے زیادہ انسلاک نہ رہ سکا کیونکہ آپ کے دل میں امت مسلمہ بالخصوص اپنی برادری کا ایک درد تھا، بارہا فرماتے تھے کہ مجھ سے گوشہ نشیں ہوکر نہیں بیٹھا جاتا مجھے قوم وملت کے مسائل ستاتے ہیں۔

کتنے حسین لوگ تھے مل کر کے ایک بار
آنکھوں میں بس گئے دل وجاں میں سما گئے

حضرتؒ کے تلامذہ، متوسلین، معتقدین، اور فیض یافتگان کی ایک لمبی فہرست ہے جو ملک وبیرونِ ملک آپ کے فیوض وبرکات کے موتی بکھیر رہے ہیں، علاقہ میں آپ کے فیوض وبرکات کا جال اتنا وسیع اور عام ہے جو محتاج تعارف نہیں، علاقہ سے باہر جن

حضرات نے آپ کے اغراض ومقاصد کی نشر واشاعت کی ہے ان میں ایک نمایا نام حضرت مولانا مفتی محمد قربان صاحب ابراہیمیؒ کا ہے۔

مفتی صاحب نے حضرت مولانا زاہد حسن نوراللہ مرقدہٗ کے حسب حکم فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے بیعت کی، مفتی صاحب نے کچھ دن جامعہ بدرالعلوم گڈھی دولت میں تدریسی خدمات انجام دی، پھر ۱۹۸۲ء میں عملہ پور ٹمکورکرناٹک میں جامعہ حسینیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، اس ادارے سے جہاں حضرت مولانا زاہد حسنؒ سے مکتسب علوم وفنون کو طالبین علوم نبوت کے صدور میں منتقل کیا، وہیں اسدالہندؒ کے علوم ومعارف کے طفیل علاقہ میں منشور جہالت، اور رسم ورواج کے ازالہ میں انتھک کوششیں کی اور اس میں بحمداللہ بھرپور کامیابی ملی۔

مفتی صاحب نے ۱۹۹۵ء سے ۲۰۱۵ (دوسال مستثنیٰ) تک جمعیۃ علماء ہند کے کرناٹک کے صدر کے طور پر عظیم خدمات انجام دی، اور ۲۰۱۶ء میں سفرحج کے دوران انتقال فرماکر جنت المعلیٰ مکۃ المکرمہ میں مدفون ہوگئے۔

مفتی صاحب کے بعد جامعہ حسینیہ کے انتظام کی باگ ڈور آپ کے فرزند مولانا محمد عثمان صاحب زیدمجدہم کے ہاتھ میں آئی، موصوف اسدالہندؒ اور مفتی صاحب کے مقاصد واغراض کو آگے بڑھانے میں حتی المقدور تگ ودو کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہرطرح کے داخلی وخارجی شرور وفتن سے حفاظت فرمائے آمین۔

{اسدالہندؒ اور بیعت وخلافت}

تصوف وسلوک کے اعتبار سے آپ کا تعلق حضرت شاہ عبدالقادرؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے تھا۔ حضرت

رائپوریؒ نے آپ کی استعداد روحانی اور کمال زہد وتقویٰ کو دیکھتے ہوے آپ کو خلافت عطا فرمائی کیونکہ حضرت رائپوریؒ کی دور بین نگاہ دیکھ رہی تھی کہ بہت جلد یہ مہتاب اپنی روشنی سے پورے علاقہ اور ملک کو منور کرے گا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے یہاں بھی آپ کا بڑا مقام ومرتبہ تھا کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوتا کہ حضرت شیخ آپ کے بغیر مجلس شروع نہ فرماتے۔

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

{عملی زندگی اور تواضع وسادگی}

حضرتؒ صرف سیاسی میدان ہی کے شہسوار نہیں تھے بلکہ اللہ کے مقرب و برگزیدہ بندوں میں اپنی مثال آپ رکھتے تھے، آپ ان افراد میں سے نہیں تھے جو شریعت پر عمل پیرا ہونے کے بجائے محض وعظ ونصیحت، ترغیب وترھیب پر اکتفا کر لیتے ہیں، آپ نہ صرف یہ کہ دین وشریعت پر پابندِ عمل ہوئے بلکہ علم وعمل، اخلاق حسنہ، اور اعتصام بحبل اللہ کا ایک خوبصورت نمونہ بنکر لوگوں کے دلوں میں اتر گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو بھی آپ کی صحبت میں بیٹھ جاتا آپ پر اپنی جان نچھاور کرنے میں دریغ نہ کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی سیدھی سادی باتوں میں بھی وہ تاثیر اور جاذبیت رکھی تھی جن کو سنکر لوگوں کے قلوب پر ایک طرح کی رقت طاری ہوجاتی، اور ایمان کا شوق وجذبہ اور شریعت پر مر مٹنے کا ایک داعیہ پیدا ہوجاتا، مخالفین بھی آپ کے تقویٰ وطہارت، مخلصانہ وبے لوث خدمات اور مفکرانہ قیادت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوجاتے۔

آپ تکلف، تصنع، تکبر، دکھلاوا، اور ریا کاری جیسی صفات پر یقین نہیں رکھتے تھے بلکہ پاکیزگی اور نظافت کے ساتھ سادہ زندگی گزارنا پسند فرماتے تھے، سادگی وبے تکلفی گویا آپ کی عادتِ ثانیہ بن گئی تھی۔

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہوکر بھرا کرتی ہے پیمانہ

حضرت کی سادگی کا ایک واقعہ یاد آیا اسد الہندؒ کی رائے پور میں آمد ورفت بہت رہا کرتی تھی اسی زمانے کی بات ہے کہ ہمارے چچا قاری محمد ساجد حسن صاحب قاسمی وہاں زیر تعلیم تھے، حضرتؒ حسب معمول رائے پور پہنچے جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو حضرت کا ایک پائینچہ تھوڑا اوپر تھا اور دوسرا نیچے تو چچا نے بچپن کے لاشعوری لہجہ میں کہا کہ جی حضرت آپ کا ایک پائینچہ اوپر ہو رہا ہے اور ایک نیچے یہ سنتے ہی حضرتؒ خوب زور لگا کر ہنسے، اور قریب بلا کر اوّلاً چچا کے سر پر شفقتاً ہاتھ رکھا پھر اپنے دیہاتی لہجے میں فرمایا کہ بھائی ہمارے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ ہم اپنے کپڑوں کی سیٹنگ کرتے پھرے، اور مزاحاً فرمایا کہ ایسا کرو تم ہمارے ساتھ رہ لیا کرو اور ہمارے کپڑوں کی دیکھ بھال کرتے رہا کرو۔ یہ جہاں حضرتؒ کی سادگی کی ایک مثال ہے وہیں چھوٹوں کے ساتھ پیار محبت اور شفقت کا ایک اعلیٰ نمونہ بھی ہے، بزرگی شرافت اور وضع داری کی یہ مثالیں اب کہاں ملتی ہیں۔

بالآخر وہ وقت بھی آیا کہ حسن جمال کا پیکر، صاحب جود وکرم، وقار وتمکنت میں یگانہ روزگار، عقلی ونقلی علوم کا ماہر، ادب وتاریخ کا شہسوار، متواضع وبردبار، اور عظیم قائد ۲۷ / مارچ ۱۹۸۸ء کو دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گیا۔ یقیناً آپ کی رحلت ملک اور امت مسلمہ کیلئے ایک عظیم اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔

جب سے اس نے اس شہر کو چھوڑا ہر رستہ سنسان ہوا
اپنا کیا ہے سارے شہر کا اک جیسا نقصان ہوا

موت التقیّ حیاۃ لاانقطاع لھا
کم قوم مات وھم فی الناس احیاء

متحدہ پنجاب اور اسد الہند مجاہدِ آزادی

حضرت مولانا زاہد صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر جمعیۃ العلماء ضلع سہارنپور

بقلم۔ قاری محمد الیاس صاحب پاؤنٹی
سابق استاد دارالعلوم دیوبند و نائب صدر جمعیۃ علماء ہند
بانی و مہتمم المعہد البشیر پاؤنٹی ضلع یمنانگر ہریانہ

اور چرچے ہیں جس کی شوخیٔ گفتار کے
بے بہا موتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے

حضرت مولانا زاہد حسن رحمۃ اللہ علیہ بے پناہ صلاحیتوں سے بھرپور ذہن اور قائدانہ استعداد کے حامل تھے فراستِ ایمانی، لذتِ قرآنی، نور بصیرت، دینی عزیمت، اخلاقی حمیت اور راز دانِ شریعت وطریقت ہونے کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست میں بھی شہرت عامہ رکھتے تھے۔ حضرت والا رشتہ میں میرے خالو ہوتے تھے اسلئے بارہا بچپن سے انکی شفقت ومحبت سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا، حضرت والا نے ہی اپنی زیرِ شفقت میرا داخلہ جامع مظاہر العلوم سہارن پور میں کرایا تھا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ عنا۔ میں مظاہر میں ہی زیر تعلیم تھا کہ حافظ عبدالوہاب صاحب بوڑیویؒ ناظم دینی والا مدرسہ سہارنپور کی ایک پرچی مجھے ملی جسمیں یہ اندوہناک خبر تحریر تھی کہ اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ دیر تک اس ناگوار خبر کا یقین نہیں آیا کیونکہ یہ غیر متوقع خبر تھی، اس وقت وسائل کی فراوانی نہیں تھی، میں اسی کشمکش میں ابراہیمی کی جانب روانہ ہوگیا، دل بار بار یہ کہتا تھا کہ یہ خبر غلط ثابت ہوگی، ابھی پرسوں تو مولانا صحیح سالم تندرست تھے۔

چنانچہ سرساوہ پہنچنے پر اطراف واکناف سے آنے والے لوگوں کے قافلوں نے اس خبر کو یقین میں تبدیل کردیا، معلوم ہوا کہ حضرت مغفور صبح ایک دینی دعوتی سفر سے واپسی پر گھر جارہے تھے، کہ گھوڑی کے بدکنے کی وجہ سے سر کے بَل گر گئے جس سے سر میں گہری چوٹ لگنے کے سبب شہید ہوگئے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فَسِیْحَ جَنَّاتِكَ مَعَ الْاَنْبِیَاءِ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ۔

ابراہیمی پہنچ کر حضرت کا آخری دیدار کیا تو نورانی وخنداں چہرہ دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ جیسے مسکرا کر اپنے رب کے حضور ملنے والی کامیابی پر فرحت وانبساط کی خبر دے رہے ہوں۔

حضرت مولانا محمد شمیم صاحب آپ کے پابہ رکاب ہم سفر استاد دارالعلوم دیوبند اور راقم الحروف نے صاحب زادگانِ محترم کے ساتھ مل کر وتجہیز وتکفین کے امور کو انجام دیا، بعد نماز عصر آپ کے جانشیں منجھلے صاحبزادے حضرت مفتی محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کرکے آپ کے ذاتی باغ میں تدفین عمل میں لائی گئی۔ برداللہ مضجعہ۔

ذوقِ ستم جنوں کی حدوں سے گزر گیا
کم ظرف زندہ رہ گئے انسان مرگیا

حضرت اسد الہند مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آزادی سے قبل اور خاص طور پر آزادی کے بعد مغربی یوپی اور متحدہ پنجاب میں عظیم خدمات کے نقوش برابر تابندہ رہیں گے۔

۱۹۴۷ء کے بدترین فسادات میں حضرت مخدوم نے اپنی جان جوکھم میں ڈال کر

جو ہریانہ اور پنجاب کے باشندوں کی خدمات انجام دیں ہیں وہ ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ علی الصبح گھر سے اپنی بندوق لے کر نکل جاتے اور شام تک کبھی جمنا کے پُل اور کبھی دائیں بائیں دور تک گشت فرماتے رہتے تھے اور جو لوگ ہریانہ پنجاب سے بے سروسامانی کے عالم میں اُجڑ کر یوپی میں جارہے تھے حضرت ان کو محفوظ مقام تک پہنچانے اور ان کی خبر گیری کرنے کا مکمل فریضہ انجام دیتے تھے۔ آپ ملّی سماجی سیاسی قائد کے طور پر جو بھی کرسکتے تھے آپ نے ہر وہ جدّ وجہد کرکے مِلّت کی دست گیری فرمائی۔

ہنگامہ سرد ہوجانے کے بعد متحدہ پنجاب میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے جن جن افراد وشخصیات نے جدوجہد کی ہے، وہ تمام حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی میں ہی راہ ہموار کرسکے ہیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ہر حانہ پنجاب کی مساجد آباد کرنے کے لئے ائمہ کرام کو متعین فرمایا، نئے مدارس کا قیام اور پرانے مکاتب کو استحکام بخشنے کی بھرپور کوشش فرمائی، جو ہریانہ سے اپنے گھر بار چھوڑ کر یوپی میں اپنے رشتہ داروں کے یہاں پناہ لئے ہوئے تھے ان کو سمجھا بجھا کر واپس ان کے وطن میں لالاکر بسایا، حکومت سے یہ قانون پاس کرایا کہ جو لوگ پاکستان نہیں گئے ہیں اور جانا بھی نہیں چاہتے، اُن کو اُن کے گھر اور جائداد واپس کرائی جائے، چنانچہ چودھری عبدالرشید صاحب کھدری والوں کو بھی حضرت والا نے یوپی لودی پور سے لاکر بسایا اور شرنارتھیوں سے ان کا مکان خالی کراکر بذاتِ خود دیا تھا۔

مدرسہ بدر العلوم رائپور کو اپنا مرکز بناکر تحریک کی شکل میں نشاۃِ ثانیہ کی تحریک کو عملی طور پر استحکام بخشا، بوڑیہ والے مُلّا عبدالکریم صاحبؒ، اور چودھری افلاطون صاحب

گنولی، چودھری قمرالدین پاؤنٹی، حاجی صدیق صاحب سراواں کو ساتھ لیکر بستی بستی کا دورہ کیا اور کرایا، علاقہ والوں کی بوڑیہ خانقاہ کی طرف رہنمائی فرمائی مسجدوں میں ائمہ کا تقرر فرمایا، لدھیانہ اور مالیر کوٹلہ میں مولانا محمد قاسم صاحب شیرِ پنجاب کی تربیت فرما کر تبلیغ کے لئے مشن پر بھیجا اور ان کی مکمل پشت پناہی فرمائی، دہلی مرکز سے آنے والی تبلیغی جماعت کے لئے راہیں ہموار فرمائی رکاوٹوں کو علاقائی قانونی سطح پر حل کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی، حضرت مفتی عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ہریانہ پنجاب اور خاص طور پر گوجر بستیوں میں قیام کرنے اور دینی رہنمائی کی طرف متوجہ فرمایا، اس سلسلہ کی ایک سنہری کڑی نگلی کا مدرسہ ہدایت الاسلام بھی ہے جو آج الحمد للہ ایک تناور شجر کی شکل اختیار کر گیا اور بہت ہی عظیم الشان طریقے سے جاری ہے۔ اللھم زِد فزِد۔

المختصر یہ ہیکہ ؎

آج یہ جو چمن میں بہار آئی ہوئی ہے
یہ پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

مولانا زاہد حسن صاحب ابراہیمی سہارنپوریؒ:

ملک وملت کا ایک مخلص خادم

محمد عارف جیسلمیری
ناظم اصلاحِ معاشرہ لدھیانہ پنجاب
یکم مارچ ۲۰۲۱ء عیسوی

مغربی یوپی اور غیر منقسم ہندوستان کے ہریانہ پنجاب اور ہماچل پردیش کے باشندگان کو جن اکابر علماء نے اپنی خصوصی توجہات اور دعاؤں سے نوازا، ان میں ایک انتہائی اہم اور وقیع نام حضرت مولانا زاہد حسن صاحب ابراہیمی سہارنپوریؒ کا ہے، جنھیں اس دنیا سے رحلت فرمائے کم وبیش تینتیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

مولانا مرحوم پر قدرت شروع ہی سے مہربان رہی، انھوں سرساوہ کے براہیمی نامی موضع کے ایک ایسے خانوادے میں آنکھیں کھولیں، جس کی دینداری وخداترسی علاقے بھر میں معروف تھی۔ شعور کی منزل میں قدم رکھتے ہی انھیں علمِ دین کی تحصیل پر لگا دیا گیا، سہارنپور اور نانوتہ کے مدارس میں ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوے اور اس دور کے مشاہیر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مفتی اعظم ہندو پاک مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ، امام المعقولات والمنقولات حضرت مولانا ابراہیم بلیاویؒ اور شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ وغیرہ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیے۔ ذہانت وفطانت سے وافر حصہ پایا تھا اور صلاحیت کے ساتھ ساتھ صالحیت کی نعمت سے بھی سرفراز تھے، اس لیے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ کے دل میں آپ کی بڑی قدر تھی، مولانا

مرحوم جس گوجر برادری کے فرد تھے،اس برادری میں متعدد رسوم و رواج کا چلن عام تھا،اس دور کے اکابر علماء دیوبند اس حوالہ سے ابتدا ہی سے فکرمند تھے،مولانا زاہد صاحب کی شکل میں انھیں ایک ایسا شخص مل گیا تھا، جسے انھوں نے بجا طور پر اپنے خوابوں کی حسیں تعبیر گردانا اور ہر استاذ نے اس ہیرے کی تراش خراش میں اپنا بھرپور کردار عطا کیا اور آپ کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ تو ان کے شیخ ومرشد بھی تھے اور آپ کی تربیت کے طفیل مولانا مرحوم نے علمی ودینی اور سیاسی وسماجی اعتبار سے لائقِ رشک خدمات انجام دیں۔

اس بات کو مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی سعادت ونجابت اور عنداللہ وعندالناس ان کے اعمال و خدمات کی قبولیت پر ہی محمول کیا جائے گا کہ ان کے والدین و اساتذہ،رفقائے درس و تدریس اور متعلقین و واقفین ان سے مدت العمر خوش رہے،انھیں اللہ نے اعلی درجہ کی فراست سے نوازا تھا،کسی بھی چھوٹے بڑے دینی وعلمی یا سیاسی وسماجی نوعیت کے کام کے تمام تر پہلوؤں کو ذہن میں رکھ کر وہ اسے ایسے اچھوتے انداز میں انجام دیا کرتے تھے کہ ان کے اس طرزِ عمل سے سب کو اتفاق ہوتا تھا اور چوں کہ اس کام کا مبنیٰ اخلاص وللّٰہیت پر قائم ہوتا تھا،اس لیے اس کام کے بہت اچھے اور مثبت نتائج وفوائد برآمد ہوتے تھے۔

مولانا زاہد حسن صاحبؒ اور مولانا حشمت علی صاحبؒ سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ کے بارے میں یہ بات کافی مشہور ہے کہ یہ دونوں ہی حضرات علم وفضل کے اس مقامِ بلند پر فائز تھے کہ اگر انھوں نے محض تدریس ہی کے شغل تک اپنے کو محدود رکھا ہوتا،تو دارالعلوم دیوبند جیسے ادارے ان کی خدمات حاصل کرنے پر فخر محسوس کرتے،مگر ان دونوں ہی حضرات نے اپنے علاقے اور قوم کے وسیع تر مفاد میں مختلف

محاذوں پر سرگرم حصہ لیا اور صرف تدریس تک محدود رہنے کو اپنے لیے خلافِ مصلحت سمجھا۔یہ ان کی دوررس نگاہ اور ہمہ جہتی خدمات ہی کا نتیجہ ہے کہ آج یوپی،ہماچل اور پنجاب وہریانہ میں ان کا علمی ودینی فیضان کسی نہ کسی صورت جاری ہے۔

نگلی ہریانہ میں ملاجی عبدالکریم صاحب بوڑیویؒ اور مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے ہاتھوں ایک ادارے کا قیام عمل میں آیا نگلی کا نام علمی وروحانی حلقہ میں چنداں محتاجِ تعارف نہیں۔میں نے اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا ظریف احمد صاحب قاسمی ندوی بانی ومہتمم معہد الرشید الاسلامی جگادھری ہریانہ وحال مقیم دوحہ قطر سے یہ بات بارہا سنی ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کو اس علاقہ کے باشندگان سے خاص تعلق رہا ہے۔نگلی یہ ایک پہاڑی علاقہ ہے اور سطح زمین سے کافی اونچائی پر واقع ہے،یہاں کے باتوفیق لوگ حضرت رائے پوریؒ کو اونٹ پر سوار کر کے نگلی لے جایا کرتے تھے۔حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے حادثۂ وفات کے بعد یہاں کے لوگوں کا خانقاہ رائے پور اور حضرت مولانا کے علمی وروحانی جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے تعلق اور زیادہ بڑھ گیا تھا اور نگلی کے باشندگان کی دعوت پر مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ یہاں بار بار تشریف لائے۔

شیخ ومرشد حضرت مولانا ظریف احمد صاحب قاسمی ندوی دامت برکاتہم نے اس حقیر سے دورانِ گفتگو یہ بھی بتایا تھا کہ ۱۹۷۸ عیسوی میں جب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا پیامِ انسانیت کی نسبت پر ہریانہ اور پنجاب کا سفر ہوا تھا،تو نگلی میں بھی آپ کا بڑا اہم خطاب ہوا تھا اور ایک شب نگلی کے مدرسہ ہدایت الاسلام نگلی ۳۲ میں قیام بھی کیا تھا۔صبح مفکر اسلام نے مجھے طلب کیا اور دریافت فرمایا کہ بھئی مولانا ظریف

صاحب رات جس جگہ مجھے سلایا گیا، اس جگہ کبھی کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس سلسلے میں مدرسہ کے مہتمم ملا مہرالدین صاحب سے بات کی جانی چاہیے کہ وہ اس طرح کے بہت سے راز اپنے سینے میں محفوظ کیے ہوے ہیں، چناں چہ ملا مہرالدین صاحب نے مفکر اسلامؒ سے گفتگو کی اور بتایا کہ جس جگہ رات آپ نے آرام فرمایا تھا، پہلے اس جگہ ایک غسل خانہ تھا اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نگلی تشریف آوری کے موقع پر یہاں غسل فرمایا کرتے تھے۔ یہ سن کر مفکر اسلامؒ کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوے تھے کہ: ''بس اب پوری بات سمجھ میں آ گئی ہے، میں رات ہی سے محسوس کر رہا تھا کہ مجھے اپنی عبادات میں آخر اس قدر مزہ کیوں آ رہا ہے۔''

خانقاہ رائے پور سے تعلق و انتساب کی بنا پر اس علاقہ سے ہمارے اکابر علماء کو خاص تعلق رہا۔ مولانا زاہد حسن صاحبؒ اور حضرت ملاجی عبدالکریم صاحب بوڑیویؒ نے اس دور میں یمنا کے کنارے واقع دیہاتوں کا بار بار دورہ کیا اور نگلی جیسے پہاڑی علاقے بھی ان کے قدوم میمنت لزوم سے ہمیشہ شرف یاب رہے۔ یمنا کے کنارے واقع دیہاتوں میں اکثر ان دونوں بزرگوں کی ملاقاتیں ہوتی تھیں اور مدارس و مکاتب اور مساجد و معابد کے قیام اور اس علاقہ کے رسوم و رواج کے خاتمہ جیسے متعدد دینی و اصلاحی امور پر گھنٹوں مشاورت کا دور جاری رہتا تھا۔ واقفین کا بیان ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو ایک دوسرے سے بے پناہ محبت تھی اور دونوں بزرگ ایک دوسرے کے دل سے قدرداں تھے۔ نگلی ہریانہ کے ادارے کے قیام میں بھی ان دونوں بزرگوں کی مساعیِ جمیلہ کا اساسی و بنیادی دخل رہا۔ اس زمانہ میں موجودہ سفری وسائل کا تصور بھی نہ تھا، بس یہی گھوڑے اور اونٹ زیادہ تر لمبے سفر میں سواری کے طور پر استعمال ہوتے تھے اور کم مسافت کے اسفار سائیکل کے ذریعہ بھی طے کیے جاتے تھے۔ مولانا زاہد صاحبؒ نے

ملت اسلامیہ کی دینی و اصلاحی خدمت کی نسبت پر دور و قریب ہر طرح کے اسفار کیے اور ہر طرح کے مصائب سے گزر کر بھی ان کی زندگیاں ارید الا اصلاح ما استطعت و ما توفیقی الا باللہ اور لا نرید منکم جزاءً ولا شکورا جیسی آیات قرآنیہ کی مجسم مثال تھی۔ نگلی کے ادارے کے سنگِ بنیاد کے لیے ان دونوں بزرگوں نے اچھا خاصا طویل سفر سائیکل کے ذریعہ طے کیا تھا۔ ان کے قائم فرمودہ دیگر مدارس و مکاتب کی طرح نگلی کا یہ ادارہ بھی دینی فیض رسانی کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ مولانا زاہد حسن صاحبؒ کا ایک یادگار سفر

مولانا زاہد حسن صاحبؒ کا ایک بڑا وصف یہ تھا کہ وہ اپنے سے چھوٹے علماء کی صلاحیتوں سے امت کو فائدہ پہنچانے کی راہیں ہموار کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے اور معروف و بافیض اکابر علماء سے ملاقات و استفادہ کا کوئی اہم موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے جس سفرِ ہریانہ و پنجاب کا اوپر ذکر آیا، اس سفر کے موقع پر حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی دعوت پر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ مدرسہ بدرالعلوم گوجراں رائے پور حاضر ہوے۔ وہاں دیر تک دونوں بزرگوں کے مابین مختلف علمی و دینی اور ملکی و بین الاقوامی سطح کے مسائل پر تبادلہ خیال ہوا، مفکر اسلامؒ مولانا زاہد صاحبؒ کے مقام سے واقف تھے، شیخ الاسلامؒ جیسے استاذ سے تلمذ و بیعت، جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی وقیع ملی و سماجی خدمات، یوپی اور ہریانہ و پنجاب میں ان کی قیامِ مدارس و مکاتب سے متعلقہ مساعیِ جمیلہ؛ یہ ساری چیزیں مفکر اسلامؒ کے علم میں تھیں، اس

لیے مفکر اسلامؒ آپ سے بے حد خوش تھے۔تقسیمِ ہند و پاک کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ نے مفکر اسلامؒ سے مختلف مواقع پر فرمایا تھا کہ: میاں میرا باغ اجڑ گیا ہے، آپ میرے بعد اس علاقہ کا اور یہاں کے باشندگان کا ہر طرح خیال رکھنا۔مفکر اسلامؒ کو عمر بھر اس علاقہ میں اسلام اور مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کی فکر رہی، اپنی حد تک انھوں نے اس سلسلے میں اسباب ووسائل بھی فراہم فرمائے۔اور انھیں مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے اسی لیے خاص طور سے تعلق تھا کہ وہ اس اجڑے چمن کی آبیاری میں بھرپور حصہ ڈال رہے تھے۔مفکر اسلامؒ کو رائے پور سے سیدھے ملا جی عبدالکریم صاحبؒ کے ہاں بوڑیہ مدرسے تشریف لے جانا تھا، جہاں حضرت مفکر اسلام اور مفسر قرآن مولانا عبدالکریم صاحب پاریکھؒ کے خطابات کا پہلے سے اعلان تھا۔رائے پور سے بوڑیہ تک مولانا زاہد صاحبؒ حضرت مفکر اسلامؒ کے ساتھ شریکِ سفر رہے اور بوڑیہ کے اجلاس میں شرکت کے بعد یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے آگے کے اسفار پر روانہ ہوگئے۔مدرسہ بدرالعلوم گوجراں رائے پور کا انتظام وانصرام ان دنوں مولانا مرحوم کے صاحب زادے مفتی محمد طیب صاحبؒ سے متعلق تھا اور آپؒ کے دیگر جملہ صاحب زادگان بھی مدارس ہی میں درس وتدریس یا انتظام واہتمام کی خدمات انجام دے رہے ہیں، اس طرح آپؒ کا دینی وعلمی مشن بہ دستور جاری ہے اور ان شاء اللہ نسل درنسل جاری ہی رہے گا۔

خدائے کریم مولانا زاہد صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرمائے، پس ماندگان و متعلقین کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور ملت اسلامیہ ہندیہ کو ان کے نعم البدل سے نوازے۔

انہوں نے اس خطہ میں جگہ جگہ دینی مکاتب و مدارس کے قیام اور ان کی نگرانی و سرپرستی فرما کر نئی نسل کی دینی بقاء وارتقاء کیلئے ایک بنیادی فریضہ انجام دیا، وہ تاحیات

اس مبارک مشن میں لگے رہے۔

ان کا ایک بڑا نمایاں کام جامع مسجد سہارنپور میں شرعی پنچایت قائم کرکے اس میں مسلمانوں کے خاندانی مسائل کو باہمی گفتگو و رضامندی کے ساتھ شریعت کے مطابق فیصل کرانے اور مسلمانوں کو اس کیلئے آمادہ کرنا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ کام کسی متفق علیہ اور اثر ورسوخ رکھنے والی شخصیت کے ذریعہ ہی انجام دیا جاسکتا ہے جس کا اخلاص و ہمدردی اور غیر جانبداری مسلم ہو اس کے بغیر اس طرح کے غیر سرکاری ادارے مفید ومقبول نہیں ہوسکتے۔

مولانا نے اپنی عمر کے آخری تیس سالوں میں ایک مصلح کی حیثیت سے قیام مدارس اصلاح رسوم و بدعات اور اصلاح ذات البین کا فریضہ بڑی خوبی اور کامیابی کے ساتھ انجام دیا، زندگی میں بہت سے لوگوں کی دعائیں لیں اور اپنے لئے صدقۂ جاریہ کے ساتھ نئی نسل کیلئے ایک عمدہ نظیر چھوڑ گئے۔

ذرا دریا کی تہہ تک تو پہنچ جانے کی ہمت کر
تو پھر اے ڈوبنے والے کنارا ہی کنارا ہے

عاشق قوم وملت شیخ زماں حضرت اقدس مولانا زاہد حسن صاحب قدس اللہ سرہٗ

از: مطلوب حسن عفی عنہٗ بھوروی
ناظم دارالعلوم مسیحیہ موضع پاؤنٹی کلاں
نزد جھنجھانہ ضلع شاملی

کہاں میں اورکہاں یہ نکہت گل
آسماں تیری لحد پر ذو افشانی کرے

حضرت مولانا زاہد حسن صاحب بن چودھری محمد اسماعیل صاحب بن قلندر بخش بن محمد علی بن کریم الدین صاحب۔

آپ نے ۷۴ رسال تک علمی وعملی درسی وتربیتی قوم کی نمایاں خدمات انجام دیں آپ ایک وقت میں اعلیٰ مربی مدارس کے قیام کرنے والے خانقاہی نظام کو چلانے والے اورقوم کے فسادات اورخامیاں اور برائیوں کے دورکرنے والے تھے۔

آپ نے گوجر برادری اور بالخصوص برادرانِ قوم اورقوم مسلم کیلئے بالعموم اپنی جان وقف کردی تھی، آپ فراغت کے فوراً بعد دارالعلوم دیو بند ملنے کیلئے تشریف لے گئے حضرت ناظم تعلیمات دارالعلوم دیو بند نے فرمایا مولانا زاہد حسن صاحب دارالعلوم کیلئے آپ جیسے اور بالخصوص آپ کیلئے مدرسی کی جگہ ہے۔آپ دارالعلوم دیو بند میں درسی خدمات انجام دیں حضرت مولانا زاہد حسنؒ نے فرمایا کہ حضرت میری برادری قومِ گوجر یتیم اورلاوارث ھے، اُن کے لئے کوشاں ہوں کہ ان کی تعلیم کا نظم اور بندوبست کروں، حضرت ناظم تعلیمات دارالعلوم دیو بند نے فرمایا کہ یہ تو بڑا نیک جذبہ ہے آپ قوم کی ہی خدمت کریں،مولانا زاہد حسنؒ نے ۷۴ رسال قوم پرقربان کردیئے،تیتر واڑہ کے ایک

مولانا ہیں ان کا نام عمر دین ہے وہ مفتاح العلوم سے فراغت حاصل کرکے اپنے گھر چلے گئے وہ مولانا مذکور کہتے ہیں کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ایک مولانا مفتاح العلوم جلال آباد سے فراغت پا کر گھر گئے ہیں تو حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کیرانہ اپنی رشتہ داری میں تشریف لے گئے فجر کی اذان ہوتے ہی اپنے میزبان سے فرما کر پیدل تیتر واڑہ تشریف لائے اورمولانا کے ابّا سے مل کر دارالعلوم میں بھیج کر دارالعلوم کی نسبت کرائی،مولانا عمر دین صاحب کچھ دنوں کے بعد گڑھی جلال پور مدرسہ میں ملازم ہو گئے حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے سہارنپور مل کر گڑھی جلال پور کیلئے تاریخ لے لی،حضرت موصوف مقررہ وقت پر عشاء کے وقت کھر گائن تشریف لائے،اور ادھر سے مولانا عمر دین صاحب لینے کیلئے کھر گائن آگئے،بوگی جھوٹے میں بٹھا کر لیکر چل دیئے،دریائے جمن کے بیچ میں جا کر راستے سے بوگی جھوٹے سمیت بھٹک گئے،جب بوگی ڈوبنے لگی مولانا نیچے اتر کر ڈاڑھی تک پانی لگتے ہوئے جمنا پار ہو گئے راستے میں بخار بھی ہو گیا پھر بھی وعدے کے مطابق رانہ مزرعہ میں جا کر نماز فجر کے بعد بیان فرمایا مدرسہ کے لئے چندہ کیا آخر وقت تک گڑھی جلال پور، پاؤٹی کلاں، گوگوان،کھر گائن، کھیڑی سنہیٹی وغیرہ سیکڑوں مدارس قائم کئے،مدارس کا ایک جال بچھا دیا، برادری کے اندر سیکڑوں پنچایت کر کر کے برادری کے اندر سے رسومات بیاہ،شادی، دسواں، تیجا، چالیسواں، پیر پرستی،ختنہ،ٹکا،تنگری بند وغیرہ کی رسومات کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا پیدل اسفار کرنا ایک معمول سا بن گیا تھا، جمعیۃ علماء کو اپنی جدو جہد اور مخلص خدمات کے ذریعہ بام عروج پر پہنچایا، سیاسی میدان میں اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل فرما کر ایم، ایل، اے بنے، ریلوے لائن کے منسٹر رہے،ان سب اُمور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ معمولات ووظائف اور تہجد تسبیحات کے پابند سفر وحضر میں برابر رہے،اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز،

خانقاہ مدنی کے ناظم اعلیٰ اور اصلاحی معاشرہ کے صدر اور شرعی پنچایت کے صدر، طلاق اور لڑائی جھگڑوں کے چکانے والے من اعتبارات کل اعلیٰ درجہ پر فائز المرام رہے۔

تقریباً ۴۴؍سال جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے تاریخ ساز خدمات انجام دیں، شرعی پنچایت کے صدارت کے دور میں ۳۰؍سال مسلمانوں اور مظلوموں کیلئے فلاح وکامیابی کیلئے راہِ راست پر آنے کیلئے تن من دھن کی بازی لگائی۔ مکاتب اور مدارس کا قائم کرنا تو گویا گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔

دارالعلوم مسیحیہ پاؤٹی کلاں نشاطِ اولیٰ میں اور نشاطِ ثانیہ میں جان کی بازی لگا کر مدرسہ کو بچایا اور آخر تک سرپرستی فرماتے رہے، پسماندگان کیلئے علم وہنر کا گہوارہ بنا کر ڈگر پر ڈال گئے۔ آخر کار جیتے جاگتے چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے مدرسہ، مسجد وخانقاہ پنچایت گھر سب کچھ تھے وعظ ونصائح کا گہوارہ تھے۔

ذاتِ باری تعالیٰ حضرتؒ کو اعلیٰ علیین میں مقام نصیب فرمائیں، کروٹ در کروٹ سکون نصیب فرمائیں۔ آمین

حضرت مولانا زاہد حسنؒ اور والد محترمؒ

محمد سلطان اسعدیؔ

خادم مدرسہ مدنیہ موضع ابراہیمی ضلع سہارنپور، یوپی

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی ولادت باسعادت 1918ء میں ایک زمین دار اور معزز گھرانے میں ہوئی۔ صوبہ یوپی کے علمی وتاریخی شہر سہارنپور کے موضع ابراہیمی کو آپ کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جس خانوادے میں آپ نے ہوش وخرد کی آنکھیں کھولیں وہ دیندار خانوادا تھا جس کا اندازہ آپ کا جدی سلسلۂ نسب دیکھنے سے ہوتا ہے۔ ابتدائی تعلیم کے لیے جب ماں کی گود سے آگے بڑھتے ہیں تو اپنے وقت کے مشہور عالم، امام وخطیب اور مربی جناب حضرت مولانا سید محمد شیر شاہ ہزارُہؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہیں جو اس وقت قصبہ سرساوا ضلع سہارنپور کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تشنگانِ علومِ نبوت کی توجہ کا مرکز ومنبع بنے ہوئے تھے۔

اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے بعد ازاں ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کے لیے رخت سفر باندھا اور 1941ء میں امتیازی نمبرات کے ساتھ سند فراغت حاصل کی، قیام دارالعلوم دیوبند کے دوران ہی اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے وقت کے پیرومرشد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے سلسلۂ طریقت قائم کیا تاکہ باطن کو معرفت حق کا خوگر بنایا جاسکے اور زندگی کے تمام ہی اقوال وافعال اور اعمال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع آجائے۔ اس سلسلہ کو اور آگے بڑھاتے ہوئے بعد ازاں آپ نے قطب عالم حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے خلافت حاصل کی، اس لیے کہ تصوف وطریقت اسلام کی

عملی تطبیق اور روحانی تشنگی کا ایک مؤثر ذریعہ ہے جس کا سرا قرنِ اولیٰ سے جاملتا ہے۔

حضرت مولانا زاہد حسنؒ کے علمی انہماک نے یہ بات قلب میں راسخ کردی تھی کہ ہوائے نفس سے بچنے کے لیے تقویٰ کی لگام کا ہونا ضروری ہے تبھی شہوات نفسانیہ سے دور ہوا جاسکتا ہے اور نفس کو خیرات وحسنات کا پابند بنایا جاسکتا ہے جس سے فلاح وکامیابی مقدر ہو جس کامیابی وکامرانی کی بشارت قرآن کریم نے یہ کہہ کردی ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (الشمس:۹)

ترجمہ: تحقیق کہ کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے نفس کو سنوار لیا ہے

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے علوم ظاہرہ حاصل کرنے کے بعد اور تزکیۂ نفس میں کمال حاصل کرنے کے بعد جب درس وتدریس کا سلسلہ قصبہ چلکانہ کے موضع دجھیڑہ سے شروع کیا تو اس انداز سے طلبہ کی تربیت شروع کی کہ وہ درکف جامِ شریعت ودرکف سندان عشق کی مثال پیش کرنے لگے اسی وقت میرے والد محترم (حضرت مولانا مفتی محمد قربان اسعدیؒ) نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ رکھا اور تاعمر اس شاگردی کا لحاظ رکھا اگرچہ بعد میں عمر میں ایک بڑا تفاوت ہونے کے بعد بے تکلفی ہوگئی تھی مگر والد صاحبؒ کے یہاں فرق مراتب کا جو خیال رکھا جاتا تھا وہ مثالی تھا جس کو آپؒ نے تاعمر اپنا اصول زندگی بنائے رکھا اور ہم کو بھی ہمیشہ اس کی تاکید کی۔

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ سے میرے والد محترم کا تعلق کئی اعتبار سے بہت مضبوط اور گہرا تھا اوّلاً دونوں حضرات کا تعلق ایک ہی قریہ سے تھا اس کے بعد جہاں بسم اللہ حضرت مولانا زاہد حسنؒ کی سرساوہ کی جامع مسجد میں ہوئی وہیں میرے والد محترم نے بھی پڑھا اور انتہاء جیسے آپؒ کی ازھر ہند دارالعلوم دیوبند میں ہوئی ویسے ہی والد محترم نے اس جگہ سے اپنی علمی پیاس بجھائی اور جس طرح قومی وملی

خدمت کے لیے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم کو مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے اختیار کیا تھا اسی طرح والد محترم کی فعال شخصیت نے اوّلاً جمعیۃ کے رکن کی حیثیت سے کام کیا اور تقریباً بیس سال تک جنوبی ہند کی مشہور ریاست کرناٹک کی جمعیۃ کے صدر کی حیثیت سے قومی وملی خدمات انجام دیں اور ایک عرصہ تک فدائے ملت کے ساتھ اور آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید ارشد مدنی کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ میں شریک رہے اور جس طرح آپؒ کے پیرومرشد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تھے اسی طرح ابّاجی (یہ لفظ میرے لیے فرطِ جذبات کا ترجمان ہے کیونکہ میں والد مرحوم کو ہمیشہ اسی لفظ سے پکارتا ہوں) کے شیخ طریقت مرشد ومربی فدائے ملت حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ تھے جن سے اللہ کے لیے عشق ومحبت اس قدر ہوگئی تھی کہ آپ اپنے نام کے ساتھ ''اسعدی'' لگانے لگے جس پر آپؒ کے بعد آپ کے اخلاف بھی عمل پیرا ہیں اور جیسے مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے درس وتدریس اور تبلیغ اسلام کے لیے مغربی اتر پردیش کے ریگزاروں کو چنا ویسے ہی والد محترم نے جنوبی ہندوستان کے ریگزار علاقہ صوبہ کرناٹک کے ضلع ٹمکور کو اپنے لیے منتخب کیا جہاں تشنگانِ علوم کے لیے ایک ایسا شجر طوبیٰ لگایا جس کے چھاؤں میں اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے ہندوستان کے مختلف خطوں سے طلبہ آکر اس چشمہ جاری سے فیض حاصل کرنا باعث شرف وافتخار سمجھتے رہیں گے انشاء اللہ۔ آج اس شجر طیب کو تناور اور ثمر دار بنانے میں آپؒ کے فرزندان دن رات کوشاں اور سرگرم عمل ہیں جس کی آبیاری والد محترم اور مخلص سرپرست وشیخ نے اپنی حیات میں کی تھی۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی مناسبتیں والد محترم مرحوم ومغفورؒ کی حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کے ساتھ ہیں اور سب سے بڑھ کر میرے والد محترم کو ان کا

شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے، میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت ان حضرات کوعلیّین میں بھی مقاربت نصیب فرمائے۔[آمین]

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی شخصیت تقویٰ، خشیت الٰہی، عاجزی وخاکساری، خلوص ومحبت، ایثار وقربانی، ہمدردی وغم گساری اورقدردانی علم سے عبارت ہے اور والدمحترم نے اپنے شفیق استاذ کے یہ تمام اوصاف دیکھ کر اپنی زندگی کوان کا کامل نمونہ بنایا کیونکہ اب کے دور کے ایک استاذ کے کثیر تلامذہ میں سے معدودے چند ہی اپنے کو استاذ کی فکر کاعکس بنانے کی کوشش کر پاتے ہیں مگر والدمحترم نے ہمیشہ ہی یہ کوشش کی کہ جن اساتذہ سے بھی کسب فیض کیا اپنے کواس آئینہ میں اتارنے کی پوری جدوجہد کی اوراس میں کامیاب بھی رہے۔ انسانیت نوازی، کفایت شعاری، بشر دوستی اوراپنے طلبہ کے ساتھ مشفقانہ رویہ استاذ مرحوم کا امتیازی وصف تھا والدمحترم نے تاحیات ان اوصاف کواپنا اصول زندگی بنائے رکھا جس کی امثلہ ''عکس قربان'' میں پڑھی جاسکتی ہیں۔

بندہ ناچیز دعا گو ہے کہ ان دونوں نابغۂ روزگار شخصیات نے جو دینی خدمات انجام دی ہیں اللہ رب العزت ان حضرات کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اوران کے اخلاف میں وہی اخلاص ودل سوزی کی توفیق بخشے کہ جس سے صدقۂ جاریہ کی شکل میں ان حضرات کی قبر پرانوارات کی بارش کا نزول ہوتا رہے۔ آمین

حیاتِ زاہدؒ | گیارہواں باب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ ایک عظیم رہنما

ازقلم۔ خادم حاجی شمشاد جنگ صاحب کاندھلوی
مقیم حال چھٹمل پور سہارنپور یوپی

حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یوں تو میں اپنی شادی سے پہلے سے ہی جانتا تھا اسکی وجہ یہ تھی کہ میری ننھال موضع خانپور گنگوہ میں تھی اور حضرت کا آنا جانا اکثر مدرسہ احمد العلوم خانپور میں ہوتا رہتا تھا میں بھی ابتدائی تعلیم کی وجہ سے والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد اپنے ماموں کے یہاں رہتا تھا اس وقت ہمارے استاد قاری خدابخش صاحب بوڑیاوی ہوا کرتے تھے۔ اس مدرسہ کی بنیاد بھی ہمارے والدمحترم حاجی فہیم الدین اور گاؤں کے کچھ معزز حضرات اور ملاجی گنگوہ والوں کی درخواست پر حضرت مولانا احمد الدین صاحبؒ گجراتی خلیفہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے مسجد کے برابر والی زمین پر (چوپال کی تھی) رکھی گئی تھی۔

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کو تعلیم اور مدارس سے بہت محبت تھی اوراس وقت تک گوجر برادری میں مدارس نہ ہونے کے برابر تھے اس لئے حضرت نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے اسفار ضلع سہارنپور وضلع مظفرنگر میں مدارس ومکاتب قائم کرنے کے لئے کرائے۔ ان حضرات کو بلا کر لوگوں میں دین اورعلم کو پھیلانے کے لئے بارہا بیانات کرائے

شخصیت وتعارف

حضرت مولانا کی شخصیت جاذب نظر تھی آپ کا چہرہ خوبصورت، رنگ سرخی مائل

گندمی، ناک سُتوا لمبا تھا، آنکھیں درمیانی خوبصورت اور چمک دار، قد درمیانہ تقریباً ۵.۵ فٹ، سینہ چوڑا، بازو لمبے، پیٹ پتلا، چال مستانی، نہ تیز نہ ہلکی چہرے پر مسکراہٹ حالانکہ جلال اور غصہ بھی کبھی کبھی آتا تھا مگر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، قوتِ ضبط بہت تھا شعروشاعری بہت یاد تھی برمحل پڑھ دیا کرتے تھے، مزاج میں جوڑ، اور تعلق بنانے کا مادّہ بہت تھا ایک بار ملاقات ہونے کے بعد مشکل سے ہی کسی کا نام بھول پاتے تھے، ۲۳رمئی ۱۹۶۳ء میں میری شادی حضرت مولانا کی بڑی بیٹی عارفہ بیگم کے ساتھ ہوئی تھی جو اپنے سات بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہے (۱) عارفہ بیگم (۲) مولانا محمد عارف صاحب (۳) مفتی محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۴) مولانا محمد اشفاق (۵) صوفی محمد ساجد (۶) تبسم جہاں (۷) مفتی محمد اسجد صاحب ہیں

اس خاندان سے رشتہ جوڑنے کے بعد بھی میرا طرزِ زندگی بالکل جدا رہا یعنی کہ میں ڈاڑھی نہیں رکھتا تھا سوٹ بوٹ پہنتا تھا، کیونکہ میں اسکول اور کالج کی تعلیم حاصل کرتا تھا، مگر اسکے باوجود نماز و روزہ کا بھی پابند تھا، اور کبھی کبھار تبلیغی جماعت میں بھی وقت لگاتا رہتا تھا، انٹر تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد بی اے میں پڑھنے کے دوران ایک روز خدا نے یہ بات دل میں ڈالی کہ کچھ قرآن شریف بھی پڑھنا چاہئے، چوتھی جماعت تک اسکول میں اردو بھی پڑھی، اور ایک بنگالی مولوی صاحب سے ایک چوتھائی پارہ بھی حفظ کرالیا تھا اس کا فائدہ یہ ہوا کہ پڑھتے پڑھتے پورا قرآن شریف مکمل کرلیا، الحمدللہ، یقیناً یہ سب بزرگوں کی صحبت اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد سے ہی آپ نے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے زیرِ سایہ آزادی کی تحریک میں اپنی جوانی میں ہی حصہ لینا شروع کردیا تھا جس کے نتیجہ میں آپ نے اترّ پردیش اسمبلی کا چناؤ مسلم لیگ کے ایک بڑے ذمہ دار کے مقابلہ

۱۹۴۶ء میں لڑا اور کامیاب ہوئے یہ وقت بھارت کی آزادی سے پہلے کا تھا ۱۵راگست ۱۹۴۷ء میں بھارت انگریزوں سے آزاد ہوا، مگر یہ وقت بھارت کی آزادی کی خوشی کے باوجود پُرآشوب تھا، آبادی کی منتقلی قتل وغارت گری، اور لُٹے پِٹے لوگوں کا پاکستان سے یہاں آنا، اور یہاں کے لوگوں کا پاکستان جانا رونگٹے کھڑے کردینے والا وقت تھا، اور مزید سونے پر سہاگہ یہ کہ ضلع سہارنپور وہ مورچہ تھا جو پنجاب پردیش اور اترّ پردیش کا بورڈر تھا، جس وجہ سے حضرت مولانا رات دن اس فکر میں رہتے تھے کہ کہیں کوئی نامناسب حالات نہ پیدا ہوجائیں۔ آپ کے پاس صرف ایک (ویب لیس کوٹ) روالور ایک بندوق اور ایک رائیفل حفاظت کی غرض سے تھی، رات کو پہرہ دینا اور دن میں لوگوں کو یہ سمجھانا کہ امن کے ساتھ اپنے ملک اور گھروں میں ہی رہنا ہے، اس وقت حضرت مولانا نے بغیر کسی امتیاز کے لوگوں کی بہت مدد کی، امن قائم ہونے کے بعد حضرت نے یمنا ندی کے دونوں طرف اس وقت کے پنجاب جواب ہریانہ کہلاتا ہے اور یوپی میں ضلع سہارنپور ومظفرنگر کے پورے دیہات میں ہر طرح کی امداد کے لئے بہت بھاگ دوڑ کی تھی، جسکی ایک مثال چودھری رشید کھدری والوں کی ہے چودھری ابوالحسن کے قتل کے بعد انکی گاؤں کی حویلی پر پاکستان سے آئے مہاجروں نے قبضہ کرلیا تھا، اس کو بڑی جدجہد کے بعد قانون کے دائرہ میں خالی کرا کرانکے ورثاء کے سپرد کرایا چودھری صاحب کے پاس جنگل اور کاشتکاری کے لئے بہت بڑی جائداد تھی۔ ملک کی آزادی سے پہلے اور بعد کا وقت بہت ہی آزمائشوں کا دور تھا، جس میں آپ ثابت قدم رہے اور اس وقت کی اپنی چھ سالہ سیاسی زندگی جو آزمائشوں سے بھری ہوئی تھی، بردباری اور تدبّر کے ساتھ پوری کرکے ۱۹۵۲ء میں سیاسی زندگی سے توبہ کرکے مستقل مزاجی کے ساتھ خانقاہی اور دینی تعلیم کی طرف اپنی توجہ کو مرکوز کردیا؛ مگر جمعیۃ علماء ہند ضلع سہارنپور کے تا

حیات صدر رہے، اور ضلع کی تین خانقاہوں رائپور، دیوبند، اور سہارنپور سے وابستہ رہے ہر جمعہ کو جامع مسجد سہارنپور میں ہی نماز جمعہ ادا کرتے تھے اور بعد نماز جمعہ شرعی پنچایت کے مسائل کو حل فرماتے تھے۔ میں اور آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد عارف صاحب اکثر جب بھی سیاست کی طرف دوبارہ راغب کرنے کی کوشش کرتے تو ہمیشہ اس سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے آپ کو پسند کرنے والوں میں بہت سے غیر مسلم صاحبان بھی تھے جن میں سرِ فہرست اجیت پرساد جین صاحب تھے جو پنڈت نہرو کے بہت نزدیکی تھے مرکزی وزیر اور گورنر رہ چکے تھے، سرساوہ کے چیرمین ڈاکٹر امر چند جین ٹھیکیدار صاحب، ہرنام سنگھ سہارنپور کے ایک مشہور وکیل، پریم چند گویل صاحب، چودھری یشپال سنگھ سابق وزیر اتر پردیش وغیرہ، حضرت مولانا سے بہت متأثر تھے۔
حضرت مولانا ہمیشہ سیاسی طور سے کانگریسی ہی رہے کبھی کسی عہدہ وغیرہ کی خواہش نہیں رکھی ایک بار ۱۹۷۲ء میں اسمبلی کے چناؤ ہونے والے تھے کچھ ہمدرد لوگوں نے زبردستی کرکے مولانا سے دستخط کرا کر ٹکٹ کی درخواست دلوادی اسی سال آپ کی حج کی بھی تیاری ہوگئی میں اور مولانا محمد عارف صاحب آپ کو رخصت کرنے کے لئے دہلی گئے مگر آپ نے ہم سے ایک بار ٹکٹ کی پیروی کرنے کے لئے نہیں کہا اور ہمیں پرانی دہلی ریلوے اسٹیشن سے ہی گھر کے لئے واپس کر دیا ہمیں بہت مایوسی ہوئی اور افسوس بھی کہ ہمیں کوئی گائڈ لائن نہیں دی گھر واپس آنے کے بعد ہمیں ایک شرارت سوجھی کہ ہمیں لکھنؤ جانا چاہئے اسلئے ہم دونوں لکھنؤ پہونچ گئے وہاں جاکر ہم جناب محمود علی خان صاحب کیلاشپور والوں کی کوٹھی پر پہنچ گئے اور ان کے ساتھ ٹکٹ کے بارے میں بات کی مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ مولوی صاحب کو کہیں سے ٹکٹ نہیں مل سکتا انہوں نے کہا کہ سرساوہ سے میں دعوے دار ہوں اور گنگوہ سے بہوگنا جی نے قاضی رشید مسعود کا ٹکٹ

فائنل کر دیا، اب ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہم کسی اور کے پاس جاسکیں، وہاں سے ہم کانگریس کے دفتر پر پہونچے وہاں پر ہماری ملاقات شری اجیت پرساد جین صاحب سے ہوئی انہوں نے ہمیں ایک کوٹھی کا پتہ بتایا ۲ ربجے کا وقت دیا ہم وقت پر اس جگہ پہونچے، اطلاع پر اندر بلالیا، اپنا تعارف کرایا اور مدّعیٰ بیان کیا یہاں جاکر ہمیں ایک ایسی سچی بات کا پتہ چلا کہ حضرت مولانا صاحب کے بارے میں جین صاحب کو کتنا اعتماد تھا جب میں نے کہا کہ مولانا صاحب نے ہم سے کہا تھا کہ جین صاحب کے پاس جاکر میرے ٹکٹ کے بارے میں ان سے بات کرنا تو یہ سنتے ہی انکو بہت غصہ آیا کہ وہ لیٹے ہوئے بیٹھ گئے اور ہم سے کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو اور تین بار ایک بات دوہرائی کہ، مولوی صاحب اور ٹکٹ، مولوی صاحب اور ٹکٹ، مولوی صاحب اور ٹکٹ، اور کہا کہ اگر مولوی صاحب کو ٹکٹ کی ضرورت ہوتی تو وہ مجھ سے کہتے کہ میرا ٹکٹ کرایئے میں نے ان سے کتنی ہی بار کہا کہ میرے کان میں کہہ دینا اور اپنے گھر بیٹھ جانا ٹکٹ گھر آجائے گا، جاؤ بچّو کیوں ٹھٹھرتے پھر رہے ہو گھر جاؤ، تب ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، پھر ہم دونوں وہاں سے نکل کر واپس سہارنپور آگئے، یہ تھا مولانا کی زندگی کا ایک پہلو کہ ان کے تعلق کے لوگ انکی سچائی پر کتنا یقین رکھتے تھے۔

سیاست میں دوبارہ شامل ہونا

میں نے خواب میں دیکھا کہ کچھ لوگ مولانا کی تلاش میں انہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں مگر ان کو نہیں ملے آخر کار وہ تلاش کرتے ہوئے دیوبند پہونچ گئے اور وہ لوگ ان کو لیکر بس اسٹینڈ کی طرف چل دئے کسی گلی میں ان کے سامنے ایک سیاہ فام بہت بڑا ہاتھی (میں نے اتنا بڑا اور کالا ہاتھی نہیں دیکھا تھا) دیکھا وہ لوگ اصرار کرنے لگے کہ اس

پر بیٹھ جاؤ، لیکن حضرت مولانا صاحب نے ان کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا اور دونوں ہاتھ اس کی طرف کر کے کہا اس کو میرے سامنے سے لیجاؤ میں اس پر نہیں بیٹھوں گا (یہ محض ایک خواب تھا) مگر بعد میں ۱۹۷۷ء کے چناؤ کا اعلان ہو گیا مولانا کا نام بھی پارٹی کی طرف سے پارلیمینٹ کے لئے پیش کر دیا گیا انہوں نے حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ چناؤ لڑیں مگر حضرت مدنی صاحبؒ نے کہا نہیں آپ لڑیں، مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے کہا کہ اگر آپ کا حکم ہے تو میں قوم وملت کی عزت کے لئے اس ذلّت کو اٹھانے کے لئے تیّار ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ ایمرجنسی کی وجہ سے کانگریس پارٹی کی حالت اس وقت بہت خراب تھی ہمارے علمائے دین نے ملک کی آزادی کے لئے اور ملک کی ایکتا کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی اور کبھی اپنے لئے کچھ نہیں مانگا مگر افسوس کچھ نادان دوست اپنے لوگوں کو غدّارِ وطن کہتے ہیں۔

۱۹۸۰ء کے چناؤ میں بھی مولانا نے چناؤ لڑا اور ناکام رہے کچھ پارٹی کے لوگوں اور بعض اپنے لوگوں نے ہی ہروانے کا کام کیا مگر مولانا اپنی صداقت پر قائم رہے اور پارٹی کے فنڈ کا جو روپیہ باقی بچا تھا جو اس وقت تقریباً پندرہ یا بیس ہزار کے قریب تھا وہ بھی چودھری یشپال سنگھ کے پاس لے جا کر واپس کر دیا تھا۔

سلام یا ہدایت

پھٹملپور میں رہتے ہوئے میں اکثر حافظ عبدالستار صاحب سے ملاقات کرنے نانکے جایا کرتا تھا میں نے ایک دو بار حضرت حافظ صاحب کی کچھ کرامات دیکھی مجھے کچھ تعجب ہوا ایک روز میں ابراہیمی گاؤں گیا ہوا تھا میں نے اس بات کا تذکرہ حضرت مولانا صاحبؒ کے سامنے کیا اس وقت تو سن کر انہوں نے کچھ نہیں کہا، مگر دوسرے روز صبح جب

میں رخصتی سے پہلے حضرت سے چلنے کی اجازت لینے کے لئے گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ حافظ صاحب کو میرا اسلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ کچھ چھپا کر بھی رکھا کرتے ہیں، ایسی کمزور بیعت اچھی نہیں ہوتی، میں نے وہی بات حافظ صاحب کو بتا دی اس پر وہ مسکرا دئے اور کہا وہ میرے پیر بھائی ہیں بڑوں کی بات بڑی ہوتی ہے۔

میں جب کبھی حضرت کے سامنے دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کا ذکر کرتا تھا تو حضرت مولاناؒ کھلے دل سے اس کی حمایت کیا کرتے تھے اور دنیاوی تعلیم کو بھی ضروری سمجھتے تھے، لیکن جو جس فن کا ماہر ہوتا ہے وہ اسی پر اچھی محنت کر کے کامیاب ہو سکتا ہے۔

آج کے دور میں سبھی بزرگانِ دین مدارس کے ساتھ ساتھ اسکول اور کالج کی طرف بھی توجہ دینے لگے ہیں، مگر افسوس اس بات پر ہے کہ ہمارے بڑے امیر گھرانوں نے اونچی تعلیم حاصل کر کے بڑے سرکاری عہدوں پر بیٹھ کر کبھی بھی قوم کے بچوں کی تعلیم کے لئے کوئی بڑا کام نہیں کیا، اسکے برعکس علماء دین کو ہی تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

اب آنے والی نسلوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے بزرگانِ دین اور قائدین کے ادھورے رہ گئے کاموں کو آگے بڑھانے کا کام کریں ان شاء اللہ کامیابی ملے گی۔ آمین

بڑے سادہ مزاج تھے میرے محسن

تأثرات حضرت مولانا خورشید صاحب مفتاحی

نائب صدر جمعیۃ العلماء ضلع شاملی (یوپی)

مکرمی ومحترمی حضرت مفتی عبدالخالق صاحب قاسمی سلمہ آپ نے اکابرین کی سرپرستی میں جو بیڑا اٹھایا ہے بہت مبارک اور اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے آسان فرمائے۔ اگرچہ یہ کام بہت پہلے پہلوں کو کرنا چاہئے تھا۔ حضرت مولانا زاہد حسنؒ کی خصوصیات وخدمات کوسمیٹنا اوراس کا احاطہ کرنا ناممکن سا ہے۔ قوم وملت کی بقاء کے لئے جو وہ کر گئے ہم جیسے نااہل ہزار اشخاص بھی مل کرنہیں کرسکتے۔ آپ کی ہرایک بات قابلِ عبرت اور قابلِ عمل تھی۔ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود بڑے سادہ مزاج، ملنسار اور متواضع انسان تھے۔ آپ چھوٹے بڑے اور بوڑھے جوان سے بے تکلفانہ کلام کرتے تھے۔ اکابرین امت کے بڑے معتمد ہونے اور سیاسی اعتبار سے ایم، ایل، اے، ہونے کے باوجود کوئی نازونخرہ اور کسی طرح کا بڑپن قریب بھی نہیں بھٹکتا تھا۔ آپ سیکڑوں مدارس ومکاتب کے بانی اور سرپرست تھے۔ جب کوئی صاحب مدرسہ کے جلسہ یا امتحان کے لئے درخواست کرتا تو اس کو فوراً قبول فرما لیتے تھے۔ وعدہ کر لینے کے بعد نہ دوبارہ کسی اطلاع کی امید کرتے، نہ کسی خط کا انتظار۔ راستوں کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے شدید ترین دوپہر میں لمبا سفر طے کرکے وقت متعینہ پر پہنچ جاتے تھے۔ آپ کی سادہ مزاجی یہ تھی کہ ہرکس وناکس آپ سے بے تکلف بات کرلیتا تھا۔ اگر کوئی پریشانی بیان کرتا، تو اس کا بہترین حل پیش فرماتے تھے۔ حضرت مولاناؒ مستحبات کا بھی بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ مدنی مسجد دیوبند میں

معتکف تھے فرمانے لگے کہ بھائی خورشید آپ حافظ قرآن ہو؟ بندے نے عرض کیا کہ جی حضرت، تو آپ نے فرمایا کہ بھائی میرے اتنے پارے تراویح سے چھوٹ گئے ہیں، تم ان کو نفلوں میں نکلوا دو، بندہ نے کہا جیسا آپ کا حکم ہو۔ فرمایا ٹھیک ہے بعد نماز تراویح مجھ سے مل لینا۔ چنانچہ بندہ نے حضرت کو نفلوں میں چھٹے ہوئے پارے سنائے۔ ان کی کس کس خوبی کو بیان کیا جائے، ایسا انسان ملنا بڑا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

بندہ ایک مرتبہ برائے ملاقات سہارنپور جامع مسجد میں حاضر ہوا۔ بعد نماز جمعہ حضرت سے ملاقات ہوئی، تو بندہ نے مدرسہ شمس العلوم موضع بلوہ شاملی کے سالانہ جلسہ کے لئے درخواست دی، تو آپ نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ اس کو قبول فرمالیا۔ پھر فرمایا کہ مولوی صاحب حضرت مولانا محمد سلمان صاحب ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کو بھی دعوت جلسہ پیش کرکے ان کی تاریخ بھی لے لو۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت وہ بندہ کو پہچانتے نہیں ہیں، اس لئے مجھے مشکل سا معلوم ہوتا ہے، تو حضرت نے فرمایا اچھا ایک کاغذ لاؤ، بندہ نے کاغذ حاضر خدمت کیا، تو آپ نے سفارشی تحریر لکھی کہ،، احقر محمد زاہد مدرسہ شمس العلوم کے سالانہ جلسہ میں جائے گا، اس لئے آپ کو بھی بلوہ اس جلسہ میں شرکت کرنی ہوگی، ناظم مدرسہ آپ کی خدمت میں حاضر ہورہے ہیں۔ والسلام،،۔۔۔۔ بندہ اس پرچی کو لے کر حضرت مولانا محمد سلمان صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ نے فوراً قبول فرمایا کہ بھائی حضرت کا حکم ہے تو ضرور آئیں گے۔ یہ تھی آپ کی اپنے چھوٹوں کے ساتھ ہمدردی، محبت اور تعلق۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو ہم سب کی طرف سے بہترین جزائے خیر نصیب فرمائے۔ ایک مرتبہ ایک مجلس میں حضرت مولانا محمد کامل صاحبؒ کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بھائی

مولوی کامل صاحب دیکھنے میں بڑے سیدھے اور بھولے بھالے معلوم ہوتے ہیں مگر یہ بڑے ہوشیار اور عقلمند آدمی ہیں۔ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مدرسہ یا مکتب قائم ہوتا ہے، تو ہم کو بڑی خوشی ہوتی ہے، مگر جب معلوم ہوتا ہے کہ مکتب بند ہو گیا یا فلاں مدرسہ میں اختلاف ہو گیا، تو تکلیف بھی نا قابل برداشت ہوتی ہے۔اس لئے آپ کام کرنے والوں کو اتحاد و اتفاق اور صبر و تحمل کی بہت تاکید فرماتے تھے۔بس دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور آپ کے قائم فرمودہ تمام مکاتب و مدارس کو قبولیت عامہ نصیب فرمائے۔۔۔آمین

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بابائے قوم حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بقلم حضرت مولانا لیاقت صاحب جلالپوری

استاد دار العلوم نظامیہ مگن پورہ، سہارنپور

محسن قوم وملت حضرت مولانا محمد زاہد حسن صاحبؒ کی جہد مسلسل بے پناہ قربانیوں کی وجہ سے آج علاقے میں یہ رونق، یہ دینی جذبہ نظر آتا ہے۔ان جیسی شخصیت زمانہ کو مشکل سے نصیب ہوتی ہے۔ ہمارے دور دراز علاقے میں ان کی پیہم کوششوں اور مجاہدوں سے آج ہماری نسلوں کا دین وایمان باقی ہے، مدارس ومکاتب کا قیام ہے اور علماء وحفاظ کا قافلہ رواں دواں ہے۔حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ اور مشرقی ہریانہ پانی پت سے میرے دادا حاجی احمد حسن صاحب حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ کے مرید تھے اور ان کی خدمت میں آنا جانا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، مگر جب واپسی ہوئی تو پاکستان کا وجود ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب کراچی بندرگاہ پر آکر اترے تو آپ کو وہاں روک دیا گیا کہ تم پاکستان میں ہی قیام کرو۔ آپ کے اہل وعیال کو یہیں بلوا دیا جائے گا، مگر دادا جان نے سختی سے کہا کہ مجھے ہر حال میں ہندوستان جانا ہے۔اس وقت چونکہ حالات خراب تھے اس لئے پولیس آپ کو لے کر جلالپور گڑھی پہنچی، پھر چند روز کے بعد دادا جان نے اپنے پیر حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ملاقات کی۔اس کے بعد عرض کیا کہ حضرت جی ہمارے علاقے میں حافظ عبد الرشید صاحبؒ کو تبلیغ کے لئے بھیج دو۔حافظ عبد الرشید صاحبؒ حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ کے خاص خادم تھے اور حضرتِ والا کے ساتھ پہلے کئی بار اس علاقے میں آچکے تھے۔ چپکے سے انہوں نے بھی حاجی صاحب کو اشارہ کیا کہ میرے متعلق اجازت لے لو تو میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ حاجی صاحب نے حضرت والا سے پھر عرض کیا کہ حضرت میرے ساتھ حافظ

عبدالرشید صاحب کو بھیج دیجئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ خاموشی اختیار کئے رہے، پھر کچھ دیر بعد جب دادا جان نے تیسری مرتبہ عرض کیا، تو حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ حاجی صاحب ان سے اچھا آدمی بھیج دوں؟ تو دادا جان حاجی احمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو بہت اچھا ہوگا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مولانا زاہد حسن صاحبؒ کو طلب فرمایا، تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا صاحب یہ حاجی صاحب تمہاری برادری کے ہیں گڑھی جلالپور کے رہنے والے ہیں، ان کے ساتھ تشریف لے جاؤ، پھر شاہ صاحبؒ نے حضرت مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا ان کے گاؤں یہ بلائیں تب بھی جانا ہے اور یہ نہ بلائیں تب بھی جانا ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا جی بہت اچھا، بس اسی دن سے حضرت مولانا زاہد حسنؒ نے گڑھی جلالپور کے علاقے کا رخ کیا تھا، پھر ساری زندگی منہ نہ موڑا اور اپنے شیخ کی بات کو ایسے لازم پکڑا کہ بلائے تب بھی گئے اور نہ بلائے تب بھی گئے، سواری میسر ہوئی تب بھی گئے اور سواری میسر نہ بھی ہوئی تب بھی گئے، راستہ خشک ہوا تب بھی گئے اور جمنا میں تغیانی ہوئی تو پانی میں ڈوب کر گئے، سردی گرمی کا لحاظ کئے بغیر پیادہ پاہ دن رات کا خیال کئے بغیر ہر گاؤں، ہر بستی گھر گھر گئے اور اپنے علمی و عملی، قومی وملی فیضان سے پورے علاقے کو نئی زندگی بخش دی۔ پھر مرکزی جگہ جلالپور میں مدرسہ قادریہ ناشر العلوم کی داغ بیل ڈالی، جو الحمدللہ ایک بہترین مدرسہ کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اور علاقے میں آپ کے فیوض وبرکات سے مکاتب ومدارس کا قیام عمل میں آیا ہے، جن کے ذریعہ رجالِ قوم میں دینی، ملی، دنیوی شعور پیدا ہوا۔ یہ سب انہی کا طفیل باقی ان کے خلف ان کا ہی جھوٹا پینے والے ہیں۔

آج جو یہ بہار آئی ہوئی ہے
یہ ٹہنی ہماری ہی لگائی ہوئی ہے

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ چھوٹوں پر بے پناہ شفقتیں فرمایا کرتے تھے۔ میں فراغت کے بعد اپنے کھیت کا کام دیکھنے لگا تھا۔ ایک روز حضرت مولانا سخت دوپہر کے وقت جمنا ندی کے راستے پیدل تشریف لائے، بندہ محمد لیاقت کھیت میں پانی چلا رہا تھا، حضرت جب قریب پہنچے تو میں نے دوڑ کر مصافحہ کیا، پھر پانی پلایا، اس وقت حضرت مولانا بہاؤالدین صاحبؒ بھی ساتھ میں تھے۔ میں ان بزرگوں کو لے کر گھر پر آیا اور ماحضر کھانا کھلایا۔ اس روز حضرت والا نے جلالپور میں ہی قیام فرمایا۔ بعد نماز عشاء مسجد میں حضرت کا اصلاحی بیان ہوا۔ صبح احقر کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ لیاقت ہمارے ساتھ سہارنپور چلو، میں نے عرض کیا کہ حضرت کیا کروں گا، فرمایا کچھ نہیں ساتھ چلو۔ میرے والد صاحب نے حکم فرمایا کہ حضرت کے ساتھ چلے جاؤ آجانا، بندہ اسی حال میں سہارنپور آگیا۔ وہاں کھوبڑوں کی ماجری کے دو تین شخص ملے، جن کو غالباً حضرت والا نے بلا رکھا تھا۔ فرمایا کہ بھائی تم لوگوں نے ماسٹر مانگا تھا، یہ مولوی صاحب ماسٹری کا کام بھی کریں گے اور نماز بھی پڑھا دیا کریں گے، انہوں نے کہا کہ جی بہت اچھا۔ بندہ حیران وششدر کہ اللہ یہ کیا ماجری کا ماجرا ہے، مجھے خود ہندی نہیں آتی کیسے پڑھاؤں گا۔ اور کہا تھا کہ سہارنپور سے واپس آجانا۔ اس کے بعد بندہ کو فرمایا کہ مولوی صاحب ان کے ساتھ ماجری چلے جاؤ، اب بڑوں کے سامنے کیا کہہ سکتا تھا۔ اچھا جی! پھر بندے نے موقع پا کر حضرتؒ کے کان میں کہا کہ حضرت مجھے ہندی وغیرہ نہیں آتی، ارے محنت کر کے پڑھاؤ آجائے گی۔ بہرحال بحکم حضرت والا ماجری آگیا۔ بندے نے ہندی انگلش ٹیچر کتاب خریدی اور رات بھر مطالعہ کر کے یاد کرتا تھا اور صبح کو بچوں کو پڑھاتا تھا۔ چار سال تک اسی طرح پڑھایا، کسی کو محسوس نہیں ہونے دیا کہ مجھے ہندی نہیں آتی ہے۔ یہ سب حضرت مولانا کے خلوص کی برکت تھی۔ حضرت مولانا حمید اللہ صاحبؒ جو

ماجری ہی کے باشندے تھے حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی نوراللہ مرقدہ کے اولین شاگردوں میں سے تھے اور حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب پاکستانی اور علامہ رفیق صاحب سابق شیخ الحدیث مظاہر العلوم وقف و دارالعلوم وقف کے درسی ساتھیوں میں سے تھے۔) اس قت ماجری میں امام تھے چار سال بعد وہ امامت سے الگ ہوگئے اور مجھے منتظمین نے امام بنادیا۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت کی توجہ سے دین کا کام لے لیا اور آج تک لے رہا ہے،''ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل'' یہ معاملہ میرے ساتھ ہی پیش نہیں آیا بلکہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے یہ اپنا مشن بنا رکھا تھا کہ جو بھی پڑھا لکھا جوان چھوٹا یا بڑا ملتا، اس کو پکڑ کر مسجد یا مدرسے کی خدمت میں لگا دیتے۔مولوی اسحاق صاحب مرحوم خانپوری، بندہ محمد لیاقت جلالپوری، مولوی محمد یاسین گڑھی دولت، مولوی نور احمد پتھر گڑھی، مولوی ہارون صاحب پتھر گڑھی، مولوی شبیر صاحب پتھر گڑھی یہ تمام حضرت والا کی شفقت ومحبت ورہنمائی سے مولوی بنے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو پوری قوم کی جانب سے بہترین جزائے خیر نصیب فرمائے۔

آج بتیس سال بعد جبکہ ان کو دیکھنے والے اور ان سے فیض حاصل کرنے والے اکثر معاصرین رخصت ہوگئے ہیں۔ان کی حیات وخدمات جمع کرنے کی ایک حوصلہ مند جوان عزیزم عبدالخالق قاسمی الماجری نے تگ ودو شروع کی ہے۔اللہ تعالیٰ اس کوہ کنی کو اس کے لئے آسان فرمائے تاکہ ہم سب کی جانب سے فرضِ کفایہ اداء ہوجائے۔

والسلام

{ایک عظیم مجاہد}

زمانۂ طالبِ علمی میں دیواری پرچہ کیلئے لکھا گیا ایک مضمون

ازقلم۔عبدالخالق قاسمی الماجری

ظلم کی انتہاں ہوگئی تھی، قیامت پر قیامت تھی، سرزمینِ پنجاب وہریانہ خونِ مسلم سے لال ہوچکی تھی، ہر طرف جبر وبربریت کی حکومت تھی، امرتسر، جالندھر، انبالہ برباد ہو رہا تھا، پانی پت اجڑ رہا تھا، بے تحاشا مسلمانوں کا خون بہہ رہا تھا، نہتے وبے بس جوانوں کو گھیر گھیر کر قتل کیا جارہا تھا، معصوموں کی گردنیں مروڑ دی گئیں، عورتوں کی عصمتیں تار تار کردی گئیں، افراتفری کا یہ عالم تھا کہ جس کا جس طرف منہ تھا اس طرف بھاگ کھڑا ہوا، بہت سے لوگ جمنا میں کود گئے اور بے شمار عورتوں نے کوئیں میں جست لگادی، کیوں کہ ظلم کا ایک خوفناک منظر تھا، ظالم بلوائی کھلے مہار گھوم رہے تھے، بہ شکلِ انسان درندے ہر جگہ موجود تھے، پوری ٹرین منٹوں کے اندر موت کے گھاٹ اتار دی گئی، نہ جانے کتنی ٹرینوں کو آگ کے حوالے کردیا گیا، یہ دل دوز سماں دیکھ کر آسمان آنسو بہارہا تھا، زمین کانپ رہی تھی اور تاریخ خون سے رقم ہورہی تھی۔ یہ سب کیوں ہورہا تھا؟ ظلم کا ننگا ناچ کیوں ناچا جارہا تھا؟ اس لئے کہ ظالم انگریز جاتے جاتے ہندومسلم کا کھیل کھیل گیا میرے ملک کو تقسیم کرگیا۔ ہائے آزادی کی خوشی ایسی بربادی لیکر آئی جسکو بھلایا نہیں جاسکتا ہے

ایسے پُر آشوب دور میں کچھ ان پڑھ سیدھے سادے مسلمانوں کو بہکایا گیا، ان کو کفر پر مجبور کیا گیا، وہ بے چارے ان ہولناک مناظر کو دیکھ کر اپنے ایمان کو خیر باد کہنے

کے لئے تیار ہو گئے اور بعض نے ارتداد اختیار کرلیا، کیوں کہ ایک طرف عزت، مال و جائداد کی محبت تو دوسری طرف سر پر خوف کا بھوت سوار تھا، ایسے نازک وقت میں انہیں ضرورت تھی ایسے مجاہد کی، ایک ایسے غیرت مند کی، ایک ایسے سرفروش کی، جو ان خون آلودہ گھٹاؤں میں گھس کر ان کے ایمان کی ڈوبتی نیّا کو بچالے۔

یمنانگر کے اطرافِ قریبہ میں جمنا کے کنارے آباد ایک ایسی بستی کے تمام مسلمانوں کو ایک ہندو نے اکٹھا کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ اگر تم اپنے گھر، مال وجائداد پر قابض اور زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہندو دھرم اختیار کرلو، ورنہ اپنی بربادی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب بے چارے مسلمان حیران و پریشان عجیب کشمکش میں مبتلا تھے۔ انہیں اپنی ایمان کی کشتی غرقاب ہوتی نظر آرہی تھی کہ اتنے میں سامنے سے ایک سفید پوش انسان گھوڑی پر آتا ہوا نظر آیا، جو بندوق لئے ہوئے تیزی سے گاؤں کی طرف بڑھ رہا تھا، جیسے ہی وہ قریب آئے تو وہ ہندو بھاگ کھڑا ہوا، کیوں کہ وہ اس نو وارد کو پہچان گیا تھا۔ اگلے لمحہ وہ صاحب مجمع کے درمیان تھے، سب لوگ حیرت سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک پُرجوش ایمان سے لبریز آواز لوگوں کی سماعت سے ٹکرائی کہ بھائی کیا ہو رہا تھا؟ تم سب کیوں جمع ہوئے تھے؟ لوگوں نے پورا واقعہ بتایا۔ اس سفید پوش نے ان لوگوں کی باتیں سن کر ایک ایمان افروز تقریر کی اور سب کو سمجھایا کہ بھائی ہمت سے کام لو، اپنے ایمان کا سودا مت کرو، انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ سے مدد مانگو، اللہ ہمارا محافظ ہے۔ میں صبح سے شام تک اسی علاقے میں گشت کرتا ہوں، اگر کچھ بات پیش آئے تو فوراً اطلاع کرنا، میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد وہ منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ لوگ شکر گزار نگاہوں سے دیر تک ان کو دیکھتے رہے، یہاں تک کہ وہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ سفید پوش صاحبِ بندوق کون تھے؟ جی یہ

دارالعلوم دیوبند کا ایک عظیم فرزند، ملت کا سپوت، حضرت مولانا زاہد حسنؒ تھے جو صبح ہوتے ہی اپنی بندوق کندھے پر ڈال کر سر بکفن گھر سے پیدل نکلتے اور جمنا کے کنارے آباد گاؤں میں جا جا کر لوگوں کو سمجھاتے، ان کو تسلی دیتے اور غیر محفوظ لوگوں کو محفوظ جگہ پہنچانے کا بندوبست کرتے تھے۔ یہ اسلام کا سپاہی موضع ابراہیمی قصبہ سرساوہ کا رہنے والا ایک عظیم مجاہد بھی تھا۔ اور اپنے وقت کا عالم ربانی بھی، بزرگ یزدانی بھی، مدبر، مفکر ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر سیاسی رہنما و دینی رہبر بھی تھا۔

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اک شہرِ تخیل میں تجھے
اور میرے پاس تیرے گھر کی نشانی بھی نہیں

عارف ربانی مجاہد جلیل حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نوراللہ مرقدہ

از: محمد مسیح اللہ قاسمی نقشبندی
مدرسہ خلیلیہ انبہٹہ پیر

رب ذوالجلال نے کائنات عالم کی آفرینش کے بعد اس کی نشوونما کے لئے زمین پر انسان کو خلافت کا تاج پہنایا اور اس کی نیابت کی تکمیل کے لئے انسانوں ہی میں سے ایک مخصوص جماعت کو مبعوث فرمایا، جن کو انبیاء علیہم السلام کے القاب سے نوازا گیا۔ ان حضرات کے آخری سردار حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ منصب ختم ہو گیا، لیکن ذمہ داریاں اور منصب نبوت کے مقاصد تا یوم القیامہ جاری ہیں۔ ان مقاصد کی تکمیل کی خاطر امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلاماً میں چنندہ اور مخصوص افراد کو وراثتِ نبوت کی اشاعت کے لئے بھیجا گیا۔ ان چنندہ حضرات میں بیسویں صدی کی سرفہرست شخصیات کے اندر ایک پیکر صدق و اخلاص سادگی وسچائی کا کوہ گراں امانت و دیانت، تقویٰ وطہارت کے اعلیٰ اوصاف کی حامل شخصیت بطل حریت حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نوراللہ مرقدہ کی تھی، جن کی خدمات جلیلہ نے نصف صدی کے عرصے پر محیط اپنے نقوشِ تابند نسل نو کے لئے مشعلِ راہ بنا کر چھوڑے۔ درحقیقت اس راقم نے ان کے بارے میں حضرت اقدس مولانا شاہ عظیم الدین صاحب نوراللہ مرقدہ کی زبان سے سنا ہے۔ آپ ان کے رفیقِ درس ہونے کے ساتھ ساتھ سب سے اچھے دوست بھی تھے۔ حضرت مولانا زاہد حسنؒ صاحب ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں چندروز جامعہ اسلامیہ ریڑی تاجپورہ میں بھی رہے، جہاں حضرت مولانا شاہ عظیم الدینؒ آپ کے رفیق درس بھی تھے اور رفیق حجرہ بھی، دونوں کے درمیان مخلصانہ محبت اور مزاج میں یکسانیت

تھی۔ ایک مرتبہ بنگال کے ایک طالب علم نے ایک استاذ کی شان میں گستاخی کردی، تو دونوں حضرات نے اس کو پیار سے سمجھایا، لیکن اس نے بڑی بدتمیزی کرتے ہوئے جادو کرنے کی دھمکی دی، کچھ عرصے کے بعد اس کا مدرسے سے اخراج کر دیا گیا۔ زمانۂ دارالعلوم کے دوران اس بنگالی طالب علم سے پھر ملاقات ہوئی اور کہنے لگا کہ میرا طعام جاری نہیں ہوا ہے، اس لئے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ مجھے اپنے کھانے میں شریک کرلیا کریں۔ دونوں حضرات نے اس کی پرانی گستاخیوں کو درگزر کرتے ہوئے شریکِ دسترخوان بنالیا۔ یہ ان حضرات کی کسرِ نفسی اور ساتھیوں کے ساتھ شفقت ومحبت کی بات تھی

داداجان حضرت مولانا عظیم الدین صاحبؒ کی شادی زمانہ طالبِ علمی میں ہوگئی تھی شادی کے بعد داداجانؒ اپنی اہلیہ کو دیوبند ہی لے گئے تو حصرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے اپنا ٹکٹ طعام داداجانؒ کو دیدیا تھا تاکہ انکی اہلیہ کے کھانے کا انتظام ہوسکے اور خود محلہ بیرونِ کوٹلہ میں امامت کرتے تھے وہاں کھانے لگے۔ کیا ہی خوب حقِ صداقت اداء کیا جاں نثاری کا یہ جذبہ اور سخاوت آج تو تلاش و بسیار کے باوجود بھی نہیں ملتا ہے۔ ہر دو اکابر کے درمیان یہ دوستی اور صداقت مرتے دم تک برقرار رہی الحمدللہ علی ذالک۔

کتنے حسین لوگ تھے مل کر کے ایک بار
آنکھوں میں بس گئے دل وجاں میں سما گئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معمار ملک وملت حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بہ قلم: احمد زاہد قلندر
متعلم: عربی ہفتم دار العلوم دیوبند

میں آج اس شخصیت کے تذکرے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن کا اسم گرامی ''حضرت مولانا زاہد حسن صاحب'' ہے۔ موصوف میرے جدامجد ہیں۔ جن کی فکروں نے اہل وطن کے ذہنوں کے رخ کو موڑا ان کو مثبت سوچ بخشی اور امت کے لئے ایک مثالی رہبر ثابت ہوئے جن کا دل امت کے درد سے لبریز تھا۔ جن کی کوششوں سے بیشمار مسلمان پاکستان جانے سے رکے۔ آج وہ شخصیت اگر چہ ہمارے درمیان نہیں ہے، مگر ان کے کارنامے آج بھی زندہ اور تابندہ ہیں۔

ولادت باسعادت:

حضرت کی پیدائش ۱۹۱۸ء میں سہارنپور کے ایک گاؤں ''ابراہیمی'' میں ہوئی۔

تعلیم کی ''بسم اللہ'' موضع شہاب پورہ (شاہپورہ) میں ہوئی بعدہٗ ابتدائی تعلیم وتربیت جامع مسجد سرساوہ میں مولانا شیر محمد ہزاروی صاحبؒ سے حاصل کی حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابتدائی تعلیم کے ''بعد ایشیاء کی عظیم دینی درسگاہ دار العلوم دیوبند کے عربی درجۂ دوم میں داخل ہوئے اور پھر تعلیم میں ایسے منہمک ہوئے کہ حضرت کے بقول: ''میں کبھی بھی دار العلوم میں تعلیم کے زمانے میں بالا رادہ بستر بچھا کر نہیں سویا'' یہی وجہ تھی کہ امتحان میں اعلی نمبرات سے کامیاب ہوتے تھے بعض کتابوں میں آپ کے نمبرات اکیاون، باون، ترپن تک

ملتے ہیں، جب کہ اس زمانے میں کل نمبرات پچاس تھے اور انعام کے طور پر اس پر اضافہ کیا جاتا تھا۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی اعظم دار العلوم دیوبند نے آپ کو شرحِ وقایہ میں ترپن نمبر دیئے ہیں: نمبرات کی تفصیل درجہ ذیل ہیں:

داخلہ وفراغت

(حضرت مولانا) محمد زاہد ولد محمد اسماعیل صاحب ساکن ابراہیمی، ڈاکخانہ واسٹیشن سرساوہ تھانہ چلکانہ، تحصیل نکوڑ، ضلع سہارنپور، صوبہ اتر پردیش۔

دار العلوم دیوبند میں مولاناؒ کے حسب معمول سالانہ امتحانات کے نتائج حسب ذیل ہیں:

سن ۱۳۵۴ھ، شمار نمبر ۸۰۰/فارم نمبر ۳۹۶ داخلہ امتحان

شرح مأۃ عامل	علم الصیغہ	ایساغوجی	فصول اکبری
47	49	50	50
ہدایۃ النحو	مرقات	کبریٰ	مشق
41	50	50	45

سن ۱۳۵۵ھ، شمار نمبر ۷۵۵/فارم نمبر ۴۸۵ سالانہ امتحان

کافیہ	نور الایضاح	شرح تہذیب	نفحۃ الیمن
46	46	50	50
شرح جامی بحث فعل	اصول الشاشی	قدوری	مشق
50	50	47	44

سن ۱۳۵۶ھ، شمار نمبر ۷۲۱ / فارم نمبر ۳۷۹

کنز الدقائق	قطبی تصدیقات	شرح جامی بحث اسم	نور الانوار	مشق
50	46	50	45	40

سن ۱۳۵۷ھ، شمار نمبر ۶۶۹ / فارم نمبر ۷۶

شرح وقایہ	مختصر المعانی	میر قطبی	مقامات	مشق
53	45	35	47	41
سلم العلوم	تلخیص المفتاح	جمال القرآن	ہدایۃ الوحید	فوائد مکیہ
27	50	50	47	48

سن ۱۳۵۸ھ، شمار نمبر ۴۵۲ / فارم نمبر ۳۳۶

جلالین	سلم العلوم	ہدایہ اولین	میبذی	قرأت	جزری	تحفۃ الاطفال
47	40	50	35	50	47	50

سن ۱۳۵۹ھ، شمار نمبر ۲۵۶ / فارم نمبر ۲۹۴

مشکوٰۃ شریف	ملاحسن	توضیح	دیوان متنبی	نخبۃ الفکر
49	51	46	40	46
سراجی	شرح عقائد	قرأت	شاطبیہ	
43	43	46	47	

سن ۱۳۶۰ھ، شمار نمبر ۱۳ / فارم نمبر ۵۴

بخاری شریف	ترمذی شریف	مسلم شریف	ابوداؤد شریف	نسائی شریف
44	46	42	45	47
ابن ماجہ	طحاوی شریف	شمائل ترمذی	مؤطا امام مالک	مؤطا امام محمد
46	46	46	44	50
		قرأت		
		50		

حضرات اساتذۂ کرام دورۂ حدیث شریف سن ۱۳۶۰ھ

بخاری شریف، ترمذی شریف	حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ مدنی
مسلم شریف	حضرت العلامہ محمد ابراہیم صاحبؒ بلیاوی
مؤطا امام مالک	حضرت مولانا ادریس صاحبؒ
ابوداؤد شریف، شمائل ترمذی شریف	حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ
ابن ماجہ شریف	حضرت مولانا ریاض الدین صاحبؒ
نسائی شریف	حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ
مؤطا امام محمد	حضرت مولانا ظہور صاحبؒ
طحاوی شریف	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

فراغت کے بعد آپ نے اپنا اصلاحی تعلق حضرت شیخ الاسلامؒ سے قائم فرما کر اپنے آپ کو حضرت کے حوالے فرما دیا چنانچہ روحانی ترقیات کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الاسلامؒ کی زیرِ نگرانی جمعیۃ العلماء ہند کے پلیٹ فارم سے جو آپ نے قوم وملت کے لئے قربانیاں پیش فرمائی ہیں وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں

جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے:

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت دادے اباجیؒ ٹرین سے لکھنؤ جا رہے تھے کہ اچانک شرنارتھیوں نے حضرت مولاؔنا کے متعلق نازیبا الفاظ بکنے شروع کر دیے، حضرت دادے اباجیؒ اس پوزیشن کو بھانپتے ہی بیت الخلاء گئے اور اپنا لائسنسی ریوالور لوڈ کیا اور اس کو ہاتھ میں لے کر باہر آ کر پھر اسی سیٹ پر بیٹھ گئے اس کے بعد وہ لوگ بالکل خاموش بیٹھے رہے۔

ضبط وتحمل:

ایک مرتبہ کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ صوبہ ہریانہ میں دو سگے بھائیوں کی کسی بات کو لیکر لڑائی ہوگئی، حضرت دادے اباجیؒ کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت دادے جانؒ ان کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ ان میں سے ایک بھائی بھینس نہلا رہا ہے۔ اس نے دادے اباجیؒ کو دیکھ کر کہا کہ آگئے ہونگے تم تو صلح کرانے کے لئے اور کچھ نازیبا الفاظ کہے تو ساتھ میں آئے مریدین نے کہا: کہ حضرت آپ ایسی جگہ کیوں تشریف لائے یہ تو نازیبا الفاظ بک رہا ہے تو حضرت نے کہا کہ یہ اپنی بھینس کو کہہ رہا ہے مجھے اور تمہیں نہیں اور حضرت نے دونوں بھائیوں کو بلا کر بٹھایا اور صلح کرائی ایک دوسرا واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ اس کی کسی شخص سے لڑائی ہوگئی اور صلح کرانے کے لئے بہت سے لوگوں نے زور لگائے، لیکن نہ ہو پائی، اس شخص نے کہا: کہ ہمارے درمیان جو صلح کرا سکتے ہیں وہ واحد شخص حضرت مولانا زاہد حسن صاحب ہیں تو حضرت کو اطلاع ہوئی حضرت تشریف لے گئے اور دونوں کو سمجھا بجھا کر صلح کرادی۔

شرعی پنچایت کا قیام اور اس کی آبیاری:

حضرت دادے اباجیؒ کو امت کی فکر ہر وقت ستاتی رہتی تھی، امت کی اصلاح کے لئے ذہن ہمہ وقت پریشان رہتا تھا، خصوصاً بگڑے ہوئے معاشرہ کیلئے مثلاً طلاق جہیز جیسی خبیث بیماریوں سے امت کے مسائل کو شریعت کی نظر سے سلجھانے کے لئے اور امت کے جھگڑوں کو مٹانے کے لئے تقریباً ۱۹۵۵ء میں سہارنپور کی جامع مسجد میں شرعی پنچایت قائم کی اور آخری دم تک پوری جد جہد کے ساتھ اس کی سرپرستی اور آبیاری فرماتے رہے، شرعی پنچایت سے مسلمانوں کو بے انتہا فائدے پہنچے، بتایا جاتا ہے کہ کوئی مسئلہ یا قضیہ ایسا نہیں تھا، جو شرعی پنچایت میں آیا ہو اور اس کو حل نہ کیا گیا ہو۔ تمام مسائل اور قضایا حل کئے گئے۔ اور لوگوں کو شرعی پنچایت سے جوڑا گیا تا کہ وہ اپنے تمام مسائل شریعت کی روشنی میں حل کرانے کے عادی ہو جائیں۔

سنہ ۱۹۴۶ء کا الیکشن اور اس کی روداد:

حضرت دادے اباجیؒ نے ۱۹۴۶ء میں کانگریس کے ٹکٹ پر شیخ ضیاء الحق کے خلاف جو کہ مسلم لیگ کے امیدوار تھے۔ الیکشن لڑا اور کامیابی حاصل کی شیخ ضیاء الحق جن کو انگریزوں کی طرف سے خان بہادر کا لقب بھی دیا ہوا تھا، جن کے خلاف کسی کو لڑنے کی ہمت اور جرأت نہیں ہوتی تھی، اگر کوئی جرأت کرتا بھی تو شکست ہی اس کی قسمت میں آتی تھی۔ ان تمام حالات کے پیش نظر حضرت نے الیکشن لڑنے کی حامی بھر لی اور بفضلہ تعالیٰ حضرت کو کامیابی نصیب ہوئی جس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ کانگریس پارٹی کی جانب سے آٹھ حضرات کے نام بھیجے گئے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے کانگریس کو کہا: ہم آپ کو ایسا آدمی دیں گے جو

کانگریس چھوڑ کرنہیں جائے گا۔ چنانچہ دادے اباجی حضرت مولانا زاہد حسن صاحب کا انتخاب کرلیا گیا۔ پھر اس الیکشن کو جتانے کے لئے حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی کئی گاؤں میں سائیکل سے ورکری کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل حمایت ومستجاب دعائیں ساتھ رہیں۔ اور آپ الیکشن جیت کر کامیاب ہوگئے۔ الحمدللہ

اسمبلی میں بے باکی:

ایک مرتبہ شیعوں اور سنیوں میں مدح صحابہ وذمِ صحابہ کے متعلق زبردست اختلاف ہوا۔ شیعہ کہتے تھے کہ ہم ذمِ صحابہ کا جلوس نکالیں گے اور سنی کہتے تھے کہ ہم مدح صحابہ کا جلوس نکالیں گے اس وقت دو ہی پارٹیاں وجود میں تھیں، مسلم لیگ اور کانگریس، حضرت مولانا اس وقت کانگریس کے ایم، ایل، اے، تھے۔ کانگریس نے کہا کہ نہ مدح صحابہ کا جلوس نکلے گا اور نہ ذم صحابہ کا، برخلاف مسلم لیگ کے اس نے کہا کہ مدح صحابہ کا جلوس نکلے گا، اب وقت آگیا ووٹنگ کا کانگریس نے اپنے تمام ہمنواؤں کو اس بات کا پابند بنایا کہ کوئی نہ تو مدح صحابہ کی تائید کرے گا اور نہ ذم صحابہ کی، اب ووٹنگ شروع ہوئی تو دادے اباجیؒ کی بے باکی دیکھئے اور صحابہ کرام سے محبت کہ جب حضرت کی باری آئی تو حضرت مدحِ صحابہ کی حمایت کرتے ہوئے کھڑے ہوگئے۔ اور مدح صحابہ کی تائید میں ووٹ دیا۔ پوری اسمبلی دم بخود رہ گئی کہ ایک کانگریس پارٹی کا ایم، ایل، اے اور وہ مسلم لیگ کی تجویز (مدحِ صحابہ) کی تائید کررہا ہے، شعر:

مر جائیں گے مگر ایمان کا سودا نہ کریں گے
عزت سے جئے تو جی لیں گے یا جام شہادت پی لیں گے

حضرت مولانا اسرار الحق صاحبؒ کے تاثرات:

حضرت مولانا اسرار الحق صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب جیسے مخلص ترین آدمی کا ملنا معاصرین میں مشکل تھا، خصوصاً سیاست میں تو بہت مشکل تھا، ان کی سیاسی خدمات خلوص وللّٰہیت سے لبریز تھی، چنانچہ ان کے اخلاص کی ہلکی سی نظر پیش کروں کہ ایم، ایل، اے، ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی بھی ٹرین سے فری سفر نہیں کیا۔ ٹکٹ ضرور لیتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا کے دوست منشی عبدالوحید صاحب ٹرین کے چل دینے کی وجہ سے سہارنپور سے سرساوہ بغیر ٹکٹ لئے آگئے اور حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اور سرساوہ سے سہارنپور تک کا ٹکٹ لیکر پھاڑ دو، چنانچہ وہ گئے اور ایسا ہی کیا۔

ملا رحیم بخش کا واقعہ:

ہمارے گاؤں موضع ابراہیمی میں ایک آدمی تھے جن کا نام ملا رحیم بخش تھا ان کا انتقال ہوگیا۔ قبر بھی کھود دی گئی چند گھنٹوں بعد اتفاق سے کہ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے، حضرت دادا جانؒ اس وقت دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کررہے تھے اور ان دنوں چھٹیوں میں گھر آئے ہوئے تھے۔ تو وہ کسی سے بات چیت کئے بغیر حضرت کے پاس پہنچے اور کہا کہ مجھے بیعت فرمالیجئے، حضرت نے کہا کہ جی: مجھے کسی سے خلافت حاصل نہیں ہے میں آپ کو بیعت نہیں کرسکتا تو وہ فرمانے لگے کہ اگر میں مرگیا تو بروز قیامت آپ کا دامن پکڑلوں گا کہ انہوں نے مجھے بیعت نہیں کیا تھا۔ پھر اس کے بعد کا حال تو یہ ہوا کہ ہروقت زبان پر اللہ اللہ جاری رہا کرتا تھا۔ اور ایک مدت تک زندہ رہے

جمعیۃ علمائے ہند سے وابستگی:

حضرت دادے اباجیؒ آخری دم تک جمعیۃ کے صدر رہے تقریباً چوالیس (۴۴) سال تک اس عہدے پر فائز رہے اور ایک وقت وہ بھی آیا کہ حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جنرل سکریٹری رہے اور حضرت مولانا زاہد حسن صاحب رحمہ اللہ صدر رہے۔

وفات حسرت آیات:

حضرت مولانا کسی اجلاس سے واپس آرہے تھے کہ سرساوہ میں گھوڑی سے گر کر دماغ کی نس پھٹی اور ہمیشہ ہمیش کے لئے اس دارفانی سے دار بقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حشر تک اب زبان نہ کھولیں گے ☆ تم پکاروگے ہم نہ بولیں گے

علامہ انور صابری رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار جو انہوں نے حضرت کے مرثیہ میں موزوں فرمائے تھے:

درحقیقت مولوی زاہد حسن کی زندگی
ہے شجاعانہ مردِ وطن کی زندگی
سیکھ لے ان سے کوئی آئین طرز وفا
شاملِ فطرت ہے ارباب کہن کی زندگی

○❖○

مجاھد ملت کی جہد مسلسل کی ایک داستاں

از۔محمد انصر بہاؤالدین خانپوری

یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام خدا کا پسندیدہ دین اور امت مسلمہ اس کا شاداب اور سدا بہار درخت ہے، یہ خدائی ترکش ہے نہ اس کے تیر ختم ہوتے ہیں اور نہ نشانہ خطا کرتا ہے، اس کا سب سے بڑا ثبوت اس امت میں ایسے مصلحین ومجاہدین، خداداد صلاحیتوں سے مالا مال، مؤید من اللہ اور اسلام کے لئے باعثِ صد افتخار شخصیتیں ہیں، جو ہر دور اور زمانے میں امت مسلمہ کی قیادت اور صحیح رہنمائی کرتی رہی ہیں، جن کے علوم وفنون، تالیفات وتصنیفات اور وعظ ونصیحت سے امت مسلمہ سیراب ہوتی رہی ہے اور اپنی علمی تشنگی بجھاتی رہی ہے، ان عظیم ترین اور ہمہ جہت وعالمگیر شخصیتوں میں سے ایک ''مجاہدِ ملت حضرت مولانا زاہد حسن صاحب'' کی شخصیت تھی۔

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ قوم وملت کا ایک بہت بڑا نام ہے، جو شاید قوم کی خدمت کے لئے ہی پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے اس قوم کی خدمت کو ہی اپنی زندگی کا مقصد وہدف بنائے رکھا آج انھیں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے تین دہائی بیت چکی ہیں مگر برادرانِ گوجر کے لئے ان کی خدمات آج بھی ہر کسی کے ذہن میں انمٹ نقوش کی طرح موجود ہیں۔ بلاشبہ ''حضرتؒ مولانا'' جیسی شخصیت دنیا میں خال خال ہی پائی جاتی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ضلع سہارنپور کے گاؤں ''ابراہیمی'' میں ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۴ء تک اپنے ہی علاقے میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، ظاہر ہے کہ اس ۱۶ سال کی مدت میں زمانۂ طفولت بھی ہے جو عموماً چھ سات سال کا ہوتا ہے اور ابتدائی تعلیم کا

زمانہ بھی، اسکے بعد ۱۹۳۴ء میں مستقل طور پر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر تعلیم میں ایسے منہمک ہوئے کہ انہوں نے بعض کتابوں میں میں پچاس سے زیادہ نمبرات حاصل کئے اور ۱۹۴۱ء میں دارالعلوم سے سندِ فراغت حاصل کی۔

ویسے تو حضرتؒ دورانِ تعلیم ہی حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ سے بیعت ہوکر ان کی صحبتوں سے خوب مستفیض ہوتے رہے، لیکن فراغت کے بعد تو حضرت والاؒ نے اپنے آپ کو ہر کام میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے حوالہ فرما کر روحانی و باطنی پورا پورا اکتسابِ فیض کیا منزل قریب تر تھی کہ حضرت مدنیؒ ۱۹۵۷ء میں انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی وفات کے بعد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور تھوڑی ہی مدت میں خلعتِ خلافت سے نوازے گئے۔

شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے کہا تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت ایک سادہ مزاج انسان تھے وہ لازوال کردار کے مالک تھے۔ انہوں نے صحیح معنوں میں خود کو اصلاحِ قوم، غریبوں اور بے سہارا و بے آسرا لوگوں کی مدد کیلئے وقف کر لیا تھا، وہ بلاشبہ گوجروں کے لئے ایک غیر متنازعہ شخصیت تھی، آج بھی ہر دل میں ان کا احترام پایا جاتا ہے۔

میرے جدِّ امجد ''حضرت الحاج مولانا بہاؤالدین صاحب قاسمیؒ'' کا ''حضرت اسدالہند مولانا زاہد حسن صاحبؒ'' کے ساتھ بہت قریبی تعلق تھا، دونوں ایک دوسرے کے سائے کی طرح تھے، جلسہ ہو یا پنچایت دونوں ایک ساتھ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ہمارے دیہات میں اکثر ایک محبت بھری تعبیر بولی جاتی ہے ''ایک دسترخوان پر ٹکڑے

توڑنا'' اسی کے مطابق آج بھی یہ بات مشہور ہے اور ہم بھی بڑوں سے سنتے رہتے ہیں کہ ''مولانا زاہد حسن صاحبؒ'' مولانا بہاؤ الدین صاحبؒ، حاجی غیاث الدین صاحبؒ حاجی پوری ان حضرات میں آپس میں اتنی محبت تھی کہ اکثر ایک ہی دسترخوان پر ان کا ٹکڑا ٹوٹتا تھا، اور محبت کا اندازہ اس سے بھرپور لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت اسدالہندؒ بلاناغہ ہر جمعرات کو خانپور ''احمد العلوم'' میں تشریف لاتے اور دادا جان بھی حضرت کی تشریف آوری پر اس قدر خیر مقدم کرتے کہ دو طالبِ علم کو جھوٹا بگّی لیکر بُڈھن پور شاہراہِ عام پر بھیج دیا کرتے تھے، پھر طلبہ حضرت کو مدرسے لے آتے تھے۔ سب سے پہلے مشکوۃ شریف کا درس دیا کرتے تھے بعد نماز عصر عوام وخواص سے گفت وشنید فرماتے تھے۔ حضرت کو چونکہ شلجم گوشت اور ساگ بہت زیادہ پسند تھا اس لئے دادا جان بھی بڑے اہتمام کے ساتھ شلجم گوشت بنواتے تھے، بعد نمازِ مغرب طعام وغیرہ سے فراغت ہوتی تھی بعد نماز عشا مسجد میں حضرت کی مجلس ذکر لگتی تھی جس میں قرب وجوار سے لوگ کثرت کے ساتھ شرکت کرتے تھے۔ جمعہ کے دن علی الصبح دادا جان اور حضرت والا سہارنپور جاتے تھے، دادا جان اپنے ساتھ دیسی گھی لے کر جاتے تھے اس کو فروخت کر کے اس کے عوض مسالہ جات خریدتے اس کے بعد دونوں حضرات جامع مسجد جاتے جہاں شرعی پنچایت کا دفتر تھا وہاں قرآن وحدیث کی روشنی میں لوگوں کے مسائل حل کرتے پھر رات میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے یہاں قیام فرماتے یہی سالہا سال کا معمول رہتا تھا، اور ہفتہ کے درمیان میں بھی وقتاً فوقتاً آمد و رفت ہوتی رہتی تھی۔

حضرتؒ اکثر یہ جملہ بڑی بے تابی کے ساتھ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنی قوم میں شیخ الحدیث دیکھنا چاہتا ہوں الحمد للہ ان کی یہ چاہت عند اللہ مقبول ہوئی اور آج برادری میں شیخ الحدیث بھی ہیں اور علماءؒ صلحاء حفاظِ کرام کا دور دورہ ہے

حضرت مخدوم مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے قوم کی اتنی خدمت کی کہ پوری قوم کو اپنا مقروض کر گئے اب ہم سب کا یہ فرض ہے کہ وہ جو چراغ روشن کر گئے اسے روشن رکھیں انہوں نے اصلاحِ قوم کا جو درس دیا اسے ہم یاد رکھیں حضرت نے پانچ دہائیوں تک مسلسل قوم و ملت کی خاطر عظیم خدمات انجام دیں، اور بالآخر نیکیاں سمیٹتے سمیٹتے مارچ ۱۹۸۸ء کو یہ مجاہدِ ملت اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون وللہ ما اخذ وللہ ما اعطیٰ، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

شعر

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

اللہ تعالی حضرت کو غریقِ رحمت فرمائے اور کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

حضرت اسد الہندؒ کی دینی، اصلاحی اور علمی خدمات کی ایک جھلک

از قلم: عبدالاحد مغیثی نواسہ ممدوحِ محترمؒ
شریک ششم عربی دارالعلوم دیوبند

سرزمینِ ہند سے افرنگی نے نہ صرف یہ کہ اسلامی نظامِ حکومت کا خاتمہ کیا بلکہ عیسائی مشینری اس بات کے بھی درپے تھی کہ ہندوستان سے اسلام کی جڑ ہی کو اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔

اس لئے کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندوستان مستقبل میں ان کے لئے کوئی بڑا خطرہ بن کر سامنے آئے۔

چنانچہ عیسائی پادریوں نے بھارت کو اپنا مسکن بنایا اور عیسائیت کی تبلیغ شروع کردی، مگر عین اس وقت کہ جب عیسائیت کا بول بالا تھا کچھ دیوبندی بوریا نشینوں نے فرنگی کی نیت کو بھانپ لیا اور اپنی زندگی اسلام کی آبیاری کے لئے وقف کر کے اس میدانِ پرخار میں بھی فرنگیوں کو رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آنے دیا اور بحمد اللہ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔

۱۹۴۷ء میں وطنِ عزیز نے آزاد فضاؤں میں تو سانس لی مگر نقشۂ ہند پر جنگ کے آثار واضح نظر آتے تھے اور یہ کیسے نہ ہوتا ملک دوسو سال کی طویل جنگ سے باہر آرہا تھا۔

دوصدی قبل ملک میں جو اسلامی حکومت قائم تھی آج وہ حکومت تو باقی نہ بچی تھی، مگر جنگ کے ہنگامے میں دوررس نگاہ کے حاملینِ امت نے اس خرابۂ جنگ سے نمٹنے اور اس کی تلافی کے لئے ایک ایسے ادارے کی داغ بیل ڈالی جو مسلمانوں کے

عقائد، اسلامی شناخت اور ان کے تشخصات کی حفاظت کرسکے اور مسلمانوں سے چھنی ہوئی حقیقی دولت انہیں واپس لوٹا سکے۔ اس گلشنِ اسلام سے فکروفن لے کر جو جہاں بیٹھ گیا دنیا نے دیکھا کہ اس نے اپنے دوردراز تک کے علاقے کو اسلام کا گہوارہ بنادیا، خزائے جہالت کے تھپیڑوں کو جھیلتی اقوام کے لئے موسمِ بہار کی وہ بادِنسیم بنا کہ جس مریض بدحال نے اُس کا ایک جھونکا بھی حاصل کرلیا وہ اپنی صحتِ عقائد واعمال میں لوگوں کے لئے نمونہ بن گیا۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک روشن کڑی مُفکّرِ قوم، مُدبّر دوراں، مصلح قوم وملت، زاہدِ زماں، میرے ناناجاں، اسدالہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نوراللہ مرقدہٗ واعلی اللہ مراتبہ ہیں جنہوں نے اپنی بے لوث خدمت اور انتھک جِدّ وجُہد سے ایک ایسی قوم کی تقدیر وتصویر بدل دی جو جہالت کی عمیق غار میں پھنسی پڑی تھی، ایسے لوگوں کی ہدایت کے لئے جس درجہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے یہ بات یا تو وہ جانتے ہیں جو خود اس میدان پُرخار سے گزرے ہوں یا اُن کو مبلغینِ اسلام کے حالات کی اطلاع ہو۔

جس وقت آپ مادرِعلمی دارالعلوم دیوبند کے تعلیمی ماحول سے میدانِ عمل میں قدم رکھ رہے تھے۔

اُس وقت آپ کے کاندھوں پر دین کے ابجد سے ناواقف لوگوں کی اصلاح اوران کی رشدوہدایات کی ذمہ داری آن پڑی تھی، سواس راہ میں جو گزرنی تھی وہ گزری مگر آپ نے اپنے قدم کبھی ڈگمگانے نہ دئے بلکہ عزم واستقلال کے ساتھ آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔

آپ کے حالات وواقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی جدوجہد کا طریقۂ کار عین وہی رکھا جو اکابرِ دارالعلوم سے آپ نے ورثے میں پایا تھا۔

نونہالانِ قوم کیلئے مدارس کا قیام

آپ جس دور میں مشعلِ علم لئے لوگوں کو اس کی روشنی میں چلنے کی دعوت دے رہے تھے یہ وہ دور تھا جب میری قوم میں کاشت کاری عروج پر تھی اور دنیاوی تعلیم کا حصول اقتصادی بدحالوں کے لئے تصور کیا جاتا تھا حتیٰ کہ کئی ایک واقعات ایسے ہیں کہ اسکولوں میں زیرِ تعلیم بچوں کو والدین نے کان پکڑ کر اٹھالیا اور یوں گویا ہوئے کہ یہ نیچ لوگوں کا کام تو کریگا؟

تیرے گھر میں کھانے کے لئے بہت کچھ ہے،
تو چودھری کا بیٹا ہے،
تجھے کس خوفِ تنگدستی نے مارا؟
؟اور دینی تعلیم کا خاطرخواہ انتظام نہیں تھا

ایسے وقت میں آپ نے جگہ جگہ مدارس ومکاتب قائم کئے اور لوگوں کو اس بات پرآمادہ کیا کہ اپنی اولاد کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کریں، سالوں کوششوں کے بعد لوگوں نے آپ کی بات کی جانب توجہ دینی شروع کی اور تحریک مدارس کو قبول کیا، آپ کی محنت رنگ لائی اورآج بحمدللہ ایسے علاقوں میں کہ جہاں چودہ چودہ بستیوں میں کوئی حافظ نہ ملتا تھا، نمازِ جنازہ کے لئے دوسری بستی سے ملاجی کی آمد کا انتظار کیا جاتا تھا، آج ہر بستی میں بیسیوں حفاظ اور علماء موجود ہیں بلکہ بعض مقامات پر یہ تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ **فالحمدللہ علی ذلک**

ایک جاہل وبے دین قوم میں علم وآگہی کی یہ چہل پہل دیکھ کر دل سے دعاء نکلتی ہے کہ:

خدا رحمت کند ایں
عاشقانِ پاک طینت را

آپ کے قائم کردہ مدارس کی تعداد چالیس سے بھی زائد ہے جو آج تناور درختوں کی شکل میں موجود ہیں اور جن کا فیض بحمد اللہ پوری آب وتاب کے ساتھ جاری وساری ہے۔

تزکیۂ نفوس کی محنت

آپ نے جہاں قیامِ مدارس کے ذریعے قوم کے مستقبل کو تعلیم سے وابستہ کیا وہیں اصلاح قلوب کے لئے لوگوں کو خانقاہوں سے مربوط کرنے پر بھر پور توجہ مبذول کی، آپ نے قصبہ، قصبہ، قریہ، قریہ، گلی، گلی جا کر لوگوں کو اہل اللہ کے سایے تلے زندگی گزارنے کا عادی بنایا۔

آپ جانتے تھے کہ میری قوم کو اس بات کی اطلاع نہیں کہ صحبتِ اہل اللہ کس قدر تیز اثر ہوتی ہے، اس لئے خود بستی بستی جا کر لوگوں کے دلوں میں اہل اللہ کی محبت کو جاگزیں کیا، دین کے لئے مر مٹنے کا جذبہ پیدا کیا اور اپنی قوم کو اہل اللہ کی خانقاہوں کا حاضر باش بنا دیا۔

حتیٰ کہ ایک دفعہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری نوراللہ مرقدہ نے اپنے خادم کو جو صبح کے وقت حضرت کو اخبار پڑھ کر سناتا تھا اور گوجروں کے سلسلے میں کچھ ترش رویہ رکھتا تھا فرمایا: ''یہ گوجر میرے ہیں اور میں ان کا ہوں''۔

اہلِ دل کے یہاں گوجروں کا یہ مقام حضرت ناناجان کی اس جدوجہد کا نتیجہ تھا جس میں آپ نے نہ اپنے دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات بلکہ کبھی سواری کا انتظام ہوا

تو زہِ نصیب ورنہ پا پیادہ ہی نکل پڑے، بیچ راستے میں دریا بھی آئے تو سفر کو منسوخ نہ کیا بلکہ با مشقت عبور کرکے اپنی منزل تک پہنچے۔

مسندِ درس کی زینت

آپ نے اس قدر ملی، سماجی وسیاسی مصروفیات کے باوجود مسند درس کو جو زینت بخشی وہ آپ کے تبحر فی العلم کا پتہ دیتی ہے، یعنی ایک ایسا شخص جو بیک وقت میدانِ سیاست کا شہ سوار ہو، ملی وسماجی خدمات اس سے وابستہ ہوں، ایسی شخصیت کی مسندِ درس عموماً بارونق نہیں ہوتی مگر میرے ناناجان ایسے نہ تھے بلکہ آپ کے تلامذہ کی ایک کثیر تعداد ہے۔

جن میں حضرت الاستاد مولانا محمد عارف صاحب قاسمی مہتمم مدرسہ سراج العلوم دجھیڑہ ورکن شوریٰ مظاہر العلوم سہارنپور۔

مفتی محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم مدرسہ تحفیظ القرآن ابراہیمی۔

قاری محمد عاشق الٰہی صاحبؒ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ

مفتی محمد اکبر صاحبؒ سابق مہتمم جامعہ احمد العلوم خانپور۔

مولانا محمد ہاشم صاحب دامت برکاتہم مہتمم مدرسہ کاشف العلوم چھٹمل پور

کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کی درسی استعداد اس درجہ مضبوط تھی کہ اگر آپ کی حیات فکری وملی مشغولیات سے آزاد ہوتی تو شاید آپ اُم المدارس کے کسی عظیم استاد کی حیثیت سے جانے جاتے مگر آپ کو تو اللہ نے اس عظیم کارِ خیر کے لئے منتخب فرما لیا تھا جو آپ کے معاصرین میں کہیں نظر نہیں آتا۔

أُولئك آبائی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

﴿حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ﴾

ازقلم۔مولوی محمد جابر صاحب قاسمی
خادم۔مدرسہ کاشف العلوم کھرگائن نزد کیرانہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

میں اس ذاتِ گرامی کا تذکرہ کر رہا ہوں جسکا نامِ نامی اسم بامسمّٰی مولانا زاہد حسن صاحبؒ ہے جو آج سے تقریباً ۳۳ سال پہلے اس دارِفانی سے رخصت ہوگئے، ان کی حیات وخدمات کو ترتیب دینے کا بیڑا۔عزیزم مفتی عبدالخالق قاسمی الماجری صاحبؒ نے اٹھایا ہے اللہ تعالی ان کے لئے آسان فرمائے یہ کام پوری قوم کی جانب سے فرض کفایہ کی ادائیگی ہوگی۔انشاء اللہ

احقر کو بھی حضرت والاؒ کے متعلق کچھ لکھنے کا حکم ہوا ہے۔میرے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں جن سے حضرت کی سوانحِ حیات کا اچھے الفاظ میں تذکرہ کرسکوں اور میرے قلم میں اتنی طاقت بھی نہیں ہے جن سے اچھی طرح حضرت کے اوصاف بیان کرسکوں میں تو تیمّناً نسبت حاصل کرنے کے لئے کچھ صفحات سیاہ کرنے اور نامۂ اعمال روشن کرنے کے لئے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے جو کچھ اس حقیر ذہن میں باتیں جوش مار رہی ہیں، حضرت کی سوانح حیات کی ایک بہت ہی مختصر سی جھلک آپ کے سامنے پیش کررہا ہوں، مولانا کی ذات بڑی عجیب وغریب تھی اتنی صفات کی حامل جن کا شمار ناممکن ہے حضرت کی ذات سراپا علم وعمل، دین وتقویٰ، سلوک وتصوف، رشدوہدایت، خلق عظیم ولطف عمیم

کی حامل تھی، حضرت کی کس کس صفت کا تذکرہ کیا جائے، آپ اس دور میں سلف صالحین کا بہترین نمونہ اور ستودہ صفت انسان تھے آپ کی ہرادا سے اسوۂ صحابہ آشکارا تھا یوں تو ہر دور ہی میں اللہ کے نیک بندے رہتے ہیں۔

مگر حضرت کی ذات اس دور میں
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کی مصداق تھی آپ کی ہستی میں خلوص ومحبت، شفقت وعظمت، وقار، حلم وعفو، عجز وانکساری، صبر واستقلال غرضیکہ شریعت وطریقت کے تمام جوہر اس طرح آپ کی ذات کے اندر جمع ہوگئے تھے ایک ہی شخص کے اندر اتنی صفات اور کمالات کا اجتماع محال سا نظر آتا ہے آپ کی بھولی بھالی صورت کو دیکھ کر صحابۂ کرام کی زندگی کا نقشہ سامنے آجایا کرتا تھا، آپ کی بے نفسی سادگی، تواضع وانکساری، اور خدمت خلق کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی مہمان آجاتا تو مہمان کی میزبانی میں اس قدر لگ جاتے کہ مہمان خوش ہوکر جاتا اگر کسی کو روپئے کی ضرورت پیش آتی تو خود مقروض ہوجاتے اور اگر کوئی بیمار ہوتا تو تیمارداری میں رات دن ایک کردیتے اور کسی کو ملازمت یا مقدمہ وغیرہ کی کوئی ضرورت پیش آتی تو عملی دوڑ دھوپ میں نہ اپنے مرتبہ کا لحاظ کرتے اور نہ اپنی صحت کا، اور نہ اپنے خرچ کا، غرض کہ حضرت کی پوری زندگی سیدھی سادی اور خدمتِ خلق میں گذری ہے، ایک مرتبہ شبِ برأت کی رات میں آپ کی والدہ ''اللہ دی'' بیٹھی ہوئی ذکراللہ میں مشغول تھی آپ کی والدہ کو اچانک ایک روشنی نظر آئی اسی وقت آپ کی والدہ نے اللہ سے دعا کی، اے میرے پروردگار مجھے نیک صالح عالم بیٹا عطا فرما، کچھ ہی دنوں کے بعد آپ کی ولادت ہوئی، ابھی آپ کا بچپن تھا آپ اپنے دادا کے ساتھ جارہے تھے راستہ میں ایک فقیر ملا اس فقیر نے کہا بڑے میاں تمہارا یہ پوتا سات حج کرے گا، چنانچہ یہی ہوا آپ نے

سات حج کئے، یہی وجہ تھی حضرت مولانا ان مذکورہ صفات کے پیش نظر ہر عام و خاص کے آنکھوں کا تارہ بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنیؒ سلہٹ جارہے تھے اور حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ آپکو چھوڑنے کے لئے اسٹیشن پر گئے ہوئے تھے حضرت شیخ الاسلامؒ نے مولانا کو رخصتی کے وقت دعا دیتے ہوئے شکریہ کے الفاظ کہے۔ حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نے جواباً عرض کیا کہ حضرت ہم تو آپ کے غلام ہیں اور غلام کا شکریہ ادا نہیں کیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرّہ نے فرمایا، ارے بھائی اگر تم اپنے کو کچھ سمجھ لیتے تو کچھ ہو نہ جاتے۔ اور خوش ہو کر مزید دعاؤں سے نوازا

مولانا زاہد حسن صاحبؒ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دھجیڑہ قصبہ چلکانہ میں دین کی خدمت کررہے تھے، اسی دوران ایک بار حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے فرمایا اگر کسی کو اپنے بچے کی اصلاح کرانی ہو تو دھجیڑہ مدرسہ میں مولانا زاہد حسن صاحب کے پاس بھیج دو، اور چونکہ مولانا کا طالبعلمی کے زمانہ دارالعلوم دیوبند میں اپنے اساتذہ کے پاس اکثر و بیشتر آنا جانا رہتا تھا ایک روز مولانا سید میاں اصغر حسین صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے مشہور و معروف مدرس گذرے ہیں ان کے پاس گئے، انہوں نے فرمایا آجا بھائی گاؤں کے رہنے والے، اور حضرت سید میاں صاحب طلبہ کو دیکھ کر بار بار فرمایا کرتے تھے، تمہیں دیکھ کر تو شرم آتی ہے طالبِ علم تو ایسا ہونا چاہئے (مولانا کی طرف اشارہ تھا) جیسا یہ گاؤں کا رہنے والا ہے۔ اور ماضی قریب کے مشہور و معروف ولی حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا بہت کم ہوتا ہے کوئی شخص بزرگ بھی ہو اور عالم بھی، لیکن مولانا زاہد حسن صاحب بزرگ بھی ہیں اور عالم بھی کامل ہیں، اور مشہور مفکرِ قوم، فدائے ملت جانشین شیخ الاسلامؒ مولانا سید اسعد

مدنی صاحبؒ فرماتے ہیں مولانا زاہد حسن صاحب دین کے مجاہد شب بیدار اور کمپیوٹر ذہن کے تھے، ہر وقت ہم کو ٹوکتے رہتے تھے۔

{مختصر خاکہ}

اسد الہند عارف باللہ رأس الاتقیاء الحاج حضرت مولانا زاہد حسن نوّر اللہ مرقدہٗ

اسمِ گرامی ---------------- زاہد حسن

والد محترم ---------------- محمد اسماعیل

دادا محترم ---------------- قلندر بخش ابن علی ابن کریم الدین

ولادت ---------------- ۱۹۱۸ء

فراغت ---------------- دارالعلوم دیوبند

سنِ فراغت ---------------- ۱۳۶۰ھ

{مشہور اساتذہ}

☆ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ

☆ حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ

☆ حضرت مولانا عبد السمیع صاحبؒ

☆ حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ

☆ حضرت مولانا سیّد میاں اصغر حسین صاحبؒ

☆ مشہور مفسرِ قرآن حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری

{حج}

آپ نے سب سے پہلا حج ــــــــ میں کیا اس کے بعد ۶ حج کئے آٹھویں حج کے

لئے درخواست دے چکے تھے لیکن زندگی کے ساتھ نہ دینے کی وجہ سے آٹھواں حج نہیں کر سکے۔

{اولاد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵ لڑکے چھوڑے}

۱:۔سب سے بڑے صاحبزادے مولانا محمد عارف صاحب قاسمی مدظلہ العالی

۲:۔مولانا ومفتی محمد طیب صاحب قاسمی نوّر اللہ مرقدہٗ

۳:۔مولانا محمد اشفاق صاحب قاسمی

۴:۔محمد ساجد صاحب قرآن کریم اور عربی چہارم تک پڑھے ہوئے ہیں

۵:۔سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا ومفتی محمد اسجد صاحب قاسمی زید مجدہٗ مدرس دارالعلوم دیوبند

اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دو لڑکی چھوڑی ہیں۔

(۱) عارفہ خاتون (۲) تبسم جہاں

{تصوّف}

سلوک کے تمام مراحل کی تعلیم۔شروع سے آخر تک حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ سے حاصل کی

{بیعت}

حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے بعد آپ اصلاحی تعلق قائم کرنے کے لئے خانقاہ رحیمی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے پاس تشریف لے گئے کیونکہ حضرت شیخ الاسلامؒ اپنی حیات میں آپ کو رائپور کے لئے بار بار متوجہ فرمایا کرتے تھے، خانقاہ رحیمی

میں کچھ دنوں کے قیام کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کو اجازتِ بیعت عطا فرمادی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ سے بھی آپ کو اجازتِ بیعت حاصل تھی اور ایک مرتبہ فدائے ملت جانشین حضرت شیخ الاسلام مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ ماجری نزد قصبہ رامپور منیہاران گئے ہوئے تھے وہاں پر آپ نے یہ اعلان فرمایا۔

والد محترم حضرت شیخ الاسلامؒ میرے خواب میں تشریف لائے اور یہ فرمایا مولانا زاہد حسن صاحب کی ہمارے ذمہ ایک امانت ہے وہ امانت ہماری جانب سے تم ادا کردو، چنانچہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب نے فرمایا کہ میں حضرت والد صاحب کے حکم سے اور اُنہیں کی طرف سے مولانا زاہد کو اجازت بیعت دیتا ہوں۔

{معمولات}

گاؤں میں اپنے محلہ کی مسجد میں ہر سال ۴۰ دن کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ۱۰ دن رمضان شریف سے پہلے اور پورے رمضان کے مہینہ اور آپ اس اعتکاف کے دوران کسی سے بھی بات چیت نہیں کرتے تھے سوائے مدرسہ سراج العلوم ڈھبھیڑہ کے ایک طالب علم کے۔

{پاک انفاس ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ روزانہ سوا لاکھ بلاناغہ}

☆ قرآن شریف:۔ ۲۴ گھنٹے میں ایک قرآن شریف ضرور پڑھتے تھے اور آپ کو اللہ نے یہ قدرت عطا فرمائی تھی، کہ حافظ نہ ہونے باوجود تراویح میں حافظ کی غلطی پکڑ لیا کرتے تھے۔

☆ صبح ۔۔۔۔۔ جواہر خمسہ اور دلائل الخیرات بلاناغہ

☆ شام۔۔۔۔۔۔بعد نماز مغرب (حزب البحر) چاہے سفر میں ہوں یا حضر میں مستقل پورے سال بلاناغہ پڑھتے تھے۔

نوٹ:۔ حضرت کا معمول اعتکاف کے سلسلہ میں پوری زندگی ۴۰ دن کا رہا ہے ۱۹۷۷ء تک آپ گھر پر ہی محلہ کی مسجد میں کرتے رہے لیکن ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۷ء تک رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف مدنی خانقاہ دیوبند میں کیا جس سے عام لوگوں کو بہت فیض ہوا۔

{مشہور خلفاء}

۱:۔ صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب قاسمی

۲:۔ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوریؒ

۳:۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب میواتی شیرِ پنجاب

۴:۔ حافظ پھول محمد صاحب۔۔۔ (موضع دبھیڑہ کلاں)

۵:۔ ماسٹر رشید الدین۔۔۔۔۔۔ (شاہ پور پاکستان)

۶:۔ حافظ منظور احمد صاحب۔۔۔۔ (موضع ٹوڈرپور)

{سیاست}

چونکہ حضرت کی ذات کے اندر خدمت کا جذبہ بے حد تھا جس کی وجہ سے ہر وقت بے چین رہتے تھے اور ہر وقت یہی فکر سوار رہتا تھا کہ کس طرح مسلم قوم کو آگے بڑھایا جائے چنانچہ قوم ہی کی خدمت کی بناء پر آپ نے ۱۹۴۶ء میں ایم، ایل، اے، کا الیکشن لڑا اور خدا کے فضل وکرم سے کامیاب ہوگئے ۱۹۵۲ء تک آپ ایم۔ ایل۔ اے رہے جس میں مسلم قوم کی طرح طرح سے جہاں تک ہوسکا ہر ممکن خدمت کی۔

۱۹۵۲ء کے بعد آپ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں جاکر آپ کو طبعی خواہش کے مطابق سیاست سے نفرت پیدا ہوگئی اور سیاست سے تعلق ختم کر کے علیحدگی اختیار کرلی، لیکن ۱۹۷۷ء میں بعض اکابرین کے شدتِ اصرار اور حکومتِ ہند کے بلامطالبہ ٹکٹ دینے سے دوبارہ دومرتبہ ممبر پارلیمینٹ کا الیکشن لڑا۔ اور اپنی طبعی خواہش کے مطابق کامیاب نہ ہوسکے۔

{کارنامے}

سہارنپور، سرساوہ، مظفرنگر، تھانہ بھون، کیرانہ، کاندھلہ، انبالہ، جمنانگر، پانی پت، وغیرہ کے اطراف میں دور تک علمی واصلاحی لہر مزاج کا پیدا کرنا جگہ جگہ مکاتب ومدارس کا قیام ہزاروں بندگانِ خدا کو راہ خدا میں اور راہِ راست پر لانا بالخصوص انبالہ، جمنانگر، پانی پت جیسے پچھڑے ہوئے علاقہ میں اور خاص طور پر سرساوہ، سہارنپور میں حضرت کی سیاسی خدمات اور رات دن کی دوڑ دھوپ۔ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے

{یادگاریں}

بے شمار مدارس ومکاتب کا قیام۔

{وفات}

۵/دن کے تعلیمی واصلاحی دورے سے واپسی پر سرساوہ سے گھر پر جاتے ہوئے گھوڑی سے گر کر زخم آیا اور دماغ کی نس پھٹنے کے بعد آپ کو سہارنپور ہسپتال لے جایا گیا سہارنپور سول ہسپتال ہی میں یہ علم وفضل رشد وہدایت کا آفتاب ۲۷/ مارچ ۱۹۸۸ء

مطابق ۸ ؍شعبان ۱۴۰۸ھ بروز اتوار صبح ۸ ؍بجے اس دارِ فانی سے ہمیشہ کے لئے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

{تدفین}

حضرت مولانا شمیم احمد صاحب دیوبندی استاد دار العلوم دیوبند اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب جمنانگری استاد دار العلوم دیوبند وغیرہما نے غسل دیا، بعد نماز عصر نماز جنازہ پڑھی گئی نماز جنازہ حضرت کے صاحبزادہ وجانشین حضرت مولانا ومفتی محمد طیب صاحبؒ نے پڑھائی، نماز جنازہ کے بعد آپ کا آبائی قبرستان (جو باغ کے درمیان میں واقع ہے) پر لے جایا گیا اور سپرد خاک کر دیا گیا۔ اسی قبرستان میں آپ کے والد محترم اور دادا جان وغیرہما بھی مدفون ہیں۔

برّد اللہ مضجعہٗ

{مختلف واقعات وملفوظات}

جمعیۃ العلماء ضلع سہارنپور کے صدر تقریباً ۳۰ ؍سال رہے اور جب سے سہارنپور میں شرعی پنچایت کا قیام ہوا تاحیات قوم وملت کی خدمت کرتے رہے بہت سے لڑکیوں کے الجھے ہوئے مسائل کے فیصلے صلح کی شکل میں یا آخری درجہ فسخ کی صورت میں کرایا کرتے تھے اور کبھی کبھی یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ انہی شرعی وپنچایتی مسائل کی وجہ سے مغفرت فرمادے۔

{سرساوہ کی جامع مسجد کا واقعہ}

مولانا خورشید صاحب جامع مسجد سرساوہ کے اندر امام ہیں وہ کہتے ہیں کہ میرے

پاس ایک شخص آیا اس نے کہا جی میں بہت دنوں سے ذکر میں لگا ہوا ہوں میرا دل جاری نہیں ہوتا۔

اتنی ہی دیر میں مولانا زاہد حسن صاحبؒ آگئے، مولانا خورشید صاحب نے کہا جی حضرت یہ شخص بہت دنوں سے پریشان ہے اس کا دل ذکر میں جاری نہیں ہوتا اس کے لئے دعا کر دیجئے۔

مولانا نے اس شخص کی کمر پر ہاتھ رکھا اور کچھ پڑھا، مولانا کے ہاتھ رکھتے ہی فوراً اس شخص کا دل جاری ہوگیا اور وہ شخص خوشی خوشی مولانا کو دعا دیتا چلا گیا۔

{محبت وہمدردی کا واقعہ}

مولانا ایک باعزت شخص تھے ہر شخص سے محبت اور ہمدردی کیا کرتے تھے، منشی عبدالوحید کا ایک پڑوسی پولس میں سپاہی تھا وہ ایک مرتبہ اپنے گھر چھٹی آیا ہوا تھا اس نے منشی جی ہم تو کل چلے جائیں گے اور گھر ایسی چیز ہے جس کو چھوڑنے کو طبیعت نہیں کرتی منشی جی نے اس سپاہی سے کہا تو ایک مہینہ اور گھر رہنا چاہتا ہے کیا؟ اس نے کہا جی ہاں منشی جی نے کہا بیماری کی درخواست لکھ چنانچہ اس نے درخواست لکھ لی منشی جی نے درخواست کے نیچے لکھدیا ’’واقعی سائل کا سوال درست ہے اور یہاں کوئی ایسا ڈاکٹر نہیں ہے جس سے علاج کرایا جاسکے میں ان کے لئے ایک مہینہ کی چھٹی کی سفارش کرتا ہوں (اور مولانا کے دستخط کر دیئے) زاہد حسن ایم۔ ایل۔ اے‘‘

وہ سپاہی ایک مہینہ کی چھٹی گذار کر اپنی ڈیوٹی پر گیا اس کا افسر اس کو دیکھ کر کھڑا ہوگیا اور معلوم کیا بھائی تمہارا مولانا زاہد حسن صاحب سے کیا تعلق ہے اس پولس والے نے کہا کی کچھ نہیں میں بیمار تھا وہ بے چارے بہت مخلص آدمی ہیں میری تیارداری کے

لئے آئے ہوئے تھے میں نے چھٹی کے لئے درخواست لکھ لی انہوں نے دستخط کر دیئے وہ افسر اسی دن سے مولانا کی عزت وادب واحترام کی وجہ سے اس سپاہی کے سامنے کبھی کرسی پر نہیں بیٹھا اور اس سپاہی نے ٹھاٹ سے زندگی گذاری اور تاحیات مولانا کو دعا دیتا رہا۔

پیکرِ مہر و الفت سراپا وفا
عابد زندہ شب زاہد پارسا
جو کہ تھا جانشیں اپنے اسلاف کا
اک نمونہ تھا جو ان کے اسلاف کا

حضرت اسد الہند اور مدرسہ رائے پور گوجران

از۔مولوی محمد ظفر صاحب مظاہری
ناظم مدرسہ بدر العلوم رائے پور ہریانہ

تقسیمِ ملک کے وقت ہریانہ پنجاب اجڑ گیا تھا، دینی مدارس اور خانقاہیں ویران ہو چکی تھی، چیدہ چیدہ مسلمان باقی رہ گئے تھے جنکے دین وایمان کے بقاء کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی ایسے دور میں بحکم حضرت بوڑیویؒ حضرت قاضی حسین احمد علیہ الرحمہ نے اس ادارے کی بنیاد ۲۵/جون ۱۹۵۰ء مطابق ۱۳۷۱ھ میں رکھی لیکن حقیقت یہ ہیکہ ان بزرگوں کی پشت پر حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کی ذہن سازی اور ان کی تحریک مدارس کا راز کارفرما تھا چنانچہ حضرت اقدس الحاج مولانا زاہد حسن صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ تاحیات اس مدرسہ کی سرپرستی فرماتے رہے اور اسی کے ساتھ ساتھ دیگر مدارس و مکاتب کے بھی سرپرست رہے۔(اور اپنے پیارے بیٹے حضرت مفتی طیب صاحب قاسمی کو فراغت کے متصلاً بعد اس مدرسہ کی خدمت پر مامور فرمادیا حضرت مفتی طیب صاحب مسلسل بیس اکیس سال تک اس مدرسہ کے مہتمم رہے اور بے پناہ خلوص کے ساتھ اہل علاقہ و مدرسہ کی خدمات انجام دی ہیں) حضرت والاؒ کے اندر قوم کا ایک درد تھا اور ہر وقت اسی فکر میں گھلے جاتے تھے کہ قوم کو کس طرح راہِ راست پر لایا جائے ، کس طریقے سے قوم کے اندر دینی بیداری پیدا کی جائے ،تو حضرت نے معاشرہ وسماج کو راہِ حق اور تعلق مع اللہ کی دولت عظمیٰ سے روشناس کرانے میں نہ دن دیکھا نہ رات دیکھی نہ صرف آپ نے اپنوں میں کام کیا بلکہ مشرقی پنجاب اور مغربی یوپی کے گاؤں گاؤں بستی بستی کا سفر کیا، اور اپنے پندونصائح وعلمی وروحانی خطبات سے لوگوں کو پوری

طاقت و ہمت کے ساتھ حبّ الٰہی اور عشق رسول کے جام پلاتے رہے آپ نرم دل شیریں سخن اور سخاوت کے ہاتھوں سے معمور تھے۔

زندگی کے حسین وجمیل ایام کو مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتربیت کے لئے قربان کیا اسی کے ساتھ کمزور اور مجبور وغریب طلباء کی امداد وتعاون فرما کران کے لئے سلسلۂ تعلیم کو جاری رکھنا آسان بنادیا ان ہی کریمانہ اور حبیبانہ صفات نے سب کو آپ کا گرویدہ اور چہیتا بنادیا تھا۔ نیز آپ عالمِ ربانی ہونے کے ساتھ ساتھ وقت کے وِدھایک (ممبراسمبلی) بھی تھے، اللہ رب العزت نے آپ کو قوت فیصلہ اور بصیرت کاملہ اور اصابتِ رائے جیسی خوبیاں عنایت فرمائیں تھی، چنانچہ اگر کسی جگہ بدامنی اور اختلاف پیدا ہوتا تو آپ بڑی محبت وحکمت کے ساتھ اختلاف کو دور کرکے محبت وپیار کے بیج بکھیر دیتے، اور آپ کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ خیر الناس من ینفع الناس کے صحیح مصداق تھے تو بیجا نہ ہوگا۔

۱۹۴۷ء کے بدترین حالات میں بھی حضرت مولاناؒ کی خدمت کا بڑا کردار رہا ہے، یمنا ندی کے دونوں کناروں پر کھڑے ہوکر مسلمانوں کے بچانے میں انتھک کوشش کی ہے۔

الحمدللہ آج آپ کے پروردہ مدرسہ بدر العلوم رائے پور گوجران ہریانہ میں تقریباً طلباء وطالبات کی مجموعی تعداد چارسو پچاس سے تجاوز کرچکی ہے اور سولہ افراد پر مشتمل عملہ ہے اور ادارہ کے اندر ابتداء سے لیکر حفظ و ناظرہ فارسی وعربی دوم تک کا نصابِ دار العلوم دیوبند کے مطابق ہے ثم الحمدللہ یہ ادارہ اپنے مقاصد میں تدریسی وتعلیمی اعتبار سے ایسا کامیاب ہوا کہ اس سے فیض حاصل کرنے والے طلباء عزیز نے نہ صرف درس وتدریس وامامت کے طریقہ سے دین کی خدمت کی بلکہ ہر میدان میں خدمات انجام

دے رہے ہیں۔ اللہ ربّ العزت حضرت کو اعلی علیین میں جگہ نصیب فرمائے، اور اس مدرسہ کو آپ کے لئے بہترین صدقۂ جاریہ بنائے یہ ادارہ اسی طرح قرآن وحدیث کی تا قیامت خدمت کرتا رہے تا کہ بانئین اور منتظمین کی روحیں خوش ہوتی رہیں۔

دعا گو خدامِ مدرسہ ہذا۔

زاہد مقامِ شکر ہے رنج و الم کے ساتھ
کتنوں کو اپنے جیسا بنا کر چلے گئے

ایک مردِ قلندر

(مولانا زاہد حسن صاحب ابراھیمی نوراللہ مرقدہ)

ازطرف۔ مولانا محمد عمران صاحب کیرانوی

ناظم مدرسہ تعلیم القرآن در کھجور والی مسجد محلہ آل کلاں کیرانہ

ہر زندگی طفولیت سے آغاز کرتی ہے، اور بڑھاپے کی منزلِ ضعف پر اس کا اختتام ہوتا ہے، کچھ اس سے پہلے ہی دم توڑ دیا کرتی ہیں۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو عمر دراز نصیب ہوئی اور انہوں نے اپنی زندگیوں کو راہِ خداوندی میں قربان کر دیا، ہزاروں لاکھوں نہیں کروڑ ہا کروڑ انسان اس دنیا کے اندر آتے ہیں، نہ جانے کتنے قافلوں کا گزر ہوتا ہے، مگر سطحِ زمین پر نقشِ قدم کسی کسی کے ابھرتے ہیں۔

گزرنے کو تو ہزاروں ہی قافلے گزرے
زمین پہ نقشِ قدم بس کسی کسی کا رہا

زمین پر ایسے ہی نقشِ قدم چھوڑ جانے والے ایک عظیم مردِ مجاہد، شجاعت و بہادری جن کا خاص وصف تھا، حضرت مولانا زاہد حسن صاحب ابراہیمی قدس سرہ تھے، جو ضلع سہارنپور کے قصبہ سرساوہ کے گاؤں ابراہیمی کے رہنے والے تھے، حضرت مولاناؒ نے جس طرح اپنی عمرِ عزیز کے تمام تر لمحات کو قوم وملت کی خدمت کے لئے وقف کر رکھے تھے اس کی مثال خال خال ہی نظر آتی ہے، کہ ایک بہترین عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ امت کی سیاسی وسماجی خدمات کے لیے بھی ہمہ وقت کوشاں نظر آتے ہوں، اور اپنی ناخواندہ قوم (گوجر) کی فکر بھی اپنے اوپر سوار کیے ہوئے ہوں۔

گوجر قوم

یہاں رک کر گوجر قوم کے متعلق لکھنا بیجا نہ ہوگا۔

گوجر اکثر ناخواندہ اور ایک جنگی قوم تھی یہ ایک شاہی قوم رہی ہے، اس قوم کی شجاعت و بہادری کا ایک شہرہ ہے، تعلیم یافتہ افراد اس قوم کے اندر کمیاب تھے۔ (اگرچہ اب ایسا نہیں رہا الحمد اللہ) اس کا اصل پیشہ زراعت رہا ہے۔ سن 1942ء میں اس قوم کی مردم شماری کے اعتبار سے اس قوم کا بائیس لاکھ انسان ہندوستان کے اندر بستا ہے۔

مغربی ہندوستان میں یہ قوم ایک الھڑ اور ناخواندہ قوم تھی، عجیب عجیب قسم کی رسومات وخرافات اس کے اندر پائی جاتی تھیں۔ حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ نے اپنی اس قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تو وہ اپنے مقصد میں حتی المقدور کامیاب بھی ہوئے انہوں نے جگہ جگہ مدارس ومکاتب قائم فرمائے، یہاں تک کہ پوری قوم کا رخ دینی تعلیم کی جانب تبدیل فرمادیا۔

ولادت

حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ قصبہ سرساوہ ضلع سہارنپور کے ایک گاؤں ابراھیمی میں ۱۹۱۸ء میں چودھری اسماعیل بن قلندر بخش بن کریم الدین صاحب کے گھرانے میں پیدا ہوئے،

درس وتدریس اور جمعیۃ سے وابستگی

قصبہ سرساوہ کی جامع مسجد میں مولانا شیر شاہ صاحب ہزارہ کے پاس اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز کیا، سن 1934ء میں مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور علوم ظاہریہ

کے حصول میں مگن ہوگئے۔سن 1941ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔فراغت کے بعد آپ نے علومِ باطنیہ کے حصول کے لیے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے رجوع کیا، ان کی وفات کے بعد شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری کے پاس خانقاہ میں تشریف لے گئے، کچھ روز قیام کرنے کے بعد شاہ صاحبؒ نے آپ کو اجازت وخلافت سے نواز دیا، ایک مرتبہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ گاؤں کھوبڑوں کی ماجری میں گئے ہوے تھے، وہاں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے یہ اعلان فرمایا کہ والد صاحب (شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی) خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ زاہد حسن کی میرے ذمہ ایک امانت ہے، وہ میری جانب سے تم ادا کردو۔

پھر حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے مولانا کو اجازت وخلافت سے نوازا۔

فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ سراج العلوم دمجھیڑہ کو درس وتدریس کے لئے منتخب کیا۔جہاں آپ طلبہ کے حق میں ایک بہترین معلم ومربی ثابت ہوے، وہیں تھوڑے ہی سے عرصہ میں مدرسہ کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔مدرسہ احمد العلوم خانپور میں بھی آپ نے درس وتدریس کی خدمات انجام دیں، وہاں جلالین ومشکوۃ جیسی اہم کتب آپ کے زیرِ درس رہیں۔

فراغت کے فوراً بعد ہی آپ جمعیۃ علماء ہند سے بھی منسلک ہوگئے تھے، اور حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ضلع سہارنپور کا صدر منتخب فرمایا، اور انہیں کے ایماء پر سن 1946ء میں ایم۔ایل۔اے۔کا الیکشن لڑا، اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

۱۹۴۷ء میں آزادیِ ہند کا مسئلہ پیش آگیا اور ہر طرف خون کے دریا بہ نکلے، مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی، معصوموں کی جانوں کا کھیل بنایا گیا، ایسی

افراتفری کا عالم کہ مسلمان حواس کھو بیٹھا، ہریانہ وپنجاب کا علاقہ تو خون میں نہانے لگا، ایسی خون آلودہ فضاؤں میں جس کا جس طرف کو بھی رخ تھا بھاگ پڑا، کوئی دریا میں ڈوب کر غرق ہوگیا ہے اور کوئی ٹرین کے نیچے آکر دم توڑ گیا، ایسے خوفناک ماحول میں کس کی ہمت ہوتی تھی کہ گھر سے باہر نکلے اور ڈوبتی قوم کو سہارا دے۔بہرحال علماء ہی کے اندر دمخم اور جاں نثاری کا جذبہ تھا، اور کیوں نہ ہوان کے قلوب تو اللہ کی محبت سے سرشار تھے، شوقِ شہادت ان کے سینوں میں پیوست تھا، وہ نکلے، حضرت مولانا بھی اپنی بندوق کاندھے پر رکھ کر گھر سے نکلے، اور نہ جانے کتنے لوگوں کی جانوں کو تلف ہونے سے بچایا، کتنوں کو ارتداد کے بھٹی میں گرتے گرتے بچایا، کتنے ٹوٹے ہوؤں کو دلاسے دئے، کتنے بھوکوں کو کھانا کھلایا اور کتنی عصمتوں کو پامال ہونے سے بچایا۔غرضیکہ اللہ نے یہاں بھی آپ سے بڑا کام لیا، آپ کی خدمتوں کو دیکھ کر اکابر علماء بھی آپ سے بے پناہ خوش ہوے، اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی وشیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کاندھلوی کے تو آپ چہیتے بن گئے اور قوم کے دلوں میں دھڑکنے لگے۔

اصلاحِ معاشرہ اور مدارس کا قیام

اصلاحِ معاشرہ کے لیے بھی آپ بہت فکرمند رہتے تھے، خصوصاً اپنی قوم کی حالتِ زار پر روتے تھے، ایک درد تھا امت کے تئیں آپ کے دل کے اندر، ایک کڑھن تھی، جو بے چین کئے رکھتی تھی، جیسے یہ غم آپ کو اندر ہی اندر کھائے جارہا ہو۔

چنانچہ ۱۹۵۵ء میں اصلاحِ معاشرہ کی غرض سے ہی جامع مسجد سہارنپور میں شرعی پنچایت کا قیام فرمایا، تاکہ لوگ شریعت کے تحت رہ کر ہی اپنے مسائل کا حل تلاش کریں، تئیس سال تک آپ نے یہ خدمت دل وجان سے انجام دی۔

اپنی قوم کی ناخواندگی دور کرنے کے لئے جگہ جگہ مدرسوں کا قیام فرمایا، سہارنپور، مظفرنگر، شاملی، پانی پت، دہلی تک کے علاقوں میں آپ نے مدرسوں کی بنیاد ڈالی، جو اِس وقت دینِ اسلام کی بہترین خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں اور بڑے بڑے اداروں کی شکل اختیار کر چکے ہیں، جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت آپ کا قائم کردہ ادارہ ہے، جہاں اب دورۂ حدیث شریف تک تعلیم جاری ہے، اور اپنے علاقے میں بڑی ہی نمایاں خدمات کی انجام دہی میں مصروف عمل ہے۔

سانحۂ وفات

انسان کی سانسوں کی گنتی جب پوری ہوجاتی ہے، تو موت کے بہانے بنا کرتے ہیں۔

چناں چہ ایک روز آپ کسی اصلاحی پروگرام سے گھر لوٹ رہے تھے، سرساوہ پہنچ کر اپنی گھوڑی پر سوار جو ہونے لگے، تو اچانک گھوڑی بدک گئی، آپ گھوڑی سے گر پڑے، دماغ کی نس پھٹ گئی۔ اور 27 مارچ سن 1988ء میں سول ہسپتال سہارنپور میں دم توڑ دیا، گویا یہ کہتے ہوئے آغوشِ رحمت میں پہنچ گئے کہ۔

ایک روشنی کی موت مروں گا زمین پر
جینے کا اس جہاں میں حق چھوڑ جاؤں گا
روئیں گے میری یاد میں مہر و مہ و نجوم
ان آئینوں میں عکسِ قلق چھوڑ جاؤں گا

اور بالآخر جان جانِ آفریں کے حوالہ کردی۔

جان دے ہی دی جگر نے آج پائے یار پر

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

اللہ رب العزت آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور ہم سب کی جانب سے جزائے خیر نصیب فرمائے۔۔۔آمین

عظیم دینی ملی وسماجی بے مثال شخصیت

حضرت مولانا زاہد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ

جہد مسلسل سے عبارت آپ کی زندگی کا ہر ورق درخشاں ہے

از:- مولانا سید حبیب اللہ مدنی صاحب
صدر جمعیۃ علماء ضلع سہارن پور و مہتمم مدنی مدرسہ انبہٹہ پیرزادگان سہارن پور

اسد الہند حضرت مولانا زاہد حسن صاحب ضلع سہارنپور کے ایک چھوٹے سے گاؤں ’’ابراہیمی‘‘ میں ۱۹۱۸ء کے اندر پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم علاقائی مکاتب سے حاصل کرکے ۱۹۳۴ء میں ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور مایۂ ناز ماہرینِ علم وفن (علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ ابراہیم بلیاوی، شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات علماء اساطین امت سے اکتسابِ فیض کرکے ۱۹۴۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مفسر دوراں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں لاہور تشریف لے گئے اور تفسیر کے سلسلے میں حضرت والا سے مکمل فیضیاب ہوکر وطن تشریف لے آئے یہی وجہ ہے کہ اکابرین دیوبند جیسی بزرگ شخصیات کے خوشہ چیں ہونے کے ناطے آپ کی فیض یابی مستند وفیض رسانی مسلم ہے۔

آپ کی شخصیت کے مذکورہ دونوں پہلوؤں کو دو الگ الگ زاویۂ نگاہ سے دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے

(۱) آپ نے دینی وسماجی ملی وملکی سیاسی ومعاشی تعلیمی وتدریسی تنظیمی وترتیبی کیا خدمات انجام دی ہیں

201

(۲) آپ کی ذات بابرکات سے یہ کارہائے نمایاں حالات اور زمانہ کی کن نیرنگیوں میں انجام پائے؟

اتنی بات تو متعین ہے کہ آپ نے اپنی تمام تر توانائیاں جس میدان میں صرف کی اور جس مشن اور تحریک کو لیکر آپ آگے بڑھے اس میں تخم ریزی سے لیکر ثمر آوری تک کے تمام مراحل صرف اور صرف آپ کی ذاتی جلوہ سامانیاں اور کاوشوں کا نتیجہ ہیں

آپ نے اپنی عملی زندگی کے آغاز کے لئے ایک علیحدہ راہ اختیار کی، روایات سے ہٹ کر عمل وخیال کی طرحیں ڈالیں اور زندگی کے آخری سانس تک اس کو رواں رکھا

آزادی ہند کے بعد ہندوستان کے جن علماء دین اور دانشوروں کی زندگی کی تمام تر جد وجہد وحدت قوم وملت سماجی فلاح وبہبود اور مسلمانوں کی تعلیمی وتہذیبی سیاسی ومعاشی ترقیات کے لئے وقف رہی ہیں ان میں آپ کا ایک نمایاں اور ممتاز نام رہا ہے، تازندگی جمعیۃ علماء ہند سے آپ کی وابستگی اس کا واضح ثبوت اور بین دلیل ہے ۔ جمعیۃ علماء ہند کے تاسیسی مقاصد میں سے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرکے ان کے لئے علم کی روشنی مہیا کرنا اور مسلمانوں کے درمیان شب وروز پنپنے والی خرافات کا سد باب بھی ہے۔

اس عنوان سے اگر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی تمام زندگی اسی میں صرف کردی

آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ضلع سہارنپور کے صدر ہونے کی حیثیت سے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں وہ بھی آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، حالانکہ آپ نے تعلیمی، سیاسی سماجی اصلاحی غرضیکہ فلاح وبہبود کے ہر میدان میں ملک وملت کے لئے گراں قدر کارنامے انجام دئے ہیں۔

بالخصوص تعلیم کے میدان میں آپ کی ذات اور خدمات دونوں ہی امتیازی شان کی حامل ہیں

آپ نے معروفِ زمانہ شخصیت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے ۱۳۲۷ھ میں قائم کردہ دینی ''مدرسہ سراج العلوم دمجھیڑہ ضلع سہارنپور (جو نیرنگئی تقدیر اور حوادثات زمانہ کے بعد بے نام ونشان ہوگیا تھا) کی ۱۳۸۴ھ میں نشأۃ ثانیہ فرما کر اپنے تعلیمی وتدریسی سفر کا آغاز کیا، یہ ایک سفر ہی نہیں بلکہ آپ کا ایک مشن تھا اسلئے کہ ایک ایسے وقت ہریانہ اوراس کی سرحد سے متصل سہارنپور سے لے کر پانی پت اوراس سے آگے تک کے پورے خطے میں لوگ تہذیب وتمدن سے عاری اور تعلیم تعلم سے دور اسلامیات سے نابلداور دینیات سے ناآشنا تھے۔

اور پورے علاقے میں جہالت وتاریکی اور بدعات وخرافات عام تھی لوگ تصورات وتوہمات اور رسومات کے رسیا اور خوگر بن چکے تھے، چہار سو شدت پسندی کا بازار گرم تھا۔

آپ نے تعلیمی واصلاحی تحریک کی داغ بیل ڈال کر بڑے پیمانے پر تعلیم کا غلغلہ بلند کیا، قریہ قریہ افہام وتفہیم اور تقریر وخطابت کے ذریعے لوگوں کو دینی وعصری تعلیم کی اہمیت سے روشناس کرایا اوراس پورے علاقہ میں مدارس ومکاتب، اسکول وکالج کا جال بچھا کر ملت کے اوپر احسان عظیم فرمایا۔

اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ آپ کے نقوشِ زندگی میں خوردوں کے لئے کامیابی کے راز مضمر ہیں اور آپ کی قوم وملت کے لئے بے لوث خدمات جمعیۃ علمائے ہند کی شاندار تاریخ کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ اللہ تعالی ہم سب کو اپنے بڑوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صاحبِ عزیمت اور روشن دماغ عالمِ دین

(حضرت مولانا زاہد حسن قاسمی)

بہ قلم: مفتی محمد ساجد کھجناوری

مدرس حدیث وفقہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

بعض شخصیتیں اپنے فضل وکمال، علم واخلاق اور خدمات ومجاہدات کے زینے طے کرنے کے سبب محبوبیت کا ایسا روپ دھار لیتی ہیں کہ پس مرگ بھی ان کے نام وکام کی خوشبوں کا سفر جاری رہتا ہے، ان کے نقوش حیات اگلوں کیلئے راست سمتوں کا تعین کرتے ہیں اور دین وملت کیلئے تن من دھن کی بازی لگا دینے کا حوصلہ عطا کرتے ہیں، دین وملت کے یہ وہ روشن کردار ہوا کرتے ہیں جنھیں زمان ومکان میں قید کرکے نہیں دیکھا جاسکتا، ان اعلام وشخصیات کے روز وشب کی ڈائریاں ملاحظہ کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ انسانی بستیوں کے یہ وہ نمائندہ افراد تھے جن کے کردار وعمل کا سکہ رائج تھا ان کی شرافت ومروت، تعلیمی وتبلیغی جہاد اور سیاسی وسماجی شعور کی پختگی کا فیضان چہار سو متعدی تھا، ملت پر پڑنے والی افتاد کے دور پرفتن میں یہی اہل فراست تھے جنھوں نے عزم وہمت کے چراغ روشن کرکے دور اندیش قیادت کا خلا پر کیا بیسویں صدی کے اوسط دورانیے میں مغربی یوپی کے ایسے بافیض اور جری اہل علم کی اگر کوئی محدود فہرست بھی ترتیب دی جائے تو حضرت مولانا زاہد حسن قاسمی کا نام نامی اس فہرست میں ترجیحی طور سے شامل رکھا جائے گا۔

حضرت مولانا زاہد حسن شہر سہارن پور کے صدر مقام سے تقریبا اٹھارہ کلومیٹر دور

بجانب شمال مغرب موضع ابراہیمی کے باشندہ تھے جہاں انہوں نے سن انیس سو اٹھارہ عیسوی میں چودھری محمد اسماعیل کے یہاں آنکھیں کھولیں جو سیکڑوں بیگھہ زرعی زمین کے مالک ہونے کے ساتھ اہل علم کی محبت سے سرشار رہتے تھے۔

اور صرف والد گرامی ہی کیا آپ کے تو دادا بزرگوار محمد قلندر بخش بھی علاقہ کی نامی گرامی ہستی اور سات سو پچاس بیگھے زمین کی ملکیت رکھتے تھے جن کی سخاوت وفیاضی کا یہ عالم تھا کہ مدیون احباب کو قرضوں سے سبکدوش کرانے کی خاطر اپنی پانچ سو بیگھے سے زائد زمین بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا، احادیث شریفہ اور اہل علم سے اس قدر الفت کہ کھیت ہی میں ایک عالم دین سے مشارق الانوار پڑھوا کر سنا کرتے جس کے نتیجے میں بہت سی مرویات آپ کو زبانی یاد ہوگئی تھیں۔ مخلوق خدا کی بے پناہ خدمت، اپنے اور دوسروں کی حاجت روائی اور مفلوک الحال انسانوں کیلئے سہارا بننے کی تابناک روایتیں اس گھرانے کی شناخت کا روشن حوالہ رہی ہیں، مزید برآں حضرت مولانا کی والدہ مرحومہ بھی ایک خدارسیدہ خاتون تھیں جن کی مستجاب دعاں کے صدقہ واہتمام کی بدولت اللہ نے زاہد حسن کا نام کا یہ فرزند سعید آپ کو عطا کیا تھا جس نے آگے چل کر دوآبے کے اس علاقہ کو اپنی بے مثال خدمات کا مرکز بنایا اور سیاست وسماج کے تیزی سے بدلتے دھارے میں نافعیت کے نقوش چھوڑے۔

مولانا کے شخصی احوال وتناظرات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ آہنی عزم وارادہ کے پختہ کار انسان تھے انہوں نے اپنے مقصد حیات سے غافل ہوئے بغیر خالق ومخلوق سے مطلوبہ رشتوں کو ہرا بھرا رکھنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی اسی لئے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی انجام دہی میں ان کا ظاہر وباطن تناقضات سے بیزار دکھائی دیتا ہے، وہ

عالم ربانی بھی تھے، زاہد مرتاض بھی، اور دین وسیاست کا خوب صورت آمیزہ بھی، یقیناً ایسے خادم دین وشریعت کے خوشبودار تذکرہ کو تحریر کے قالب میں ڈھال کر نئی نسل کو زمانہ کے تحدیات سے روبرو ہونے کی تلقین کرنا ایک مبارک کام ہوگا جس سے حضرت مولانا کی روح بھی خوش ہوگی اور خدام دین وسیاست کو تازہ رنگ وآہنگ میسر آئے گا ان شااللہ تعالی۔

ہمارے ممدوح مولانا زاہد حسن ابراہیمی اپنے افادِ علم وفیضان کا ایک جہان بسائے ہوئے تھے انھیں بچپن اور پھر عنفوان شباب سے ہی ایسے باکمال اساتذہ اور مربیانہ صفات کے حامل سرپرستان واکابر ملتے رہے جنہوں نے مولانا کی ذات والا صفات میں صالح فکر وعقیدہ کی ترسیل کرنے کے ساتھ طواف دشت جنوں کا جادو بھی جگا دیا تھا جہاں گھریلو ماحول سے دلیری شجاعت سادگی اور استغنائیت انھیں وراثت میں حاصل تھیں وہیں علوم ظاہری وباطنی کی تحصیل نے مولانا کے اندرون میں مطلوبہ عشق ومستی کی آگ روشن کردی تھی

آتشِ عشق نے جلا ڈالا، زندگی ہم نے مر کے پائی ہے کے مصداق وہ علم ومعرفت کی دوکانوں پر دوائے دیدہ ودل کے نسخے حاصل کرتے رہے جہاں دارالعلوم دیوبند کا سات سالہ قیام ان کے ظاہری علوم کی تکمیل کا بہترین حوالہ ثابت ہوا وہیں خانقاہ حسینیہ دیوبند خانقاہ خلیلیہ سہارن پور اور خانقاہ رحیمیہ رائے پور کے فیضان روحانیت نے انھیں اتباع سنت وشریعت کا ذوق بخشا اسی لئے حضرت مولانا کے قلب وقالب پر دیوبند کے دینی رخ اور اس کے مزاج ومسلک کی گہری چھاپ تھی ،سن انیس سو اکتالیس عیسوی میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فاتح فراغ پڑھی لیکن زندگی کے آخری دم تک وہ دیوبند کے ایک سچے سپوت بن کر جئے سیاسی مسلک میں

بھی وہ اپنے شفیق استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے شانہ بشانہ کھڑے رہے بلکہ بیعت وارشاد میں بھی آپ اولاً حضرت مدنی سے ہی وابستہ ہوئے تھے لیکن آپ کی وفات کے بعد قطب زماں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری سے رجوع کر کے خلافت یاب ہوئے بعدازاں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے بھی آپ اپنے حلق مجازین میں شامل فرمالیا تھا۔ تفقہوا قبل ان تسودوا کے باب میں حضرت مولانا کی تڑپ اور تحصیل علم کی وارفتگی بھی رشک بھری تھی یہی وجہ تھی کہ درس نظامی کی تکمیل کے باوجود آپ نے قرآنیات پر مزید توجہ دیتے ہوئے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی خدمت میں بھی حاضری دی اور ان سے قرآنی افادات سماعت فرمائے۔

ظاہر ہے کہ ایسے مخلص طالب وسالک پر رحمان کی عنایتیں کیوں سایہ فگن نہ ہو اور اسے دین ودنیا کی سرفرازیوں سے کیوں نہ گزارا جائے چنانچہ یہی مولانا زاہد حسن صاحب جب میدان عمل میں آتے ہیں تو اپنی خدمات کے ایسے نقوش قائم کرتے ہیں کہ معاصرین بھی رشک کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، اپنے اپنے نصیبہ کی بات ہے، دین وملت کیلئے جب قربانی دی جاتی ہے اور گوشہ گیر ہونے کی بجائے سارا سکون وآرام تج کر کے عوامی خدمات کو اوڑھنا بچھونا بنایا جاتا ہے تو پرخطر راہوں سے گزرے بغیر منزل مقصود کا حصول دیوانے کا خواب تو ہوسکتا ہے کسی مرد مجاہد کا عمل نہیں، حضرت مولانا کی مجاہدانہ زندگی میں بھی یہی نشیب وفراز پنہاں نظر آتے ہیں انہوں نے راہوں میں پھول بھی دیکھے ہیں اور کانٹوں سے بھی سابقہ پڑا ہے دراصل کامیابی کی راہ مشقتوں سے ہی گزرتی ہے۔

یہ پھول مجھے کوئی وراثت میں ملے ہیں
تم نے میرا کانٹوں بھرا بستر نہیں دیکھا

حضرت مولانا مضبوط اعصاب اور بے پناہ قوت ارادی کے مالک تھے انہوں نے اپنے اساتذہ ومشائخ کی اتباع میں جن راہوں کا انتخاب کیا وہ انتہائی دشوار اور حوصلہ شکن تھیں، تقسیم ملک کا قضیہ درپیش تھا شاطر ومفاد پرست اہل سیاست تو کجا خود ملک وملت کے مخلص علما ومسلم قائدین بھی تقسیم مذکور کے تعلق سے متضاد رائے رکھتے تھے۔

چنانچہ اس اجتہادی اختلاف رائے میں کسی بھی فریق کو مطعون کرنا راست رویہ نہیں ہے یہ حضرات اپنے اپنے فہم وفراست کے اعتبار دین وملت کی شیرازہ بندی اور اجتماعی طاقت کو بچانے کا عزم رکھتے تھے، جمعی علما ہند کی قیادت نے تقسیم ملک کی مخالفت اسی لئے کی تھی کہ وہ اسے ملک وملت کے حق میں سخت نقصان دہ سمجھتے تھے ان کا کانگریس پارٹی سے سیاسی امور میں اشتراک عمل بھی اسی بنیاد پر تھا لیکن کانگریس کے منافقانہ رویے اور ڈھل مل کردار نے اکابر جمعی کو مایوس ہی کیا جس کے نتائج آزادی کے ستر سال گزرنے کے بعد جگ ظاہر ہیں بعض اہل قلم مرخین نے شیخ الاسلام حضرت مدنی رحم اللہ علیہ کا درد بھرا یہ تبصرہ بھی نقل کیا ہے کہ: ہم نے کانگریس سے عرش مانگا تھا لیکن ہمیں فرش دیا گیا!

بہرکیف یہ ریمارک تو جملہ معترضہ کی شکل میں یہاں نوک قلم پر آ گیا ذکر خیر تو حضرت مولانا زاہد حسن کا چل رہا تھا کہ آپ نے سیاسی رجحانات ومسلک میں حضرت مدنی کی پیروی فرمائی حتی کہ انیس سو چھیالیس عیسوی کے اسمبلی الیکشن میں دیوبند سیٹ سے کانگریس پارٹی کے فاتح امیدوار بن کر ابھرے اور اپنے سیاسی حریف مسلم لیگ کے شیخ ضیاالحق کو شکست سے دوچار کر کے لکھن ایوان اسمبلی پہنچے جہاں آپ طے شدہ میقات میں مسلمانوں اور مظلوم طبقات کی بیباک نمائندگی کرتے رہے بعدازاں انیس

سوستر اور اکیاسی عیسوی کے لوک سبھا الیکشن میں بھی آپ نے قسمت آزمائی کی لیکن کانگریس پارٹی کی مکروہ شبیہ کے باعث کامیاب نہ ہو سکے۔

حضرت مولانا کی حیات وخدمات کے بے شمار پہلو ہیں، کہیں آپ مدرسہ تحریک کے مضبوط ستون دکھائی دیتے ہیں اور فاضل مدرس حدیث کی حیثیت سے طلبہ واساتذہ کو علمی وانتظامی غذا فراہم کرتے ہیں تو وہیں اصلاح معاشرہ کی خاطر مبلغ اسلام کی صورت میں منبر ومحراب سے گرجتے اور چہکتے دکھائی دیتے ہیں۔

آپ کے نمایاں کارناموں میں سب سے جوکھم بھرا کام وہ ملک کی تقسیم کے بعد دوآبے کے دہشت زدہ مسلمانوں کو نقل مکانی سے روکنا اور پنجاب سے وارد ہونے والے فسادیوں کے ان جتھوں کو ناکام کرنا تھا جو ایک خاص ذہنیت کے تحت مسلمانوں کو ٹارگیٹ کر رہے تھے، ان پرآشوب احوال میں حضرت مولانا تن تنہا ہمت وثبات کے دیئے روشن کر کے لڑکھڑاتے قدموں کو جما رہے تھے، یقینا مولانا جیسے قائدین کی شجاعت وفراست ایمانی تھی کہ دوآبے کے اس علاقہ سے مسلمانوں کا عمومی انخلا ممکن نہ ہو سکا دیوبند سہارن پور اور رائے پور وغیرہ کے اہل دل بزرگوں نے یہی اجتماعی فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنے اسلاف کے قائم کردہ دینی اداروں اور معابد کو بہرصورت زندہ وتابندہ رکھیں گے پھر چشم فلک نے دیکھا بھی کہ حضرت مولانا زاہد حسن جیسے مخلص دینی رہنماں کی قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں اور آج بھی یہ علمی چمن یونہی آباد وشاداب ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان نیک طینت را

دین وملت کے اس ہوش مند قائد کی سنہری خدمات یقینا اس بات کی مستحق تھیں کہ بہت پہلے تحریر وتالیف کی شکل میں انھیں زیب داستان بنایا جاتا لیکن بہرکیف ہوئی

تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی ہوگا اب جبکہ آپ کی وفات پر تین دہائیوں سے زائد کا عرصہ ہوا چاہتا ہے حضرت مولانا کی یادوں اور باتوں پر محیط تحریر وقلم کی بزم سجانا ایک خوش گوار عمل ہوگا میں برادر عزیز مولانا مفتی عبدالخالق الماجروی اور ان کے تمام معاونین ورفقا اور ذمے داران کو اس دستاویزی کتاب کی تقدیم پر دلی مبارک باد دیتا ہوں اور مقاصد حسنہ میں کامیابی کا متمنی ہوں۔

والسلام

۱۰؍نومبر ۲۰۲۰ء مطابق ۴؍ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ

بروز بدھ بعد نماز عشاء

تجھے کیا خبر مہ وسال نے ہمیں کیسے زخم دیئے یہاں
تیری یادگار تھی ایک خلش تری یادگار بھی اب نہیں
وہ جو اپنی جاں سے گزر گئے انہیں کیا خبر ہے کہ شہر میں
کسی جاں نثار کا ذکر کیا کوئی سوگوار بھی اب نہیں

(جون ایلیا)

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرتب کا مختصر تعارف

از:- اعجاز الحق خلیل قاسمی شمس پوری سہارنپوری

ہندوستان میں مسلمانوں کی عصمت وکردار کی محافظ اور اسلام کی عظمت وشان کی علم بردار گم شدہ زمانوں کے ایسے راست باز وپاک باز علماء کی قائم کردہ جماعت جن سے فقر واستغنا کا بوریہ قائم ہے اور جن سے شہنشاہوں کی جبینوں پر خراش آجاتی ہے جو جماعت اپنے اندر صبرواستقامت، ایثار وفاداری، اسلامی چمن کی آبیاری، مجاہدہ اور آداب سحر گاہی، اخلاص وللّٰہیت، زہدواستغنائیت کے شہ سوار اور شب بیدار بلند اقدار کے حامل افراد کی ایک روشن تاریخ رکھتی ہے، اور یہ جماعت آج تک انہیں صفات و خصوصیات کے حامل افراد کے ہاتھوں منزل مقصود کی جانب اپنی راہ پر گامزن ہے، جس کو جمعیۃ علماء ہند سے جانا جاتا ہے، اسی مقدس راست باز اور پاکباز سلسلے کی ایک اہم کڑی اسی جمعیۃ کے عظیم سپوت خاکساری اور تقوی شعاری کے اعلیٰ نمونہ، راہ حق کے سچے طالب اکابر کے پروردہ، خانوادۂ مدنی کے دست گرفتہ، اکابر علماء دیوبند کے تربیت یافتہ اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ ومجاز حضرت مولانا زاہد حسن صاحب قاسمی ابراہیمی نوراللہ مرقدہ کی ذات گرامی ہے جن کی خدمات و خصوصیات کا دائرہ بہت وسیع ہے آپ دیہات کی خاک سے اٹھ کر علم وعمل زہدوتقوی فکر ونظر کے افلاک پر جا پہنچے۔

آپ کی حیات کے درخشاں پہلو، اوصاف وکمالات اور حالات وخصوصیات کو تحریری شکل میں وجود بخشنے اور آپ کی حیات کے نمایاں کارناموں کو اجاگر کرنے کا کام اللہ تعالی نے ایک باکمال صلاحیت وصالحیت کے بہترین سنگم اور دارالعلوم دیوبند کے نامور فاضل مفتی عبدالخالق قاسمی الماجری خادم تدریس مدرسہ اسلامیہ عربیہ کنزالعلوم ٹڈولی ضلع سہارنپور سے لیا ہے۔

مفتی عبدالخالق صاحب نے قوم وملت کے اس فرض کفایہ کو بڑے خلوص ،طویل جفاکشی وجانفشانی، انتہائی سلیقہ مندی اور حسن وخوبی سے انجام دیا ہے، اللہ تعالی نے حضرت مفتی صاحب کو اچھے ذہن اور اچھے قلم سے نوازا ہے، جس کا بروقت اور برمحل اچھا استعمال کرتے ہیں اللہ تعالی نے آپ کے اندر زمانہ طالب علمی ہی سے بڑی خوبی ودیعت کی ہے، شیریں زبان، علم کے رسیا، طبیعت میں حلم اور سادگی، قرآن وحدیث کے شیدا، فقہ وفتاویٰ کے شائق اور بھی بہت سی خوبیوں کا حسین مرقع ہیں، آپ دیوبند اور گنگوہ کے درمیانی دیہات سے "نائی نگلی عرف ماجری" کے باشندہ ہیں، آپ کے والد الحاج صوفی جمیل صاحب ابن چوہدری شمس الدین صاحب پیشے سے کاشتکار ہیں، اور تبلیغی جماعت کے سرگرم رکن ہیں، آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ حسینیہ ناشر العلوم نائی نگلی عرف ماجری میں ہوئی، پھر اس ننھے سے پھول نے ایک محدود چمن سے نکل کر ایک علمی دینی دانشگاہ دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، جہاں ۲۰۰۱ء میں فارسی پنجم میں آپ کا داخلہ منظور ہوا اور آپ نے تقریبا دس سال اپنی علمی تشنگی بجھائی، آپ کی فراغت دیوبند سے ۲۰۱۰ء میں عمل میں آئی، افتاء کی تکمیل سن ۲۰۱۲ء میں جامعہ اشرف العلوم

رشیدی گنگوہ میں کی ، جہاں احقر کو بھی آپ سے استفادہ کا خوب موقع ملا آپ ہی کے توسط سے کچھ اکابر سے شناسائی کا سلسلہ دراز ہوا، آپ ایک ہوش مند، جفاکش ،اور زیرک طالب علم شمار ہوتے تھے ، چنانچہ ۲۰۱۲ء/ ۱۴۳۳ھ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت ناقل فتاوی آپ کا تقرر عمل میں آیا جہاں آپ نے تقریبا دو سال دارالافتاء میں خدمات انجام دیں اس دو سال کے عرصے میں کئی ہزار مسائل اپنے ہاتھ سے نقل کئے۔

دارالعلوم دیوبند کے بعد آپ نے تدریسی حیات میں قدم رکھا تو مدرسہ فیض العلوم خانقاہ بوڑیہ جو ہریانہ کا ایک معروف ادارہ ہے وہاں آپ کو بحیثیت مفتی بلا لیا گیا، یہاں فتاوی کے جوابات تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ درسی کتابیں بھی آپ سے متعلق رہیں، آپ کا تدریسی سفر ترقی کرتا گیا ۱۵ر فروری ۲۰۱۶ء میں آپ کا تقرر مدرسہ اسلامیہ عربیہ کنزالعلوم ٹڈولی ضلع سہارنپور (جو قصبہ گنگوہ کا نامور ادارہ ہے) میں طے پایا اور یہاں مستقل درس وتدریس ، جوابات فتاوی اور شعبہ تبلیغ کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی جنکو آپ بہ حسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔اور الحمدللہ سال رواں ۲۰۲۱ء سے مشکوۃ شریف جلد اول کے اسباق بھی آپ سے متعلق ہیں۔

تاہنوز مستقل مزاجی وفا شعاری بیدار مغزی اور فکری جولانی کے ساتھ اپنے علمی، تدریسی، تحریری اور دعوتی کارواں کو آگے بڑھانے میں سرگرم عمل ہیں، اللہ کرے آپ کا علمی فکری سفر ہمیشہ جاری رہے، آپ ہر میدان کے شہسوار، اور قابل قلم کار ثابت ہوں ،اور آپ کا یہ علمی ادبی گلستاں کبھی خزاں آشنا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اس قلمی کاوش کو قبولیتِ عامہ وتامہ نصیب فرمائے ،اور موجودہ و آئندہ نسلوں کو بھر پور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے،آپ کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔آمین یارب العالمین۔

○❖○

ضروری یادداشت

یقیناً اس میں بہت سی غلطیاں رہ گئی ہوں گی، آپ سے گزارش ہے کہ دورانِ مطالعہ ان کو یہاں نوٹ کرتے رہیں، تکمیل کے بعد ارسال فرمادیں، آئندہ ایڈیشن میں اُن کو درست کرلیا جائے گا۔ ان شاء اللہ